یورپ کے مشہور و معروف سیاح عرب

شیخ ابراہیم بن عبداللہ البرکہارت

جان لوئیس برکھارٹ

کے

سفرنامۂ حجاز

کا اُردو ترجمہ

مترجمہ

مولوی علی شبّر صاحب

منتظم سررشتۂ انتظامی مجلس عالیہ عدالت سرکار عالی

مطبوعہ تاج پریس واقع چھتہ بازار حیدرآباد دکن

سنہ ۱۳۴۳ ہجری

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	سلسلہ
۱	جدّہ	۱
۳۲	جدّے سے طائف تک	۲
۴۲	طائف میں قیام	۳
۶۲	بیت اللہ کے اندر جو رسوم ادا کئے جاتے ہیں	۴
۶۳	صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا	۵
۶۴	زیارت عمرہ	۶
۶۸	حالات مکہ معظمہ	۷
۷۳	مکہ معظمہ کے محلے	۸
۹۳	بیت اللہ پاک کی بڑی مسجد کے حالات	۹
۱۱۷	کعبے کے متعلق کچھ تاریخی واقعات	۱۰
۱۲۳	مکے کے متبرک مقامات	۱۱
۱۲۶	شہر کے باہر کی زیارت گاہیں	۱۲
۱۳۱	مکہ و جدہ کے باشندوں کے حالات	۱۳
۱۶۳	مکہ کی حکومت	۱۴
۱۶۴	مکہ و جدہ کی آب و ہوا	۱۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانوں کی ارض مقدس (حجاز) میں یورپ کے سیاحوں نے سب سے پہلے سترھویں صدی عیسوی کے شروع میں قدم رکھا اور اس زمانے سے اسوقت تک کم و بیش بیس بائیس سیاح گزرے ہیں جنہوں نے اس سرزمین میں آکر مکے مدینے کی سیاحت کی اور یہاں کے چشم دید حالات سے اہل یورپ کو آگاہ کیا۔ ان سیاحوں میں برک ہارڈ ایک ممتاز شخصیت رکھتا ہے اس کو اہل یورپ "عرب کے یوروپین سیاحوں کا بادشاہ" کہتے ہیں اور اس کا سفرنامہ یورپ میں مکے اور مدینے کے متعلق معتبر و مستند معلومات کا ذخیرہ سمجھا جاتا ہے زمانہ حال کے ایک مشہور مصنف ڈاکٹر زویمر نے اپنی کتاب "عریبیا دی کریڈل آف اسلام" میں عرب کے یوروپین سیاحوں کا ذکر کرتے ہوئے برکھارڈ کے سفرنامے کی نسبت حسب ذیل ریمارک کیا ہے۔

"یورپ کے بیس تیس سیاحوں نے مکے اور مدینے کی سیاحت کی ہے ان کے سفرنامے بھی شایع ہوئے ہیں لیکن ان سب نے یہاں کے حالات کو مبالغہ آمیز پیرایہ میں بیان کیا ہے بخلاف

انکے جان لوئیس برکھارڈ کا سفرنامہ زیادہ معتبر و مستند اور عالمانہ ہے"۔

خدیو مصر عباس حلمی پاشا ثانی کے سفرنامۂ حجاز میں تحریر ہے۔

"برک ہارڈ ایک قابل ذکر شخص ہے جسنے سب سے پہلے اس ملک کی سیاحت کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ وہ پہلے مصر میں آیا مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا۔ عربی زبان سیکھی پھر ملک عرب کا سفر کیا۔ عرصے تک وہاں اقامت اختیار کی۔ ملک عرب کے متعلق ایک کتاب لکھی جو ان تمام کتابوں میں بہترین کتاب ہے۔ جنہیں اہل یورپ نے عرب کے متعلق لکھا ہے خاصکر ملک عرب' قبائل عرب' اور انکے تمدن و معاشرت کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ بہت زیادہ بہتر اور مفید و کارآمد ہے"۔

برک[1] ہارڈ سوئٹزرلینڈ کا باشندہ تھا اسکا پورا نام جان لوئیس برکھارڈ ہے ۱۷۸۴ء میں بمقام لاسین اسکی ولادت ہوئی ہے۔

وطن میں اسنے ابتدائی تعلیم حاصل کی اسکے بعد جرمن میں آکر لیپزگ اور گوٹنگن کی یونیورسٹیوں میں بقیہ تعلیم تکمیل کی پھر انگلستان میں آیا اور کیمبرج یونیورسٹی میں شریک ہو کر طبابت اور جراحی اور عرابی زبان کو حاصل کیا۔

اسی زمانے میں افریقیہ کی تحقیقات کے لئے لندن میں ایک سوسائٹی افریکن ایسوسی ایشن کے نام سے قایم ہوئی تھی برک ہارڈ نے تعلیم سے فراغت حاصل کرکے اس سوسائٹی کی ملازمت

[1] برک ہارڈ اور اسکی تصنیفات کے حالات کتب ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔
ڈاکٹر ہوتسما کی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
زائی کی کرسچینز اٹ مکہ
جرجی زیدان کی تاریخ الآداب اللغۃ العربیہ جلد رابع
طلعت بک حرب کی تاریخ العرب الاسلام کا دیباچہ۔ لوئیس شیخو کی تاریخ الآداب العربیہ فی القرن التاسع عشر

اختیار کرلی۔ اور ارکانِ سوسائٹی نے سوڈان کے حالات اور دریائے نائگر کے منبع کی تحقیقات کیلئے
اسکو مامور کیا۔ اور وہ اس مہم پر ۱۸۰۹ء میں انگلستان سے روانہ ہوا۔ سوسائٹی کی ہدایت
کے بموجب اُس نے عربی زبان کی تکمیل اور اسلامی مسائل کی تحصیل کیلئے شام میں آکر دو سال
گزارے اس عرصے میں یہاں کے تمام مشہور مقامات مثلاً حلب۔ دمشق۔ تدمور بیت المقدس
لبنان۔ وغیرہ کی سیاحت کی ۱۸۱۳ء میں شام سے نکلکر مصر کیجانب روانہ ہوا اور قاہرہ
میں پہنچکر کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد دریائے نیل کے راستے سے نوبہ چلا گیا یہاں سے
صحرائے نوبہ کو طے کرکے سواکن میں آیا اور یہاں سے جہاز میں سوار ہوکر ۱۸ جولائی ۱۸۱۴ء
کو جدہ پہنچا۔ جدے سے نکلکر طائف اور طائف سے مکہ میں آکر مناسک حج ادا کئے اسکے بعد
دو مہینہ یہاں مقیم رہکر ۱۸۱۵ء کے شروع میں مدینہ کی جانب روانہ ہوا۔ مدینہ میں پہنچکر بیمار
ہوگیا جسکے باعث اسکو کئی مہینے یہاں ٹھیرنا پڑا اور جب صحت ہوئی تو وہاں سے ینبوع
میں آیا اور ینبوع سے جہاز میں سوار ہوکر جزیرہ نمائے سینا چلا گیا اور وہاں سے
براہ سوئز ۱۸۱۵ء کے اواسط ایام میں قاہرہ پہنچا۔

برک ہارڈ نے قاہرہ میں آکر دو سال گزارے ۱۸۱۷ء میں اس نے سوڈان
سے ہوکر نائگر کے منبع تک سفر کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس مہم پر روانہ ہونے کے پہلے اسہال کا
شکار ہوگیا۔ ۱۵ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو اُس نے بمقام قاہرہ اسلامی وضع قطع میں انتقال کیا
مسلمانوں نے اسکی لاش کو قرافہ کے باب الفتوح میں شیخ یونس کے مقبرے کے قریب
دفن کیا اور اسکے لوحِ مزار پر اسکا نام اسطرح کندہ کرایا۔

ابراهیم بن عبد الله بورکهارد

مصر کے عوام اس کی قبر کو ایک مسلمان درویش کی قبر سمجھتے ہیں اور
اس کا نام ابراہیم برکات یا شیخ برکات بتاتے ہیں۔
برک ہارڈ نے اپنے حالات سیر و سیاحت کو تین سلسلوں میں قلمبند

کیا ہے :-
پہلا سلسلہ شام اور فلسطین کی سیاحت کے متعلق ہے اور ایک جلد میں سنہ ۱۸۲۲ء
میں شائع ہوا ہے۔
دوسرا سلسلہ بلاد نوبہ اور مشرقی افریقہ کی سیاحت کے حالات پر مشتمل ہے
یہ بھی ایک جلد میں سنہ ۱۸۱۹ء میں شائع ہوا ہے۔
تیسرا سلسلہ حجاز اور مکہ و مدینہ کی سیاحت کے متعلق ہے اور دو جلدوں میں
سنہ ۱۸۲۹ء میں شائع ہوا ہے۔
اسکے علاوہ اس نے دو ضخیم جلدوں میں بدویوں اور وہابیوں کے
حالات لکھے ہیں جو سنہ ۱۸۳۱ء میں چھپ کر شائع ہوئے ہیں ایک کتاب عربی کے
ضرب الامثال کی نسبت لکھی ہے اور یہ سنہ ۱۸۳۰ء میں طبع ہوئی ہے۔
برک ہارڈ کے سفرناموں میں حجاز کا سفرنامہ بڑی وقعت اور اہمیت
رکھتا ہے۔ اس کی سیاحت کے پہلے اہل یورپ کو مکہ اور مدینہ کے حالات سے
بہت کم واقفیت تھی۔ اس نے اپنا سفرنامہ اس وضاحت سے لکھا ہے کہ یہاں کے
حالات اہل یورپ کے لئے آئینہ ہوگئے ہیں۔
برک ہارڈ نے اپنے سفرنامے میں نہ صرف مکہ اور مدینہ کے موجودہ حالات
لکھے ہیں بلکہ اس کے ضمن میں عربوں کے طرز معاشرت، رسم و رواج کے گزشتہ حالات

قابلِ ذکر مقامات کعبہ اور مدینہ کی زیارتوں کے کوائف۔ ایامِ حج
کی زندگی ان سب باتوں کا اس عمدگی سے تذکرہ کیا ہے کہ آنکھوں کے سامنے
ان کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔

یورپ میں عرب کے متعلق جسقدر کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں مکہ
و مدینہ کے حالات زیادہ تر اسی سفرنامے سے ماخوذ ہیں اور اس کے بعد
یورپ کے جسقدر سیاحوں نے مکہ اور مدینے میں سفر کیا وہ سب اپنے
سفرناموں میں اسی کے سفرنامہ کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔

سر رچرڈ برٹن نے جس کو مکے اور مدینے کی سیاحت کے باعث
غیر معمولی شہرت حاصل ہے اپنے سفرنامے میں جگہ جگہ اس کے حوالے دیئے ہیں
اور سفرنامے سے عبارتیں اخذ کی ہیں۔

برکہارڈ کے سفرنامہ حجاز کا یہ اردو ترجمہ ہمارے محترم دوست
مولوی علی شبیر صاحب نے کیا ہے۔ صاحب موصوف کی علمی قابلیت کسی مزید
تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کے عالمانہ مضامین اکثر رسالوں میں شائع ہوتے رہتے
ہیں اور آپ نے ارضِ حجاز کی نسبت بہت سے محققانہ مضامین لکھے ہیں
مثلاً غلافِ کعبہ۔ حجرِ اسود۔ حجاز کے فرنگی سیاح وغیرہ۔

برکہارڈ نے اپنے حالاتِ سفر اس انداز سے لکھے ہیں کہ ان سے
اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس کا لکھنے والا مسلمان ہے یا عیسائی اور
اس نے مذہبی تعصب سے مطلق کام نہیں لیا ہے۔ تاہم بعض جگہ اس سے
غلطیاں بھی ہو گئی ہیں اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس کی وجہ عدمِ واقفیت ہے

فاضل مترجم نے ایسے مقامات پر مبسوط حواشی لکھے ہیں کتب تاریخ، لغت وتفسیر و حدیث و فقہ کے مستند حوالے دیکر اِن اغلاط کو صحیح کیا ہے۔

یہ حواشی کتاب کے اخیر میں بطور ضمیمہ شامل ہیں۔

حکیم سید شمس اللہ قادری

سفرنامہ

حجازِ عرب

جدہ

سرزمین جدہ پر قدم رکھتے ہی چند مشکلیں بھی مجھے پیش آئیں ۱۵ جولائی ۱۸۱۴ء کو جدے پہنچکر سب سے پہلے میں اُس شخص کے مکان پر گیا جسکے نام کی میں ایک ہنڈی لایا تھا۔ یہ ہنڈی مینے جنوری ۱۸۱۳ء میں قاہرہ سے چلتے وقت لکھوائی تھی اسوقت عرب تک سفر کرنے کا میرا پکا ارادہ بھی نہ تھا یہ ساہوکار میرے ساتھ بہت ہی رکھائی سے پیش آیا۔ بات یہ ہوئی کہ اس ہنڈی کی میعاد گزر گئی تھی اور فی الحقیقت اسوقت میری حالت بھی ایسی خستہ تھی جس سے ہر ایک شخص کو شبہ ہوسکتا تھا کہ ایسی بھاری رقم کی ہنڈی اس نے کہاں سے لکھوالی علاوہ اسکے چھپیا ہنڈیاں شرقی سوداگروں میں بے وقعت بھی سمجھی جاتی ہیں خلاصہ یہ کہ اُسنے مجھے کورا جواب دیدیا البتہ اپنے ہاں ٹھہرنے کے لئے مجھ سے کہا یہ مینے دو روز کیلئے قبول کرلیا تاکہ اُسے بھی معلوم ہوجائے کہ میں کوئی اٹھائی گیرا جعلساز نہیں ہوں۔ لیکن اُس کو الحمل گھرا پاکر دوسرے ہی دن میں ایک سرائے میں جا اُترا اسوقت میرے پاس کل چار ڈالر اور کچھ ریزگاری رہگئی تھی۔ یہی میری پونجی تھی اسے مینے ایک تعویذ میں سیکر اپنے بازو سے باندھ لیا تھا آجکل جدے کے بازاروں میں تازہ تازہ میووں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے مینے آؤ دیکھا نہ تاؤ کھانے پر ٹوٹ پڑا نتیجہ یہ ہوا کہ چوتھے روز ہی مجھے زور کا بخار چڑھا اور کئی دن تک ایسا بیمار رہا کہ اگر ایک یونانی کپتان جو سواکن سے میرے ساتھ

سفر کرتا آرہا تھا میری مدد نہ کرتا تو میرا کام ہی تمام ہوگیا تھا وہ میرے پاس اکثر آتا اور تیمارداری کرتا تھا یہ میرے کہنے سے ایک حجام کو بھی بلا لایا تھا جس نے میری فصد کھولکر دار چینی ادرک اور جائفل مجھے کھانے کو بتائی اس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی پندرہ دن بعد میں کہیں چلنے پھرنے کے قابل ہوا مگر اس ملک کی گرم آب و ہوا کی وجہ سے کمزوری رفع نہ ہوئی اور پوری پوری صحت تو مجھے طائف کی آب و ہوا سے نصیب ہوئی یہ مقام مکے کے پیچھے پہاڑوں میں واقع ہے اور جدے سے میں یہیں روانہ ہوا تھا۔ جدے کے بازار کو حبشیوں یعنے سوڈان کے بازار سے کوئی نسبت نہیں ہے وہاں دو ڈھائی روپئے میں ایک بھلا آدمی پندرہ بیس دن تک اچھی طرح گزر کرسکتا ہے۔ یہاں ہر چیز کو آگ لگی ہوئی تھی اندرونی عربستان سے مال آنا بند ہوگیا تھا حجاز کی آبادی ترکوں کے لاؤ لشکر اور بیشمار بہیر بنگاہ کی وجہ سے بڑھ گئی تھی حاجیوں کے قافلے کے قافلے روزانہ الگ آرہے تھے اور ان سب کا گزران مصر کے مال پر تھا اسوجہ سے میری سب جمع جتھا میری بیماری میں ہی خرچ ہوچکی تھی یونانی کپتان نے اگرچہ میرے ساتھ بہت ہمدردی کی اور بڑی انسانیت کا برتاؤ کیا مگر آخر کہاں تک وہ ایسے شخص کی مدد کرسکتا تھا جسکے پلے ٹکا نہ ہو کھانے پینے کا خرچ چلانے کے لئے ہی مجھے روپئے کی ضرورت تھی اور روپیہ ہاتھ لگنے کی اسکے سوا کوئی شکل اب نہ تھی کہ میں اپنے غلام کو بیچ ڈالوں اسوقت مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ افسوس زمانے نے مجھے یہانتک مجبور کیا کہ میں اس شخص کے بیچ ڈالنے پر تیار ہوگیا جس کو مجھ سے محبت ہوگئی تھی اور جو مجھ سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا تھا۔ پچھلے سفر میں یہ مجھے بہت کارآمد اور وفادار ثابت ہوا تھا اور اگرچہ اسوقت میرے پاس کئی غلام تھے مگر اس کے برابر محنتی ایک بھی نہ تھا۔ یونانی کپتان نے اسے جدے کے غلاموں کے بازار میں لیجاکر ایک سو اڑسٹھ روپیہ میں فروخت کردیا اب میری یہ حیثیت ہوگئی کہ ایک فقیر کے بھیس میں یا زیادہ سے زیادہ کسی مفلس کی وضع بناکر حجاز میں سفر کرسکتا تھا۔ تندرستی مجھے آہستہ آہستہ ہو رہی تھی۔ اسلئے مینے مناسب سمجھا کہ یہاں کچھ دن آرام لوں خیر میں ایک غریب مصری کا سا لباس پہنکر یہاں پھرنے لگا اور فوراً روپیہ بھیجنے کے لئے قاہرہ کو لکھا لیکن یہ روپیہ تین چار مہینے سے کم میں نہیں آسکتا تھا اسلئے میں نے حج کے موسم یعنے آئندہ نومبر تک حجاز میں ٹھہرنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور قاہرہ سے روپیہ آنے تک یہاں روپیہ پیدا کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا اگر میں اپنی تمام کوششوں میں ناامید ہوجاتا تو میں بھی وہی طریقہ اختیار کرلیتا جو بہت سے غریب غربا حاجی بلکہ بعض معزز خاندان والے بھی یہاں اختیار کرلیتے ہیں یعنے وہ دوران قیام حجاز روزانہ کچھ نہ کچھ محنت مزدوری کرلیتے ہیں لیکن قبل اسکے کہ میں اس تدبیر پر عمل کرتا مینے ایک اور کوشش کی بہ امید محمد المرزوقی قاہرہ کے نامی گرامی سوداگر کا خط جدے کے سب سے زیادہ امیر عربی تاجر جیلانی کے نام

لایا تھا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ اس سے کچھ مطلب نہ نکلے گا کیونکہ وہ کوئی ہنڈی نہ تھی اسلئے مینے اُسے دیا ہی نہیں۔
اب مینے یہ ارادہ کیا کہ خود **محمد علی پاشا** کو ہی لکھوں آخر بہار ۱۸۱۳ء میں پاشا حجاز میں داخل ہو کر
طائف میں فوج لئے پڑا تھا یہاں سے وہ وہابیوں کے قلعوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

مصر صعید جانے سے قبل میں نے پاشا کو کئی مرتبہ قاہرہ میں دیکھا تھا اور مینے اپنی سیاحت کے خبط کا ذکر بھی ایک مرتبہ
اس سے کیا تھا جس کا اشارہ اُس نے مذاقاً طائف میں کیا۔ مصر صعید کے تاجر چونکہ عموماً غریب ہیں اسلئے وہ چھٹی یا
درشنی ہنڈی کی پروا نہیں کرتے اس وجہ سے جب میں مصر صعید میں تھا تو مینے روپیہ حاصل کرنے کی یہ تدبیر کی تھی
کہ مینے اپنے ساہوکار سے کہا کہ پاشا کے خزانے سے میرا روپیہ ادا کرنے کے لئے لکھدے چنانچہ اس نے **محمد علی**
پاشا کے فرزند **ابراہیم** گورنر مصر صعید کے نام ادائی رقم کی چھٹی مجھے دیدی تھی چونکہ پیشتر سے لین دین کا سابقہ
پاشائے موصوف سے مجھ کو پڑ چکا تھا اس لئے میں نے خیال کیا کہ ذلت سے چار پیسے پیدا کرنے کے قبل مناسب ہے
کہ پاشا کو حجاز میں اِن سابقوں کی یاد دلا دوں اور یہ مجھے معلوم تھا کہ پاشا میری نسبت اچھی رائے قائم کر چکا ہے
اسلئے میری اور بھی ہمت بڑھی۔

جونہی کہ میرا بخار ذرا تھما مینے **محمد علی** کے ایک حکیم کو جس کا نام **بصیری** تھا خط لکھا یہ شخص آرمینیا کا رہنے والا
تھا قاہرہ میں اس سے میری ملاقات ہوئی تھی اور وہاں میں نے اسکی بڑی تعریفیں سُنی تھیں آجکل یہ **محمد علی**
کے ساتھ طائف میں مقیم تھا۔ میں نے حکیم سے یہ التجا کی کہ وہ میری حالت زار پاشا سے عرض کر دے کہ میری ہنڈی
کا روپیہ جدے میں نہ ملا پاشا مجھ پر اتنی مہربانی فرمائے کہ قاہرہ کے میرے کھاتہ دار کی ہنڈی قبول فرما کر اُسکا
روپیہ جدے میں مجھے ادا کرنے کے لئے اپنے خزانہ دار کو حکم دیدے۔

اگرچہ طائف یہاں سے صرف پانچ روز کا رستہ ہے لیکن ملک کی حالت ایسی خطرناک ہے کہ اکا دُکا مسافر مکہ وجدہ کے
درمیان کے پہاڑوں سے گزرنے کی بمشکل جرأت کر سکتا ہے۔ قافلے جو یہاں والوں کے خط لیکر جاتے ہیں وہ بھی آٹھ
آٹھ دس دس دن کے وقفہ سے روانہ ہوتے ہیں اسوجہ سے مجھے امید نہ تھی کہ بیس دن سے پہلے میرے خط کا جواب
آسکیگا یہ دن مینے اپنے **سفر نوبہ** کے حالات لکھنے میں گزارے۔ اول تو اس موسم کی گرمی ہی بہت ناگوار ہوتی
دوسرے میری کمزوری کے باعث اندنوں مجھے بڑی تکلیف رہی مجھے سوائے صبح کے چند گھنٹوں کے ذرا آرام نہیں ملتا تھا
البتہ جس سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا اسکے پھاٹک میں کسیقدر امن تھا یہاں ایک پتھر کے چبوترے پر میں گھنٹوں پڑا رہتا تھا
اسی اثناء میں **بصیری** کے نامہ نگار جدہ نے جسکے ذریعہ سے میں نے خط بھیجا تھا میرا ذکر **طوسون پاشا**

خلف محمد علی پاشا گورنر جدہ کے حکیم یحییٰ افندی سے کر دیا تھا۔ یہ جس زمانہ میں مصر صعید میں تھا یہ حکیم بھی وہاں تھا لیکن اس سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی البتہ قاہرہ میں اس نے میرا نام سنا تھا اور اتنا جانتا تھا کہ یہ بھی کوئی سیاح ہے۔ اب جو اسے یہ معلوم ہوا کہ میں حبشیوں کے ملک سے چلا آ رہا ہوں اس کو مجھے دیکھنے کا اشتیاق ہوا اور بصیری کے دوست سے کہا کہ مجھے اُس سے ملا دے۔ خیر میں اُس کے پاس گیا اور وہ مجھ سے بہت ہی اچھی طرح ملا کئی مرتبہ مجھے اپنے مکان پر بلوایا اور آخر اسے معلوم ہو گیا کہ میری حاجت کیا ہے اور اُس کے رفع کرنے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔ ان دنوں طوسون پاشا کے ہمراہ مدینے جانے والا تھا اسلئے اپنا غیر ضروری اسباب قاہرہ بھیج رہا تھا جس کے ساتھ اُسکی سال بھر کی بچت کوئی پندرہ ہزار روپیہ بھی تھی۔ خدا کی قدرت کہ وہ حکیم مجھ پر ایسا مہربان ہوا کہ میری قاہرہ کی درشنی ہنڈی پر اُس نے کُل روپیہ مجھے عنایت کر دیا۔ یہ ایسی زبردست رعایت تھی کہ جدے کے تاجر اپنے ہنڈی والوں کے ساتھ کبھی نہیں کرتے۔ اس قسم کا بیوہار اگرچہ یورپ میں غیر معمولی نہیں ہے لیکن مشرقی ملکوں میں اول تو یہ بات ہی انوکھی ہے دوسرے میری بگڑی ہوئی حیثیت پر اور بھی طرہ تھی یحییٰ افندی نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ جب میں قاہرہ میں تھا تو میرے بعض دوستوں نے تمہاری بہت تعریف کی تھی اور اس وجہ سے مجھے تمہاری ساکھ اور اعتبار میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے اس بات کا ثبوت یحییٰ افندی کو اُس چٹھی سے بھی مل گیا تھا جو میں اپنے ساتھ لایا تھا چونکہ طائف میں پاشا کے پاس خط پہنچنے کا مجھے یقین نہ تھا اس لئے میں نے فوراً یحییٰ کو ہنڈی دیدی اور اُس کا روپیہ مجھے مل گیا۔ میرا محسن طوسون پاشا کے ساتھ مدینے روانہ ہو گیا اور جنوری کے مہینے میں وہاں بھی اُس سے میری ملاقات ہوئی۔

اب میرے پاس کافی روپیہ ہو گیا اور میرے سب دلدر دور ہو گئے۔ مصر سے روپیہ آنے تک میرا افلاس رفع ہو گیا اور پاشا کے پاس جو میں نے درخواست بھیجی تھی سردست اس کے ہست و نیست کی بھی مجھے پروا نہیں رہی یحییٰ افندی کو گئے ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ طائف سے جواب آیا بصیری تو میری درخواست پیش کرنے میں تامل ہی کر رہا تھا کہ شاید میں مکر جاؤں اور وبال اُس پر پڑے مگر پاشا نے اپنے کسی ہمراہی سے جو مجھ سے واقف تھا میری کیفیت سُنی کہ میں جدے میں پھٹے کپڑے پہنے پھر رہا ہوں۔ پاشا نے فوراً ایک آدمی کو دو اونٹ دیکر سید علی اوجقلی ناظم کروڑگیری جدہ کے پاس روانہ کیا اور حکم دیا کہ ایک جوڑا کپڑا اور پانسو پیاستر[1] زادِ راہ دیکر مجھے قاصد کے ساتھ طائف روانہ کر دے۔

---

[1] پیاستر مصری سکہ ہے۔ ایک پیاستر کوئی ساڑھے تین آنہ کا ہوتا ہے۔ ۱۲

سیّد علی او جقلی نے حکم کی تعمیل کی اور قاصد کو سمجھا دیا کہ مجھے ڈاک کے بالائی راستے سے طائف لیجائے اسمیں مکہ جنوب کیطرف رہجاتا ہے۔ نیچے کا راستہ مکے ہوکر ہے اور معمولی سٹرک ہے۔

میں نے سوچا کہ ترکی پاشا کا یہ بُلاوا بظاہر بڑی عنایت ہے۔ اب طائف پہنچکر خواہ کچھ بھی میری حالت ہو مگر بحالت موجودہ تو میں پاشا کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کر سکتا۔ اگرچہ قرضہ کی بجائے مجھے اُسکے ہاتھ سے انعام ملا ہے اور باوجودیکہ میری غیرت اسے قبول نہیں کرتی مگر اسکے دئیے کپڑے اور روپئے کو میں واپس بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اس وقت میں ہر طرح اسکی عنایت کا خواستگار ہوں۔ اب مجھے ڈاک کے رستے سے لیجانے کا مطلب معلوم ہو گیا اگرچہ سیّد علی بھی اس سے واقف نہ تھا مگر مینے اس لحاظ سے اپنا جی خوش کر لیا کہ میں بھی پاشا اور اسکے مصاحبوں کا ہمرتبہ ہوں چونکہ یہ بلاوا بہ تاکید تھا اسلئے جس دن قاصد آیا اُسی شام کو میں جدے سے روانہ ہو گیا اور چلنے سے قبل سید علی کے ساتھ کھانا کھایا۔ اسوقت اُسکے دسترخوان پر تمام دنیا کے حاجی موجود تھے آجکل رمضان کا مہینہ تھا اور ان دنوں حتی المقدور ہر شخص شام کے کھانے میں بڑی فیاضی دکھاتا ہے۔

اگرچہ بعض وجہ سے مجھے پاشا پر بھروسہ نہ تھا تاہم میں نے اپنا کل روپیہ اپنے ساتھ طائف لیجانا مناسب سمجھا یحیٰی افندی سے مینے تین ہزار پیاسٹر لی تھیں ان کی مینے اشرفیاں بنائیں اور کمر سے باندھ لیا۔ ترکوں میں روپئے والے کو اندیشہ نہیں ہے۔ یہ لوٹتے کھسوٹتے نہیں۔ ہاں کھو جائے تو وہ دوسری بات ہے۔ مجھے کھٹکا یہ تھا کہ جو میرے پاس ہے وہ طائف سے روانگی کے وقت رشوت میں دینا پڑیگا مگر الحمدللہ میرا یہ خیال غلط نکلا۔

اب میں جدّے اور یہاں کے باشندوں کے کچھ حالات لکھتا ہوں۔

جدّہ کسیقدر بلند زمین پر بنا ہوا ہے۔ اسکا نشیبی حصہ سمندر کے کنارے ہے جدے کی لمبائی سمندر کی طرف زیادہ سے زیادہ پندرہ سو قدم ہوگی لیکن چوڑائی کہیں بھی سات سو قدم سے زائد نہیں ہے۔ خشکی کیطرف فصیل بھی ہے اور گو اچھی حالت میں ہے مگر کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہے۔ یہ دیوار بنے ہوئے تھوڑے ہی برس گزرے ہیں۔ یہاں کے باشندوں نے یہ خیال کرکے کہ ۹۱۷ھ کی تعمیر شدہ ٹوٹی پھوٹی فصیل سے وہابیوں کے مقابلہ میں شہر کی حفاظت نہ ہوسکیگی سب نے ملکر خود نئی فصیل بنالی ہے عربوں کے پاس اچھا توپ خانہ تو ہے نہیں اسلئے وہ اس کو کافی مضبوط سمجھتے ہیں اس فصیل پر چالیس چالیس پچاس پچاس قدم کے فاصلہ پر ایک ایک برج بنا ہوا ہے اور اسپر زنگ کھائی ہوئی توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ دیوار کے گرد ایک پتلی سی خندق بھی ہے جس سے

حفاظت کچھ اور بڑھ گئی ہے اور اس طرح تمام عرب میں جدے کو اس بات کا فخر بھی ہے کہ یہاں ایک اچھا قلعہ ہے
سمندر کے کنارے شہر کے مقابل پرانی دیوار کے کھنڈر ہیں شمال کی طرف فصیل کے سرے پر جہاں سمندر ٹکراتا ہے
والی جدہ کی کوٹھی ہے اور جنوب کی طرف ایک چھوٹا سا قلعہ ہے اس پر آٹھ دس توپیں رکھی ہوئی ہیں اور انکے علاوہ
سمندر کی حفاظت کے لئے دروازہ پر ایک توپخانہ اور بھی ہے اور تمام بندرگاہ اسی کے زیر حفاظت ہے یہاں ایک
پرانی بڑی توپ بھی موجود ہے جس میں پانسو پونڈ کا گولہ چلتا ہے اور تمام بحر احمر میں یہ توپ اسقدر مشہور ہے
کہ گویا اسکی شہرت سے ہی جدے کی حفاظت ہو رہی ہے۔ سمندر میں سے شہر کے اندر دو گھاٹوں سے داخل
ہوتے ہیں۔ یہاں چھوٹی چھوٹی کشتیاں جہازوں سے سامان اتار دیتی ہیں جہاز ساحل سے کوس بھر کے فاصلہ پر
لنگر ڈالتے ہیں البتہ صرف ایک سب سے چھوٹا جہاز جسکا نام **سعی** ہے ساحل کے نزدیک پہنچ سکتا ہے دریائی گھاٹ
مغرب کے بعد بند کر دئے جاتے ہیں اور اس طرح رات بھر نہ جہازوں کی خبر شہر میں پہنچتی ہے اور نہ شہر کی خبر جہازوں تک

خشکی کی طرف جدے کے دو دروازے ہیں مشرق میں **بابُ المکہ** اور شمال میں **باب المدینہ**
جنوب کی طرف بھی ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو حال میں تیغا کر دیا گیا۔ نئی فصیل کا رقبہ کوئی تین ہزار قدم ہوگا سمندر
کا رُخ پوری طرح عمارتوں سے ڈھکا ہوا نہیں ہے فصیل کے اندر کیطرف بہت ساری زمین دیوار کی دُھر اُدھر لمبائی
تک غیر آباد پڑی چلی گئی ہے جنوب کی طرف بھی **باب المدینہ** کے پاس بہت سی یوں ہی پڑی ہے **باب المدینہ**
سے داخل ہو کر اس میدان کو طے کرنے کے بعد مضافات شہر میں پہونچتے ہیں یہاں گھاس پھوس کے چھپر پڑے ہوئے
ہیں اندر شہر میں سنگین عمارتیں ہیں ان جھونپڑیوں میں غریب کسان اور مزدور رہتے ہیں انکا طرز معاشرت
بالکل بدویوں کا سا ہے ان لوگوں کی اس قسم کی آبادیاں عرب کے ہر شہر میں نظر آتی ہیں۔

شہر کے اندر بہت سے محلے ہیں سواکن کے باشندے **باب المدینہ** کے متصل رہتے ہیں انکے محلے کا نام
حارۃ السواکنی ہے۔ بعض سواکنی مکانوں میں بھی رہتے ہیں لیکن زیادہ تر یہ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں اس
محلے میں بہت سی بازاری عورتیں بھی ہیں اور شراب فروشوں کی دکانیں بھی ہیں یہاں ایک قسم کی شراب بکتی ہے
جسے **بوزہ** کہتے ہیں۔

جدے کے سب سے زائد معزز باشندے سمندر کے کنارے سکونت رکھتے ہیں یہاں ایک لمبی گلی ساحل کے برابر برابر
چلی گئی ہے اسمیں بہت سی سرائیں اور دوکانیں ہیں جنمیں ہر قسم کے سودا فروش بیٹھتے ہیں۔ جدہ نہایت عمدہ
بنا ہوا ہے بلکہ یوں کہ ترکی شہروں میں ایک بھی شہر ایسا نہیں دیکھا۔ یہاں سڑکوں پر فرش نہیں ہے لیکن

کشادہ اور ہوادار ہیں۔ مکان عالیشان اور سرتاپا سنگین ہیں انکے لئے پتھر سمندر کے کنارے سے لایا جاتا ہے مکانات
عموماً دو منزلہ ہیں اور ہر مکان میں بہت سی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں اور جھلیلیاں ہوتی ہیں بعض بعض چوبی کھڑکیاں
میں نے ایسی بھی دیکھیں جن میں اعلیٰ درجہ کی دستکاری دکھائی گئی تھی۔ ہر مکان میں دروازے کے قریب ایک بڑا
کمرہ مہمانوں سے ملنے کے لئے بھی ہوتا ہے اور بمقابلہ دوسرے کمروں کے یہ زیادہ ٹھنڈا بھی ہوتا ہے گھڑی گھڑی
اسکے فرش پر پانی چھڑکتے رہتے ہیں مکان کے کمروں کی تقسیم یہاں بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ مصر و شام میں فرق اتنا ہے
کہ یہاں اتنے بڑے بڑے کمرے نہیں ہوتے جیسے وہاں کے مکانوں میں ہوتے ہیں۔ حجاز میں دروازے کے
پاس کا بڑا کمرہ بہت ہی ٹھنڈا رہتا ہے اسمیں مالک مکان اپنے نوکر چاکروں، خدمتگاروں اور مزدوروں
کو لیکر دوپہر کے وقت حقہ کے دھوئیں اڑاتا ہوا پڑا رہتا ہے۔ چونکہ اس ملک میں عمارتیں بنوانے میں بہت بڑی لاگت
آتی ہے اسوجہ سے یہاں ظاہری نمایش اور ٹیپ ٹاپ بہت کم دکھاتے ہیں۔ کھڑکیوں کی کمانوں اور کچھ خوشنمائی
نہیں ہوتی البتہ اپر اندر باہر سے شوخ رنگ پھیر دیتے ہیں۔ گھروں میں منکوحہ بیویاں ایک حصہ میں رہتی ہیں اور
حبشی خواصیں الگ۔ یہاں کے مکانوں میں بہ نسبت خوشنمائی کے آسایش اور مکانیت کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے
جدے کی سب عمارتیں یکساں بھی نہیں ہیں بعض مکان چھوٹے چھوٹے چوکھونٹے پتھروں سے بناتے ہیں اور بعض
بڑے بڑے پتھروں سے۔ پتھر کا صاف چکنا رخ باہر کیطرف رہتا ہے اور کھردرا اندر کی جانب دیواروں کے اندر
مٹی بھر دیجاتی ہے بعض دیواریں پوری سنگیں بھی ہوتی ہیں بہت سے مکانوں کی دیواروں میں کوئی گز گز بھر کے
فاصلے سے ایک پتلی پتلی تہہ تختوں کی بھی لگاتے ہیں اس سے عربوں کا خیال ہے کہ پائداری بڑھ جاتی ہے دیوار
پر پلستر کرکے تختوں کو انکے اصلی رنگ پر چھوڑ دیا جاتا ہے اس سے عمارت میں ایک قسم کی خوشنمائی بھی پیدا ہوجاتی ہے
لیکن دھوپ میں چمکتی ہوئی سفیدی سے چکاچوند ہوتی ہے اور آنکھوں کو بہت بری معلوم ہوتی ہے یہاں بہت سے
دروازوں میں محرابیں بھی بنائی جاتی ہیں اور اکثر گولائی لئے ہوئے ہوتی ہیں جدے میں کوئی پرانی دقیانوسی
عمارت نظر نہ آئی بات یہ ہے کہ یہاں کا مصالحہ مینہ اور دھوپ کے باعث تھوڑے ہی دن میں خراب ہوجاتا ہے
اور عمارت بوسیدہ ہوجاتی ہے۔[1]

جدے میں چھوٹی چھوٹی مسجدوں کے علاوہ دو مسجدیں بہت بڑی بھی ہیں ان میں کی ایک شریف سرور کی

---

[1] جدہ حال کا بسا ہوا شہر ہے۔ تجارت کی حیثیت سے اس کی گرم بازاری پندرھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ہوئی جبکہ ہندوستان کا مال یہاں آنے لگا۔ قدیم زمانے میں عربوں کی تاریخ میں جدہ بندرگاہ کی حیثیت سے مشہور تھا ۱۲

بنائی ہوئی ہے جو شریف غالب مرحوم کا مورث تھا۔ والیٔ جدہ کا محل جسمیں اکثر شریف خود رہتا ہے ایک حقیر عمارت ہے یہی حالت ناظم کروڑگیری کے مکان کی ہے۔ شہر میں کئی عمدہ سرائیں بھی ہیں انمیں سوداگر آ آ کر ٹھہرتے ہیں ان سرائوں میں بڑے بڑے چوکھونٹے کمرے ہوتے ہیں اور دروازہ بڑا رکھا جاتا ہے اسمیں دوپہر کو بہت سایہ اور ٹھنڈک رہتی ہے۔ برسات کے سوا اور دنوں میں شہر سے دور کے مکان بھی کرایہ سے ملسکتے ہیں۔ رعایا کے مکانوں میں سب سے عمدہ جدے کی مشہور سوداگر جیلانی کی تجارتی کوٹھی ہے۔ یہ خود اپنے متعلقین کے ساتھ بڑی سڑک کے پیچھے ایک چھوٹے سے محلہ میں رہتا ہے اس محلے میں تین بڑی عمارتیں ہیں اور وہ حجاز میں سب سے زائد مالیت کی ہیں۔

اوسط درجے کے ہر مکان میں یہاں حوض ہوتا ہے لیکن یہاں مینہ چونکہ اتنا نہیں پڑتا کہ اولتی کے پانی سے حوض بھر جایا کریں اسلئے ان حوضوں میں اُن تالابوں سے پانی لا لا کر ڈالا جاتا ہے جو برسات میں شہر کے باہر بنجاتے ہیں۔ ان حوضوں کا پانی جدے کے خرچ کے لحاظ سے ناکافی ہوتا ہے اور محض خوبصورتی کے لئے حوض بھر دئیے جاتے ہیں۔ شہر کے باہر جنوب کی طرف کنوئیں ہیں پینے کا پانی وہاں سے لاتے ہیں۔ یوں تو عموماً ہر جگہ یہاں پانچ گز پر پانی نکل آتا ہے لیکن بدمزہ ہوتا ہے اور بعض کنوؤں کا پانی تو بمشکل پیا جاسکتا ہے۔ یہاں صرف دو کنوئیں ایسے ہیں جنکا پانی میٹھا ہے لیکن اسکو بھی لوگ بھاری سمجھتے ہیں اور اگر چوبیس گھنٹے تک اُسے کسی برتن میں پڑا رہنے دیں تو کیڑے پڑجاتے ہیں لیکن ان کنوؤں کا پانی کمیاب اور مہنگا ہے جب تک طاقت و رقم نہوں ہر وقت مل بھی نہیں سکتا۔ صبح سے شام تک دو دو سو تین تین سو آدمی کا جمگھٹ رہتا ہے باقی آدمی دوسرے کنوؤں کے پانی پر قناعت کرتے ہیں اور اسی وجہ سے یہاں والے آئے دن بیمار رہتے ہیں۔

چونکہ جدہ ترکی قلعہ مشہور ہے اسلئے میرا خیال ہے کہ قلعہ میں بھی کنوئے ہونگے مگر ترکوں کو یہ حکمت نہیں سوجھی سنہ ۱۸۰۳ء میں جب وہابی جدے کی طرف بڑھے چلے آرہے تھے تو لوگوں نے ڈر کے مارے ان تالابوں کو جو سرکاری مکانوں میں ہیں جلدی جلدی کنوئے کے پانی سے بھر دیا تھا اور کئی دن تک شہر والے پانی کو ترستے رہے تمام سقوں کے اونٹ پکڑ پکڑ کے اسی کام میں لگائے گئے تھے۔ جدے میں بہت سے کنوئیں عام لوگوں کی ملکیت میں اور انکے مالکوں کو اُنسے بڑی آمدنی ہے۔

جدے میں باغ باڑی کا پتہ نہیں ہے البتہ ایک آدھ مسجد میں کھجور کے درخت لگے ہوئے ہیں شہر سے باہر بھی تمام بنجر ریگستان ہے جو کھاری مٹی اور ریت سے پٹا پڑا ہے کہیں کہیں جنگلی جھاڑیاں اور ببول کے درخت نظر آجاتے ہیں

جدے میں کنوؤں کی بڑی تعداد ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ آبپاشی کے لئے اُن سے پانی حاصل کیا جائے مگر جدے والے یہاں اپنا قیام چند روزہ سمجھتے ہیں اور حجاز کے باشندوں کی طرح اپنی تمام کوششیں تجارت کے ذریعہ سے روپیہ پیدا کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ تمام مسلمان قوموں مجھے جنسے ملنے کا اتفاق ہوا حجازی کھیت کیار کرنے میں سب سے پیچھے ہیں۔

باب مکہ کے باہر شہر کے نزدیک چند جھونپڑیاں ہیں جنکے بیچ میں ہو کر مکے کی سڑک جاتی ہے۔ ان میں اونٹ والے رہتے ہیں اور مکہ و جدہ کے بیچ میں کرایہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ غریب بدویوں کو جو شہر سے باہر کہیں دور جا کر لکڑیاں کاٹکر بیچنے کے لئے لاتے ہیں اور اُن حبشی حاجیوں کو جو اسیطرح محنت مزدوری سے اپنا پیٹ پالتے ہیں اونٹوں پر بٹھا بٹھا کر لیجاتے ہیں۔ یہیں ایک مارکیٹ بھی ہے جسمیں مویشی، کوئلے اور ترکاریاں بکتی ہیں یہاں قہوہ کی بھی بہت سی دوکانیں ہیں اور یہاں صبح کے وقت جبکہ مکہ کی ڈاک آتی ہے تو اکثر ٹٹ پونجئے سوداگر مکے کی خبریں سننے کے لئے تھوڑی دیر کے واسطے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ان جھونپڑیوں میں سے کوئی آدھ کوس کے فاصلہ پر شہر کے مشرق کیطرف بڑا قبرستان ہے جہاں کئی شیخ دفن ہیں شہر کی فصیل کے اندر چھوٹے چھوٹے اور بھی قبرستان ہیں۔ شہر کے شمال کی طرف کوس بھر پر حضرت حوا کی قبر ہے۔ یہ کوئی چار فٹ لمبی دو تین فٹ چوڑی اور اسی قدر اونچی ہے پتھر سے بھری بھی ہوئی ہے۔ یہ حضرت نوح کی قبر سے مشابہ ہے جو وادئ بقاع علاقہ شام میں ہے۔

وہابیوں کی شورش کے زمانہ میں جدے کو بہت زوال ہو گیا تھا اسکی بہت سی عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر ہو گئی تھیں۔ کوئی شخص نیا مکان بناتا نہ تھا۔ ترکی سے حجاج آتے نہ تھے اس وجہ سے سوداگروں کا دل مال منگانے کو بڑھتا نہ تھا اور تجارت بہت گھٹ گئی تھی لیکن جب مکہ و مدینہ وہابیوں سے واپس لے لیا گیا تو حاجی آنے لگے اور سپاہیوں کی آمد اور فوج کے ساتھ بہیر بنگاہ اور بیوپاریوں کی آمد و رفت سے شہر پھر پنپ گیا اور آج ایسی اچھی حالت میں ہے جیسا کہ کبھی تھا۔ جدے کی مردم شماری تخمیناً بارہ پندرہ ہزار ہو گی۔ لیکن ایام حج اور برسات میں ڈیوڑھی ہو جاتی ہے۔ یہاں کے باشندے مکے مدینے والوں کیطرح سب پردیسی ہیں قدیم عربوں کی اولاد جو کبھی اس شہر میں رہتی تھی وہ کچھ تو گورنروں کے ہاتھ سے تباہ ہو گئی اور کچھ اپنے ملکوں کو چلی گئی جن کو پکا دیسی کہا جا سکے وہ چند گھرانے شریفوں کے ہیں۔ یہ پڑھے لکھے ہیں اور ان میں سے کچھ مسجدوں میں الجھے ہوئے ہیں اور کچھ عدالت میں ملازم ہیں۔ باقی تمام جدے والے یا تو پردیسی ہیں یا پردیسیوں کی اولاد ہیں ان میں حضرموت و یمن کے باشندے کثرت سے ہیں۔ انکے علاوہ ہر شہر اور ہر ملک کی نئی نئی آبادیاں بھی جدے

میں قائم ہوگئی ہیں جو اپنے وطن سے تجارتی کاروبار کرتی رہتی ہیں۔ ایک سو خاندان سے زاید ہندوستانیوں کے ہیں جو سورت اور بمبئی سے یہاں آکر بسے ہیں اور کچھ لوگ مسقط و ملایا کے بھی ہیں۔ مصر، شام، ترکی، بربر، اناطولیا وغیرہ کے باشندے اپنے آبا و اجداد کی شکل و شمائل سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہاں یہ سب مل جل گئے ہیں اور سب کے سب عربی لباس میں دکھائی دیتے ہیں اور سب نے عربی معاشرت اختیار کرلی ہے۔ ہندوستانی البتہ اپنے لباس، وضع قطع، رسم و رواج اور اپنے کام دھندوں سے علحدہ پہچانے جاتے ہیں۔ عیسائی بالکل نہیں ہیں لیکن کبھی کبھی جزائر آرچی پالیگو کے یونانی باشندے مصر سے تجارتی سامان فروخت کرنے کے لئے یہاں لاتے ہیں۔ شریفوں کی حکومت میں ان پر سختی کیجاتی تھی ان کو خاص قسم کا لباس پہننے کا حکم تھا اور باب مکہ تک پہنچنے کی ممانعت تھی لیکن جب سے ترک حجاز کے مالک ہوئے تو ان قیدوں کو اٹھا دیا اور اب عیسائیوں کو یہاں کامل آزادی حاصل ہے۔ جب کبھی یہاں کوئی عیسائی مر جاتا ہے تو اس کو ساحل پر دفن نہیں کرتے کیونکہ یہ زمین متبرک سمجھی جاتی ہے اور حدود مکہ میں داخل ہے شہر کے باہر خلیج جدہ کے کسی چھوٹے جزیرے میں دفن کرتے ہیں۔ پیشتر یہودی یہاں کے مہاجن اور بیوپاری تھے لیکن تیس چالیس برس ہوئے شریف سرور نے انکی بدمعاشی اور سٹہ بازی کیوجہ سے ان کو یہاں سے نکال دیا اور وہ سب یمن و صنعا چلے گئے۔ برسات کے دنوں میں بعض بنیئے بھی ہندوستان کے جہازوں میں یہاں آتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ جہازوں کے ساتھ ہی واپس چلے جاتے ہیں۔ [illegible] جدے کی نسلوں کے خلط ملط ہونے کا باعث حج ہے اس زمانہ میں بعض بڑے بڑے مالدار سوداگر بڑی بڑی کھیپ لیکر حجاز میں آتے ہیں اور بعض کا حساب کتاب جلد طے نہیں ہوتا اسلئے ان کو اگلے سال تک ٹھہرنا پڑتا ہے اس مدت میں وہ حسب رواج بلدہ کی شیدن لونڈی سے تعلق پیدا کرلیتے ہیں۔ تھوڑے دن بعد ان سے شادی ہوجاتی ہے اور جہاں بال بچے ہوگئے تو پھر یہیں پڑ رہتے ہیں۔ اسطرح حج سے صرف جدہ ہی کی آبادی نہیں بڑھتی بلکہ مکے کی آبادی میں بھی خوب اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ ان دونوں شہروں میں بمقابلہ پیدائش کے اموات کی تعداد زیادہ ہے۔

جدے کے باشندے اگرچہ ہمہ تن تجارت میں مصروف ہیں لیکن مال تیار کرا کے وہ کہیں دساور نہیں بھیجتے جدے کی شہرت صرف مکے کے بندرگاہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ ہندوستان و عرب و مصر کا بھی بندرگاہ سمجھا جاتا ہے۔ ان ملکوں کا مال مصر جانے سے قبل جدے کے سوداگروں کے ہاتھوں میں ہوکر گزرتا ہے یہی وجہ ہے کہ نزدیکی علاقہ کے ہر شہر سے جو اسیقدر بڑا ہو جدہ زیادہ مالدار ہے۔ یہاں کے دو مشہور سوداگر

جیلانی اور شقفات جو مغربی النسل یعنے بربری ہیں اور جن کے دادا پردادا یہاں آکر بسے تھے۔ کروڑپتی ہیں بہت سے ہندوستانی بھی ایسے ہی مالدار ہیں اور کوئی پندرہ سولہ آدمی لکھ پتی ہیں۔ تھوک فروشی یہاں بہت آسانی سے ہوتی ہے اسمیں نفع بہت اور دھوکا دھڑی کم ہے۔ بات یہ ہے کہ کل بیوپار نقد کا ہے۔ یہاں والے قرضہ کا جھگڑا نہیں پالتے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ سوداگری میں یہاں دغا فریب ہے ہی نہیں بعض تو جتنے مالدار ہیں اتنے ہی بدمعاش ہیں۔

جدے کی تجارت کی دو شاخیں ہیں ایک قہوہ دوسرا ہندوستانی رساور۔ ان دونوں کا تعلق مصر سے ہے برس کے بارہ مہینے یہاں یمن سے قہوے کے جہاز آتے ہیں۔ دوران سفر میں وہ ساحل پر بھی ہٹتے آتے ہیں اور اسطرح خشکی کی ہوا بھی کھالیتے ہیں جن دنوں میں باد شمال غالب ہوجاتی ہے اور سمندر میں سفر مشکل ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں ساحل پر زیادہ اُترتے چڑھتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ اپنا مال ڈالر کے سکے میں فروخت کرتے ہیں یہی ایک ایسا سکہ ہے جسے یمنی سوداگر مبادلہ میں لے لیتے ہیں۔ قہوہ کی تجارت ایک قسم کا جوا ہے اس میں کبھی تو وارے نیارے ہوجاتے ہیں اور کبھی سوداگر ڈوب جاتا ہے۔ جدے میں قہوے کا نرخ مصر سے اطلاع آنے پر ٹھہرتا ہے اور سوئز میں جو جہاز آتے ہیں انکے لحاظ سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ جب میں جدے میں تھا تو قہوے کا بھاؤ پچاس روپیہ من تھا۔ تین ہفتے بعد اسکی قیمت چونتیس روپئے من رہ گئی۔ گزشتہ چھ سال سے مغربی ہندوستان کے قہوے کی درآمد کے باعث جو ٹرکی کی بندرگاہوں میں ہو رہی ہے عرب و بحر روم کے قہوے کی تجارت کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ پیشتر ان بندرگاہوں میں صرف مخا کا قہوہ پہنچتا تھا اسلئے پاشائے مصر نے سخت ممانعت کردی ہے کہ اُسکے علاقہ میں ہندوستان کا قہوہ نہ آنے پائے۔ ہندوستانی مال کی تجارت میں منافع بہت اور جوکھوں کم ہے۔ مئی کے مہینے میں جہاز کلکتہ، بمبئی اور سورت سے جدے میں آتے ہیں اسوقت سوداگر یہاں مال لینے کے لئے تیار رہتے ہیں اور ہاتھوں ہاتھ مال نکلجاتا ہے۔ ہندوستانی بیڑہ عموماً جو جولائی کے مہینے میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہے اور اسوقت سے قیمت چڑھنی شروع ہوتی ہے۔ سوداگر گوداموں میں مال بھر کر چار پانچ مہینے ٹھہرے رہتے ہیں اور جب مال بہت گراں ہوجاتا ہے تو بیچنے کے لئے نکالتے ہیں جدے میں بحر احمر کے ہر ایک بندرگاہ کے سوداگر جمع ہوجاتے ہیں تاکہ سب سے پہلے مال خرید لیں اور اس وقت مکہ، ینبوع اور جدے کے سوداگروں میں خوب نوک جھوک ہوتی ہے شام و مصر میں ہزار روپیہ کا مال نکلنے میں کئی دن لگجاتے ہیں اور دو دو تین تین دلال بیچ میں پڑتے ہیں جب کہیں سودا پٹتا ہے مگر جدے میں

جہاز کا جہاز آدھ گھنٹے میں بک جاتا ہے اور دوسرے ہی دن کل قیمت دیدیجاتی ہے مال کے عوض مال بھی لے لیتے ہیں اور نقد بھی۔ آئندہ چلکر ایسی حالت نہ رہیگی کیونکہ محمد علی پاشا مصر و حجاز کے تمام بندرگاہوں پر قبضہ کرکے جدے کے محصول جنگی کو سویز سے متعلق کردیگا اور اس وقت ہندوستان سے بالراست معاملہ پڑ جائیگا۔

جدے میں جہازوں کی تعداد بہت بڑھی ہوئی ہے کوئی ڈھائی سو ہونگے لیکن کسی قسم کا جہاز یہاں بنتا نہیں بات یہ ہے کہ لکڑی ہی یہاں ناپید ہے البتہ جہازوں کی مرمت یہاں ہوسکتی ہے مگر وہ بھی بڑی مشکل سے ینبوع کی بھی یہی حالت ہے۔ بحر احمر کے صرف تین بندرگاہ سویز، مخا اور حدیدہ ایسے ہیں جہاں جہاز تیار ہوتے ہیں۔ سویز میں جہازوں کے واسطے قاہرہ سے لکڑی آتی ہے۔ گزشتہ تین سال سے یہاں جہازوں کی بڑی ضرورت ہوگئی ہے۔ پاشا نے جہاز گرفتار کرلئے ہیں اور اُنکے مالکوں کو مجبور کیا ہے کہ سامان رسد، اسلحہ، غلہ وغیرہ مصر سے جہازوں میں لادے لادے کر حجاز میں لائیں مگر اس کا معاوضہ انکو خاطر خواہ نہیں ملتا۔ میرے دوران قیام جدہ میں مشکل سے کوئی دن ایسا گزرتا ہوگا کہ ایک نہ ایک جہاز ینبوع و قصیر سے یہاں نہ آتا ہو اور یوں تو ہر وقت چالیس پینتالیس جہاز بندرگاہ میں رہتے ہیں ایک حاکم جسے امیر البحر کہتے ہیں بطور ہاربر ماسٹر کے کام کرتا ہے اور ہر جہاز سے لنگر اندازی کا کچھ محصول لیتا ہے شریف کے زمانہ میں یہ خدمت بڑی عزت کی تھی لیکن اب وہ بات نہیں رہی مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ جدے جیسے بندرگاہ میں سیر و تفریح کے لیے کوئی کشتی نہ تھی اور نہ کوئی کشتی عامہ میںنے سنا کہ جنگی خانہ کے افسروں نے اسکی ممانعت کردی ہے۔ یہانتک کہ جہاز کی کشتیاں بھی مغرب سے قبل واپس آجاتی ہیں۔

جدے کی خشکی میں تجارت سوائے مکہ و مدینہ کے اور کہیں نہیں ہے۔ ڈیڑھ پونے دو مہینے میں یہاں سے مدینے قافلہ روانہ ہوا کرتا ہے۔ جس میں ہندوستانی مال، دوائیں اور حاجی بھی ہوتے ہیں جو روضۂ رسول اللہ کی زیارت کو جاتے ہیں۔ ان قافلوں میں قبیلہ بنی حرب کے سو پون سو اونٹ رہتے ہیں۔ جدہ و مدینہ کے درمیان بحری تجارت چل رہی ہے جو ینبوع کے دریائی راستے سے کیجاتی ہے جس قافلہ کا میں نے ذکر کیا اسکے علاوہ دوسرے کاروان بھی روزانہ شام کو نہیں تو کم سے کم ہفتہ میں دو مرتبہ مکہ روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ ان قافلوں میں مختلف سامان اور غلہ وغیرہ ہوتا ہے۔ حج سے چہار مہینے قبل جب ہر جہاز میں حاجیوں کے غول کے غول یہاں آتے ہیں تو مکہ و جدہ کی یہ تجارت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور روز مغرب کے بعد

شام کو باب مکہ سے قافلہ روانہ ہوتا ہے۔ لدے ہوئے اونٹ دو دن میں مکہ پہنچتے ہیں رستے میں منزل حدّہ کے دن میں ٹھیرتے ہیں اسکے علاوہ ایک چھوٹا سا قافلہ گدھوں کا بھی ہر روز شام کو یہاں سے نکلتا ہے گدھوں پر بوجھ ہلکا لادتے ہیں۔ یہ قافلہ رات بھر میں ساری منزل طے کرکے بلاناغہ صبح مکہ داخل ہوتا ہے ڈاک بھی ان دونوں شہروں کے بیچ میں اسی قافلہ کے ساتھ آتی جاتی ہے۔

جدے کے خاص خاص بازاروں میں جو مختلف دکانیں اب ہیں انکی تعداد بتاتا ہوں اس سے شہر کی تجارت پر کچھ روشنی پڑیگی اور یہاں والوں کی طرز معاشرت بھی معلوم ہوگی یہاں کی دکانیں زمین سے کئی فیٹ بلند ہوتی ہیں دوکان کے سامنے پتھر کا ایک چبوترہ ہوتا ہے جسپر دوکاندار بیٹھتے ہیں اس چبوترے پر سائبان پڑا رہتا ہے جو لمبے لمبے بانسوں پر بوریا باندھکر بنا لیتے ہیں بہت سی دوکانیں آگے سے دو سوا دو گز چوڑی ہیں انکی لمبائی تین چار گز ہے پیچھے ایک بخاری سامان رکھنے کے لئے رہتی ہے۔

جدے میں قہوے کی ستائیس دوکانیں ہیں حجاز میں قہوے کا بے انتہا رواج ہے ایک دن بھر میں بیس پیالیاں پی جانا ایک آدمی کے لئے معمولی بات ہے۔ غریب سے غریب مزدور بھی تین چار پیالیوں سے کم نہیں پیتے۔ بعض دوکانوں میں بجائے قہوے کے دانوں کے اسکے چھلکوں کا جوشاندہ بھی تیار رہتا ہے۔ جو مزے میں گھٹیا ہوتا ہے ایک دوکان پر یہاں حشیش پینے والوں کا جماؤ رہتا ہے۔ یہ گانجے کے پھول کو تمباکو میں ملا کر بناتے ہیں جسمیں کیا کچھ نشہ ہوجاتا ہے۔ غریب آدمی چلم میں بھر کر دم لگاتے ہیں اور امیر معجون میں استعمال کرتے ہیں حشیش کی معجون کا عمدہ نام بسط ہے اور اسکے بیچنے والے بسطی کہلاتے ہیں حشیش کا استعمال مصر میں بہت زیادہ ہے وہاں کے دہقان کثرت سے پیتے ہیں۔ مصر میں تہواروں کے موقع پر یا کسی امیر زادے کی شادی کے جلوس کے ساتھ ساتھ جہاں پیشہ ور چلتے ہیں وہاں بسطی بھی باوجودیکہ حرام پیشہ کرتا ہے مگر بڑی ٹھسک سے طمطراق کے ساتھ پھرتا رہتا ہے جدے میں قہوے کی دوکانوں میں ایرانی حقہ پیا جاتا ہے۔ قدرہ جو سب سے بڑا حقہ ہوتا ہے اور تپائی پر رکھا جاتا ہے اسپر کام بھی بہت صفائی کا ہوتا ہے اور ہمیشہ گھروں میں استعمال ہوتا ہے۔ شیشہ جس کو شام میں ارغیل کہتے ہیں اگرچہ چھوٹا ہوتا ہے مگر اسکی شکل بڑی دلکھائی رہتی ہے بری حقہ ایک کھر کھدرا نیچہ چڑھا ہوا ناریل ہوتا ہے اسمیں پانی بھر دیتے ہیں اور کوڑے کی جگہ ایک ٹوٹی نے سے کام نکال لیتے ہیں۔ بحر احمر کے ملاح اور غریب غربا ہمیشہ یہی ناریل پیتے ہیں۔ جو ان حقوں میں جو تمباکو پیا جاتا ہے وہ بہت اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے اور شیراز سے آتا ہے۔ ادنیٰ قسم کا تمباکو جسے تمباک کہتے ہیں بصرہ سے

بغداد سے لاتے ہیں اسکا پتا ہلکے زرد رنگ کا ہوتا ہے لیکن بہ نسبت معمولی تنباکو کے مزے میں بہت ہی سخت رہتا ہے اسلئے اس کو خوب دھو دھو کر معتدل بناتے ہیں ناریل میں پینے کا تنباکو یمن سے لایا جاتا ہے یہ سب سے گھٹیا قسم کا ہے اسی کی تجارت یہاں بہت ہے تمام حجاز میں حقے کا بڑا زور ہے تنباکو کے جہاز کے جہاز مصر سے بھر بھر کر آتے ہیں۔ معمولی نلی حجاز میں بہت کم استعمال کی جاتی ہے البتہ بدوی اور ترکی سپاہی پی لیتے ہیں

قہوے خانوں میں دن بھر بیفکروں کا مجمع رہتا ہے قہوے کی دوکانوں کے سامنے چھپر ڈال دیتے ہیں اُسکے ۱
سایہ میں یہ لوگ بیٹھے رہتے ہیں قہوہ خانوں کے اندر بنچیں اور ادنیٰ درجہ کی میلی کرسیاں بچھی رہتی ہیں معزز لوگ کبھی قہوہ خانوں میں نہیں آتے۔ عموماً تھرڈ کلاس کے لوگ اور ملاح وغیرہ ہمیشہ یہاں جمے رہتے ہیں یوں تو ہر شخص کا ایک خاص مکان ہوتا ہے جہاں وہ اپنے ملاقاتیوں اور کاروباری آدمیوں سے بات چیت کرتا ہے لیکن جس کو اپنے گھر پر کسی دوست کی دعوت کا موقعہ نہیں ملتا تو وہ اس کو سڑک پر جاتا ہوا دیکھکر قہوہ خانے میں بلا لیتا ہے اور قہوے کی پیالی پلاتا ہے اور اگر وہ دوست انکار کردے تو بہت ناراض ہوتا ہے جب اُس کا دوست قہوہ خانے میں داخل ہوتا ہے تو وہ خدمتگار کو حکم دیتا ہے کہ اسکے لئے پیالی لائے۔ چھوکرا پیالی لاتے لاتے چلاّ کر تاکہ سب سُن لیں کہتا ہے "جبہ" یعنے مفت۔ عرب چاہے اپنے قرضخواہوں کے ساتھ دغل فصل کر بیٹھیں اور خواہ اپنے بیوپار میں کچھ لپ جھپ کردیں لیکن قہوہ خانہ والوں کیساتھ بہت کھرے رہتے ہیں اور وہاں نادہندی کی بدنامی گوارا نہیں کرتے البتہ ترکی سپاہی لے لوٹ پنے سے یہاں بھی نہیں چوکتے اور اسوجہ سے عربوں کو انکے ساتھ اور بھی نفرت ہو گئی ہے حجاز کے قہوہ خانوں میں داستان گو نہیں دیکھے گئے جیسے کہ مصر و شام میں ہیں۔ عرب منگل اور دامہ اکثر کھیلتے ہیں لیکن میں نے انکو شطرنج کھیلتے کبھی نہیں دیکھا اگرچہ میں نے سنا ہے کہ حجاز میں شطرنج کا رواج ہے اور اکثر شریف اسکے بڑے شوقین ہیں مگر کھیلتے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہر قہوہ خانے کے پاس فالودے والا بھی ضرور بیٹھتا ہے اور چھوٹے چھوٹے آبخوروں میں ٹھنڈا ٹھنڈا پانی بیچتا ہے۔ مشرقی لوگ قہوہ پینے سے پہلے تو پانی پی لیتے ہیں مگر قہوہ پیتے ہی پانی کبھی نہیں پیتے۔ میں نے ایک مرتبہ شام میں اسطرح پانی مانگا تو لوگ فوراً تاڑ گئے کہ یہ کوئی فرنگی ہے۔ ایسے موقعوں پر قہوہ خانے کا ملازم ٹوک دیتا ہے کہ اگر تم اس ملک کے رہنے والے ہوتے تو پانی پیکر قہوہ کا مزا نہ بگاڑتے اور منہ اپنا پانی سے نہ دھوتے۔

یہاں گھی کی اکثر دوکانیں ہیں ان میں سرکہ، تیل اور شہد بھی بکتا ہے۔ گھی عربوں کی غذا کا جزو اعظم ہے

تازے گھی کو عرب زبد کہتے ہیں۔ مگر حجاز میں بہت کم ملتا ہے۔ ہر طبقے کے لوگوں میں یہ عام دستور ہے کہ صبح جب قہوہ پیتے ہیں تو اسکے اوپر پیالی بھر پگھلا ہوا مکھن یا گھی بھی چڑھا جاتے ہیں۔ یہ لوگ اسے بہت مقوی سمجھتے ہیں اور بچپن سے اسکے اسقدر عادی ہوجاتے ہیں کہ اگر کسی دن نہ ملے تو دن بھر بےچین رہتے ہیں۔ بڑے آدمی ایک پیالی پر قناعت کرتے ہیں لیکن غریب کوئی آدھی پیالی ناک کے رستے سے چڑھا جاتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس ترکیب سے خراب ہوا ناک کی راہ سے جسم میں داخل نہیں ہوسکتی۔ اعضا قوی اور کھال مضبوط ہوجانے کے خیال سے ادنی درجہ کے لوگ اپنے ہاتھ پاؤں سینے اور کندھوں پر بھی گھی ملتے ہیں۔ لڑائی کے دنوں میں تو گھی کا آنا بھی بند ہوگیا تھا مگر صلح کے زمانہ میں بھی جدے والوں کے لئے کافی نہیں ہوتا اسلئے سواکن سے لایا جاتا ہے لیکن سب سے عمدہ اور سب سے زائد گھی مسوعہ سے آتا ہے قصیر سے بھی گھی لاتے ہیں وہاں مصر صعید سے آتا ہے اور بھینس کے دودھ کا ہوتا ہے مگر سواکن کا گھی بھیڑ کے دودھ کا ہوتا ہے حجاز کے پہاڑی حصوں میں شہد بکثرت پایا جاتا ہے سب سے بہتر وہاں سے آتا ہے جہاں نوازیرہ بدوی رہتے ہیں طائف کے جنوب میں ادنی درجہ کے لوگوں کی غذا یہ ہے کہ گرم گرم روٹی تندور سے نکلتی جاتی ہے اور وہ گھی سے چپڑ چپڑ کر اور اوپر سے شہد ڈال ڈالکر کھاتے جاتے ہیں بغیر شہد کے چپڑی روٹی عربوں کے حلق سے نہیں اترتی۔

تیل یہاں جو جلانے کے کام آتا ہے مصر سے لایا جاتا ہے۔ عرب سوائے بھنی ہوئی مچھلی کے اور کبھی سالن میں تیل نہیں ڈالتے ہاں فقیر کو شہد میں تیل ملاکر دیتے ہیں اٹھارہ دکانیں یہاں میوہ فروشوں اور کنجڑوں کی ہیں ترک ترکاری کے بڑے شوقین ہیں اسوجہ سے اب ترکی فوجوں کے لئے ترکاری والوں کی دکانیں بہت بڑھ گئی ہیں یہاں تمام میوہ اور پھل پھول طائف سے آتا ہے یہ مقام باغوں سے بھرا پڑا ہے۔ مئی جولائی کے مہینے میں یہاں اعلیٰ درجے کے انگور دیکھے مکے کے پیچھے کے پہاڑ ان انگوروں سے پٹے پڑے ہیں یہاں ادنیٰ اور اوسط درجے کے ہوتے ہیں جنہیں یورپ کا سا کیلا مزا نہیں ہوتا پکے کھائے جاسکتے ہیں۔ شفتالو، چھوٹے چھوٹے نیبو کھٹی نارنگیاں طائف میں نہیں ہوتیں یہ مدینے کے راستے سے صفرا، جدیدہ اور خولیص مقامات سے لاتے ہیں یہ پھل نومبر تک رہتے ہیں۔ حج کے مہینے میں وادی فاطمہ سے تربوز آتا ہے جو ہوتا تو چھوٹا ہے مگر بڑا مزیدار۔

عرب پھل کم کھاتے ہیں سوائے انگور کے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان سے صفرا اور بادی ہوجاتی ہے میری رائے میں بھی انکا خیال صحیح ہے۔ میوہ جو جدے میں بکتا ہے اچھا نہیں ہے کیونکہ وہ طائف سے کچا باندھ دیا جاتا ہے اور

سفر طے کرتے کرتے اسکی مٹی اور پلید ہو جاتی ہے میوہ یہاں کم ہے اور بہت مہنگا ہے۔ ترک ہر روز صبح کو
تکے لیئے دو دکانوں کے سامنے لڑتے جھگڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں ترکاریاں وادی فاطمہ سے لائی جاتی
ہیں یہ مقام یہاں سے شمال کیطرف کوئی تین چار کوس ہے مکہ میں بھی ترکاریاں وہیں سے جاتی ہیں یہاں
کی معمولی ترکاریاں۔ ملوخی، بھنڈی، بیگن۔ اور ترئی ہیں۔ شلجم کے پتے کھائے جاتے ہیں اور جڑ پھینکدیتے ہیں صرف
مولیاں اور لہسن ہی ایسی ترکاری ہے جسے عرب روز استعمال کرتے ہیں مولیاں بہت چھوٹی ہوتی ہیں اور یہ بہت
[illegible] ہیں انکو روٹی کے ساتھ یونہی کچا کھا جاتے ہیں خلاصہ یہ کہ عرب بہت کم ترکاری کھاتے ہیں انکا کھانا گو
چانول، آٹا اور گھی ہے۔ ان دوکانوں میں املی بھی بکتی ہے یہاں اس کی ٹکیاں نہیں بنائی جاتیں جیسے کہ [illegible]
ملک میں بناتے ہیں بلکہ اپنی اصلی حالت میں آتی ہے اگرچہ بہت گھل وچل جاتی ہے مگر جب اُسے اُبال لیتے ہیں
تو اچھا خاصہ ترشا یہ نکلتا ہے۔ یہ بیماروں کو بھی دیجاتی ہے یہاں آٹھ دوکانیں کھجور والوں کی ہیں کھانے کی
یہ چیزوں میں عربوں کو کھجور سب سے زیادہ مرغوب ہے بہت سی حدیثیں بھی ایسی موجود ہیں جنسے کھجور کی فضیلت تمام غذاؤں
پر ثابت ہے کھجور سال بھر آتی ہی رہتی ہے یہ کبھی نہیں رُکتی جون کے آخر میں نیا پھل جسے رطب کہتے ہیں نکلتا ہے
دو مہینے تک یہ چلتا ہے اسکے بعد کھجور کے ڈھیمے جسکو عجوہ کہتے ہیں بکتے ہیں یہ کھجوروں کو دبانے سے بناتے
ہیں یہ اسطرح کہ جب کھجور پوری طرح پک جاتی ہے تو بڑے بڑے ٹوکروں میں اسکو ایسا دباتے ہیں کہ ایک بڑا ڈھیما
بنجاتا ہے ایک ایک ٹوکرے میں کوئی تین تین من وزن ہوتا ہے اس حالت میں بدوی عجوے کی دساور بھیجتے
ہیں بازار میں انکو ٹوکروں سے نکال لیتے ہیں اور پونڈ کے حساب سے فروخت کرتے ہیں۔ یہ کھجور ہر طبقے کے
آدمی ہر روز بطور غذا کے تھوڑی بہت کھاتے ہیں سفر کی حالت میں ان کھجوروں کو پانی میں گھولکر شربت سا بنا لیتے
ہیں اور بہت مفرح چیز بنجاتی ہے عجوہ کی کوئی دس قسمیں ہیں سب سے عمدہ طرابہ سے آتی ہے جو طائف کے پیچھے ہے
آجکل وہاں وہابیوں کا قبضہ ہے سب سے زیادہ معمولی قسم کی وہ ہے جو وادی فاطمہ سے آتی ہے متوسط قسم
کی خلیص اور جدیدہ سے جو مدینے کی سڑک پر ہیں۔

برسات کے دنوں میں خلیج فارس کی راہ سے بصرے سے بھی کھجور آتی ہے یہ کوئی پانسیر کے چھوٹے ٹوکروں میں
بند رہتی ہے۔ مشرقی ہندوستان کے جہاز یہاں سے واپسی کے وقت لے ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھ بیچنے
کے لیئے لیجاتے ہیں۔

یہاں چار پراٹھے پوریاں بیچنے والے بھی ہیں یہ پوریاں گھی میں تلی رہتی ہیں اور ناشتے کے مطلب کی ہوتی ہیں

چنے فروش یہاں پانچ ہیں اور علی الصباح ناشتے کے لئے بیچتے ہیں۔ یہ مصر کے مٹر کو ابالکر ذرا سا گھی ملاکر اور اوپر سے نمک مرچ برک دیتے ہیں۔ ابلے چنے مصریوں کی مرغوب غذا ہے عربوں نے انسے ہی اسکا کھانا سیکھا ہے۔ حجاز حلوائی بھی یہاں ہیں عرب مٹھائی بڑے شوق سے کھاتے ہیں اور چونکہ رات کے کھانے کے بعد مٹھائی کھائی جاتی ہے اسلئے شام کو حلوائیوں کی دوکان پر جھرمٹ رہتا ہے۔ ہندوستانی اعلیٰ درجہ کی مٹھائی بناتے ہیں۔ کبابیوں کی دوکانیں یہاں ہیں اور یہ ترک لگاتے ہیں۔ کباب مصریوں کا کھانا نہیں ہے۔ نہاری والوں کی بھی دو دوکانیں ہیں جو سری پائے پکاتے ہیں اور بدو پہر کو انکی دوکانوں پر بڑا مجمع رہتا ہے۔ تیل میں بھنی ہوئی مچھلی والے کی ایک دوکان ہے جسپر ترک اور یونانی طباخ گرے پڑتے ہیں دس بارہ دکانیں روٹی والوں کی ہیں یہ عموماً عورتیں بیچتی ہیں یہاں کی روٹی کا مزا اچھا نہیں ہوتا۔ نان اچھی طرح صاف بھی نہیں کرتے اور خمیر بھی خراب ہوتا ہے۔ دو دوکانیں دودھ دہی بیچنے والوں کی بھی ہیں یہ چیز تمام حجاز میں کمیاب اور گراں ہے بظاہر حیرت معلوم ہوتی ہے کہ عرب کے چرواہوں میں دودھ دہی کی قلت ہو مگر بات یہ ہے کہ مکہ اور جدہ کا علاقہ تو شہر کے قرب وجوار بالکل بنجر ہیں جن میں چراگاہیں نہیں اور علاوہ اس کے مویشی کو دودھ پینے کی غرض سے پالتے بھی کم ہیں۔ میں جس زمانہ میں جدہ میں تھا آدھ سیر دودھ کی قیمت ڈیڑھ پیاستر (پانچ آنہ) تھی اور وہ بھی بڑی منت سماجت سے ملتا تھا البتہ صمل جو دہی کو ابالکر اور گاڑھا کر کے مصر میں بناتے ہیں عربوں کی دیسی غذا نہیں ہے۔ بدوی اسے کبھی تیار نہیں کرتے دو دوکانیں ترکوں کی ہیں جنہیں یونانی پنیر، سوکھا گوشت، سوکھے سیب، انجیر، کشمش اور خوبانیاں قاہرہ کی قیمت سے تگنی قیمت پر بکتی ہیں پنیر یہاں کنڈیا سے آتا ہے اور ترکی فوج والے اسے بڑی رغبت سے کھاتے ہیں ایک قسم کا پنیر حجاز میں بھی بنایا جاتا ہے۔ یہ حد سے زیادہ سفید ہوتا ہے اور اگرچہ اسمیں نمک بھی ملا رہتا ہے مگر زیادہ دن تک رہ نہیں سکتا علاوہ ازیں اسمیں کچھ زیادہ غذائیت بھی نہیں ہوتی بدوی پنیر کے زائد شوقین نہیں وہ دودھ ہی پی لیتے ہیں بہت کیا تو گھی بنا لیا۔

گائے کا سوکھا گوشت جو یہاں بکتا ہے وہ نمکین اور دھواں لگا ہوا ہوتا ہے اور ایشیائے کوچک سے آتا ہے مسافر اسے بڑی خوشی سے مول لیتے ہیں سفر کے کام کی چیز ہے۔ ترکی سپاہی اور حاجی بھی اسے شوق سے خریدتے ہیں لیکن عرب اس کو چکھتے بھی نہیں بہت سے عرب تو یہ دیکھکر کہ جتنے گوشتوں سے وہ واقف ہیں ان سب سے اسکی شکل نرالی ہے اسکو سوئر کا گوشت سمجھتے ہیں اور ترک سپاہیوں سے انکے اعتقاد کی وجہ سے عربوں کو جو نفرت ہے وہ انکے اس گوشت کے کھانے کی وجہ سے اور بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہو تو تعجب نہیں۔ پاتی۔

تمام سوکھے میوے جنکا ذکر ہو چکا ہے آرچی پالیگو سے یہاں آتے ہیں سوائے ایک خرمانی کے جو دمشق سے تمام عرب میں جاتی ہے اور وہاں یہ ایک نعمت سمجھی جاتی ہے خصوصاً بدوی اسکی گٹھلی نکالکر چھلکوں کو مٹوں پر پھیلاکر سکھا دیتے ہیں اس کو جب پانی میں گھول دیا جاتا ہے تو بڑے مزے کی چٹنی بنجاتی ہے۔ ترکی فوج حجاز میں کوچ کرتے وقت اسی چٹنی اور بسکٹوں پر گذران کرتی ہے۔

جدے میں گیارہ دکانیں غلے کی ہیں جنمیں جو۔ جوار۔ مسور۔ ہندی و مصری چانول اور بسکٹ وغیرہ بکتے ہیں صرف گیہوں جو حجاز میں بکتا ہے وہ مصر سے آتا ہے۔ صلح کے زمانہ میں ہمیشہ مکہ وجدہ میں اور نجد سے مدینے میں گیہوں کی بڑی مقدار آتی ہے مگر مصری درآمد کی مقدار بہت بڑھی ہوئی ہے اور گویا حجاز غلے کے لئے تو بالکل مصر ہی کا دست نگر ہے۔ غلے کی تجارت پیشتر مختلف لوگوں کے ہاتھ میں تھی اور شریف غالب نے بھی اسمیں بڑا نفع دیکھکر اپنے قبضہ میں لانا چاہا تھا لیکن اس وقت تو محمد علی پاشا نے بالکل اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے یہانتک سوئز و قصیر میں بھی غلہ عام لوگوں کے ہاتھ نہیں فروخت کیا جاتا غلہ کا ہر جہاز بلاراست پاشا کے حساب میں محسوب ہوتا ہے۔ یہی حالت خورونوش کی دوسری اشیاء، چانول، بسکٹ، گھی، پیاز، وغیرہ کی ہے خصوصاً پیاز بڑی مقدار میں آتی ہے میرے قیام کے زمانہ میں اس ملک کی پیداوار اتنی نہ تھی جو یہاں والوں کو کافی ہوتی اسلئے پاشا جدے میں غلہ فروخت کرتا تھا ایک اردب (چار من) ایک سو تیس پیاستر ([illegible]) سے لگاکر ایک سو ساٹھ پیاستر (سہ) تک تھی۔ دوسری اشیاء خوردنی کا نرخ بھی اسی مناسبت سے سمجھ لینا چاہئے مصر میں پاشا کو غلہ بارہ پیاستر ([illegible]) فی اردب کے حساب سے ملتا تھا اور جدے تک باربرداری کے مصارف پچیس تیس پیاستر (پانچ چھ روپئے) سمجھ لیجئے۔ صرف غلہ کا منافع ہی پاشا کو اسقدر ہوتا ہے کہ وہ اس سے وہابیوں کی جنگ جاری رکھ سکتا ہے۔ لیکن رعیت کی تالیف قلوب و رفاہ عام کا خیال بہت کم کیا جاتا ہے۔ غلے کی قیمت چڑھا دینے سے پاشا کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ بدوی جو خصوصاً مکہ وجدہ مال پہنچانے سے زندگی زندگی بسر کرتے تھے وہ مجبوراً پاشا کی ملازمت میں داخل ہو گئے ہیں اور تنخواہ پانے لگے ہیں۔

حجاز کے عام باشندے گیہوں بہت کم کھاتے ہیں وہ زیادہ تر چانول پر زندگی بسر کرتے ہیں ساحل سے متصل تہامہ کے بدویوں کی بھی یہی حالت ہے۔ یمنی جدے میں سوائے جوار کے اور کچھ نہیں کھاتے جدے میں چانول زیادہ تر ہندوستان سے آتا ہے حجاز والوں کی یہ خاص غذا ہے اور یہ لوگ ہندوستانی چانول کو مصری چانول پر ترجیح دیتے ہیں اعلیٰ درجہ کا چانول کچھ اور گجرات سے آتا ہے مصری چانول تو لع

اور شمال کیطرف والے کھاتے ہیں ہندوستان کے چاولوں کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے اور وہ مصری چاولوں سے موٹا اور بڑا بھی ہوتا ہے مصری چاول لال ہوتا ہے لیکن مصری و ہندی چاولوں میں سب سے عمدہ وہ ہے جسکا رنگ سفید ہو۔ ہندوستانی چاول اُبالنے کے بعد پھولتا بھی خوب ہے اور اسوجہ سے عرب اسے پسند کرتے ہیں کیونکہ مٹھی بھر چاولوں میں رکابی بھر جاتی ہے لیکن مصری چاول زیادہ مقوی ہوتا ہے ہندوستانی چاول سستا ہوتا ہے اور جدے سے مکہ۔ طائف۔ مدینہ۔ بلکہ نجد تک جاتا ہے چاول میں مسور کی دال ڈالکر بھونی کھچڑی پکاتے ہیں اوسط درجے کے لوگ بھی آسے بہت رغبت سے کھاتے ہیں ان کا شام کا کھانا عموماً یہی ہوتا ہے۔ ملک شام میں کھچڑی کو مجدرہ کہتے ہیں یہ نام جدری سے بنا ہے جسکے معنی چیچک کے ہیں چونکہ چاولوں میں مسور کی دال پڑکر چیچک منہ داغ کی سی شکل ہو جاتی ہے اسوجہ سے کھچڑی کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ حجاز کے ہر حصے میں بدوی سفر کے وقت سوائے چاول مسور کی دال گھی اور کھجور کے اپنے ساتھ کچھ نہیں رکھتے۔ ترکی فوج کے استعمال کی وجہ سے مصر سے بسکٹ یہاں آنے لگا ہے۔ عرب دریائی سفر میں بھی بسکٹ کبھی نہیں کھاتے وہ اپنی ٹیڑھی بنگی موٹی موٹی روٹیوں کو جو جہاز کے تنور میں وہ پکالیتے ہیں ان بسکٹوں سے بہتر سمجھتے ہیں۔

جدے میں نمک غلہ فروش ہی بیچتے ہیں۔ دریائی نمک جدے میں جمع کیا جاتا ہے اور اسکا ٹھیکہ شریف کے ہاتھ میں ہے مکے والے پتھر کے نمک کو پسند کرتے ہیں جو طائف کے قریب کے کسی پہاڑ سے بدوی لاتے ہیں

یہاں اکتیس دوکانیں تمباکو کی ہیں جنمیں شامی و مصری تمباکو اور ایرانی حقو نیں پینے کا تمباکو بکتا ہے نیچے، کوڑے۔ منہ نال، ناریل، قہوہ، حجازی کشمش، بادام، صابن وغیرہ بھی انہی دوکانوں پر ملتا ہے مصری تمباکو سب سے زیادہ سستا ہوتا ہے اور حجاز میں سب سے زائد اسی کی مانگ ہے اسکی بھی دو قسمیں ہیں ایک کے پتے سوکھنے پر سبز رہتے ہیں اس کو مربی کہتے ہیں یہ مصر صعید سے آتا ہے دوسرے کا رنگ بھورا ہوتا ہے سیوط کے جنوب میں ایک مقام تحتہ ہے یہ وہاں کی پیداوار ہے۔ وہابیوں کے عہد حکومت میں تمباکو کا حکم کھلا نہیں بکتا تھا لیکن حجازی بدوی چونکہ اسکے حد سے زیادہ شوقین ہیں اسلئے چھپا چوری دکانوں میں "حوائج" (یعنی انسانی ضروریات) کے نام سے بیچا جاتا تھا۔

یہ وہ ان حقوں کے کوڑے اور سٹکیں جنپر نہایت عمدہ عمدہ کام کیا جاتا ہے ہندوستان سے آتی ہیں۔ ناریل مشرقی مجمع الجزائر جنوبی و مشرقی ساحل افریقیہ اور شمالی ملک سے آتے ہیں۔ برسات میں ناریل تازے اور سستے

سستے ملتے ہیں بڑے ناریل ایرانی حقے توری میں لگائے جاتے ہیں اور چھوٹے ناریلوں میں سابن شام سے
سوئز پہنچتا ہے اور وہاں سے ساحل بحر احمر میں اسکی تجارت بھی بہت وسیع ہے اور یہ جبرفین کے سوداگروں کے
ہاتھ میں ہے اس مقام کو عرب جبلیل کہتے ہیں جبرفین کے سوداگر جدے میں لاتے ہیں اور ہمیشہ یہاں کے بازاروں
میں بھرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بادام و کشمش طائف اور کوہستان حجاز سے آتی ہے اور مشرقی مجمع الجزائر
میں یہاں سے بکثرت بھیجی جاتی ہے۔ بادام بہت اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے اور کشمش چھوٹی اور سیاہ رنگ کی ہوتی ہے
لیکن بہت میٹھی۔ اس سے ایک قسم کی شراب بھی بنائی جاتی ہے۔

جدے میں اٹھارہ دوا ساز ہیں یہ سب ہندوستانی زیادہ تر سورت کے رہنے والے علاوہ اور قسم کی ادویہ
کے یہ لوگ موم بتیاں، عطر، کاغذ، شکر اور عود بھی بیچتے ہیں۔ عود کا یہاں بڑا خرچ ہے تمام معززین شہر کے
مکانوں میں ہر روز صبح کو عود کی دھونی دیجاتی ہے اور صندل کی لکڑیاں بھی سلگائی جاتی ہیں تمام قسم کے
مصالحے اور گرم ادویہ حجاز میں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔

گھروں میں قہوہ بغیر الائچی اور لونگ ملائے ہوئے کبھی نہیں بناتے۔ لال مرچ جو ہندوستان و مصر سے آتی ہے
ہر سالن میں پڑتی ہے۔ جدے کے عطاروں کے ہاں سب سے زیادہ جو دوا رہتی ہے وہ گلاب کی کلیاں ہیں
یہ طائف کے باغوں سے لائی جاتی ہیں۔ حجاز والے خصوصاً عورتیں گلاب کے پھول پانی میں ڈال کر گرم
کرتی ہیں اور اس سے نہاتی ہیں ان پھولوں میں شکر ملا کر گلقند بھی بناتے ہیں شکر یہاں ہندوستان سے آتی ہے
یہ زردی مائل سفید رنگ کی ہوتی ہے اور اگرچہ اچھی طرح صاف کیجاتی ہے مگر پسی ہوئی ہوتی ہے۔ مصری شکر
بھی یہاں کچھ آتی ہے مگر یہاں والے اسے پسند نہیں کرتے یہاں کے لوگ ہندوستان کی ہر چیز کو یہ سمجھتے
ہیں کہ اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے جیسے کہ یورپ والے انگلستان کے مال کو سب جگہ سے اچھا خیال کرتے ہیں
ہندوستانی عطار یہاں سب مالدار ہیں ان کی تجارتیں خوب چل رہی ہیں۔ عرب سوداگر اس تجارت میں ان کا
مقابلہ نہیں کر سکتے مکے، مدینے، طائف اور ینبوع میں سب عطار ہندی النسل ہیں اور اگرچہ
پشتہا پشت سے وہ یہاں رہتے ہیں اور معاشرت بھی بالکل یہیں کی سی اختیار کر لی ہے مگر پھر بھی ہندی
زبان بولتے ہیں اور عربوں سے بعض اور چھوٹی چھوٹی رسموں میں مختلف ہیں۔ عرب عموماً انسے خوش نہیں ہیں
وہ ان کو دغا باز اور لالچی کہتے ہیں۔

گیارہ دکانیں یہاں بساطیوں کی ہیں جن میں چینی کے برتن لکڑی کے چمچے، منہ نالیں، شیشے کے منکے، چاقو،

تسبیحیں آئینے وغیرہ بکتے ہیں ان میں سے اکثر تاجر بمبئی کے رہنے والے ہیں۔ یورپ کا مال یہاں بہت کم آنے پاتا ہے سوائے سوئیوں، انگشتانوں اور قینچیوں کے قریب قریب ہر چیز یہاں ہندوستان سے آتی ہے حجاز میں چینی کے برتنوں کی بڑی قدر ہے امیروں کے ہاں انکے بڑے بڑے ذخیرے رہتے ہیں اور نعمت خانے الماریوں پر رکھتے ہیں یہی کیفیت شام میں بھی ہے یعنے جدہ و مکہ میں کوئی گز گز بھر کی چینی کی رکابیاں دیکھیں انکو دو آدمی اٹھاتے تھے اور ایک رکابی میں ثابت کی ثابت بھنی ہوئی بھیڑ سما جاتی تھی۔

شیشے کے منکے جدے میں سواکن اور حبش کی منڈیوں سے آتے ہیں یہ کچھ تو جبرون اور کچھ وینس کی ساخت کے ہوتے ہیں۔ حجاز کی بدوی عورتیں انکو پہنتی ہیں اور سیاہ سینگ کی چوڑیاں اور جنکے ہار بھی انکے فیشن میں داخل ہیں ان دو کانوں میں سلیمانی منکے بھی ملتے ہیں یہ بمبئی سے آتے ہیں اور وسط افریقہ تک انکا استعمال ہے۔ ایک قسم کے منکے سرخ موم کے بنے ہوئے بھی یہاں کثرت سے بکتے ہیں یہ بھی ہندوستان سے آتے ہیں۔ تسبیحوں کی بھی یہاں بڑی بھرمار ہے یہ یسر کی بنائی جاتی ہیں اور انکی وجہ سے اس بازار کا نام ہی حوش الیسر ہو گیا ہے یہ تسبیحیں بہت بیش قیمت ہوتی ہیں یسر ایک قسم کا مونگا ہوتا ہے جو بحر احمر میں پیدا ہوتا ہے اعلیٰ قسم کا مونگا جدے اور عونفود کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اسکا گہرا سیاہ رنگ ہوتا ہے جسپر عمدہ جلا ہو جاتی ہے۔ ایک تسبیح جسمیں سو دانے ہوتے ہیں انکی بڑائی چھوٹائی کے لحاظ سے آٹھ روپیہ تک بکتی ہے یہ جدے کے خرادی بناتے ہیں اور ملایا میں انکی بڑی مانگ ہے۔ دوسری قسم کی تسبیحیں ہندوستان سے بھی آتی ہیں جو خوشبودار قلمبک یا صندل کی ہوتی ہیں مصر و شام میں انکی بہت کھپت ہے۔ بہت کم حاجی ایسے ہونگے جو حجاز سے رخصت ہوتے وقت اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے یہ تسبیحیں بطور تبرک نہ لیجاتے ہوں یہاں گیارہ دکانیں کپڑے کی ہیں انمیں مختلف قسم کے لباس ہر روز صبح نیلام ہوا کرتے ہیں یہ کپڑے زیادہ تر ترکی فیشن کے ہوتے ہیں جو تھوڑی سی تراش خراش کے بعد اعلیٰ و اوسط درجے کے سوداگر پہننے لگتے ہیں۔ حج کے دنوں میں ان دوکانوں میں احرام بکثرت بکتا ہے یعنے وہ لباس جس سے حج کیا جاتا ہے اسمیں عموماً دو چادریں سفید جامے کی ہوتی ہیں یہاں حجازی بدوی اونی عبائیں لینے بھی آتے ہیں جو مصر سے آتی ہیں اس کپڑے کے لئے بدوی پورے طور پر مصر کے محتاج ہیں بعض بدویوں کی بیویاں اپنی عبائیں خود بھی بنا لیتی ہیں یہاں ترکی قالین بھی گھٹیا قسم کے آتے ہیں اور عرب شیخ کے خیمے کی ضروری چیز سمجھے جاتے ہیں ان دکانوں میں کپڑے کی قسم کی اور بھی چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ مثلاً روئی کی توشکیں، کرتوں کے لئے پھلواری۔ نیلی

رنگی ہوئی قمیصیں جو دہقان پہنتے ہیں۔ سنجق۔ نمد سلیپر جو دولتمند سوداگر اور عورتیں پہنتی ہیں طرح طرح کے بنے بنائے کپڑے مستعملہ کشمیری شال، دوشالے، سوتی چادرے وغیرہ۔

یہاں چھ بڑی دکانیں ہندوستان کے مال کی ہیں انکے مالک بڑے معزز تاجر ہیں جنکے منیب تھوک فروشی کے طور پر بیچتے ہیں ان دکانوں میں فرانسیسی کپڑا، کشمیری شالیں وغیرہ بکتی ہیں۔ علاوہ ان ہندوستانی دکانوں کے اور بھی بڑے بڑے تاجر اپنے مکانوں پر تھوک فروشی کرتے ہیں جدہ میں دوسرے سوداگر ہر قسم کی تجارت اور بیع بیوپار میں مصروف ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے جیلانی کے بھائی کو دیکھا کہ وہ ینبوع کے ایک بساطی سے ایک کپڑے کے پیچھے جس کی قیمت کوئی بارہ روپیہ ہوگی جھائیں جھائیں کر رہا تھا۔ یہی کیفیت مصر و شام میں بھی ہے کہ بڑے بڑے تھوک فروش تاجر کاروبار تجارت کے جزوی جزوی معاملوں میں دخل دیتے ہیں اور مزا یہ ہے کہ وہ کوئی بڑا دفتر بھی محرروں کا نہیں رکھتے اور انکے بیوپار کا ڈھنگ بھی ایسا ہے کہ اسکی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ترکی سوداگر ایک ہی کھاتے سے زیادہ نہیں رکھتے اسمیں وہ اپنی بیاض میں سے ہفتہ وار جو لین دین ہوتا ہے اتار لیتے ہیں ان کو اس قدر لمبی چوڑی مراسلت کی بھی ضرورت نہیں پڑتی جو فرنگی سوداگر کرتے رہتے ہیں۔ ہر شہر میں جہاں سے یہ تجارت کرتے ہیں ان کا ایک اڑتیا رہتا ہے جس سے وہ سال کے سال حساب پاک کر لیتے ہیں ان سوداگروں کو چھوڑ کر جو بندرگاہوں پر ہیں باقی تمام ترکی تاجر ایک ہی ڈھنگ کی تجارت کرتے ہیں یعنے وہ صرف ان شہروں سے خط و کتابت رکھتے ہیں جہاں مال بھیجتے ہیں اور جہاں سے منگاتے ہیں مثلاً حلب کے بڑے بغدادی سوداگر جو لکھتے ہیں اپنے بغداد کے دوستوں کے ذریعہ سے حلب میں مال منگا لیتے ہیں اور پھر یہاں سے قسطنطنیہ روانہ کر دیتے ہیں یہاں میں سے بہت سے تاجروں کو جانتا ہوں انکے پاس ایک بھی منشی نہیں ہے سود اور دلالی بٹہ بھی یہاں بہت کم ہے۔ بات یہ ہے کہ تجارت میں ذاتی روپیہ لگاتے ہیں اور جب کوئی بھاری کھیپ بھیجی جاتی ہے تو سوداگر اپنے کسی رشتہ دار یا ساجھی کو مال کے ساتھ روانہ کر دیتا ہے ہنڈیوں اور بنک سے لین دین کا بیوپار بھی یہاں دیسوں میں نہیں ہے جسکی وجہ سے وہ بہت سی تکلیفوں سے بچ جاتے ہیں مشرقی سوداگروں میں خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی و یہودی ایک رسم یہ ہے کہ وہ بقایا کا پورا پورا حساب کبھی نہیں لگاتے اسے وہ بدشگونی سمجھتے ہیں۔ بدوی اپنے قبیلے کے ڈیرے بھی اسی وجہ سے کبھی نہیں گنتے اور نہ اپنی بھیڑ و مال کی ٹھیک تعداد بتاتے ہیں گورنر اپنے شہر کی مردم شماری۔ سوداگر اپنے سرمایہ کی مقدار اور فوجی افسر اپنی فوج کی ٹھیک ٹھیک تعداد ہمیشہ چھپاتا ہے مشرقی سوداگروں کا دیوالہ بہت کم نکلتا ہے وجہ یہ ہے کہ وہ جتنی چادر

دیکھتے ہیں اتنے ہی پاؤں پھیلاتے ہیں اور حتی الامکان اپنے ذاتی روپیہ سے ہی کھیل کھیلتے رہتے ہیں قرضہ بھی یہاں مشکل سے ملتا ہے۔ بات یہ ہے کہ مشرقی تاجر اپنے وعدہ کا پاس کم کرتے ہیں معزز سے معزز سوداگر بھی قرضہ چٹ پٹ ادا نہیں کرتا اور مصر و شام میں تو یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جتنی میعاد مقرر کیجائے سمجھو اُس سے دوگنی مدت میں روپیہ ادا ہوگا۔ لیکن جدے میں میں نے نقد کھرا کھرا ہی معاملے ہوتے دیکھے۔

یہاں کسیروں کی تین دوکانیں ہیں ہر عرب کے باورچیخانے میں جھک جھکاتے قلعی دار تانبے کے برتن دکھائی دیتے ہیں یہانتک کہ بدویوں کے ہاں بھی ڈیرے پیچھے ایک دیگچی تو ضرور ہی ہوتی ہے۔ یہ برتن سب مصر سے آتے ہیں۔ سب سے زائد ضروری برتن لوٹا ہے جس سے مسلمان وضو کرتے ہیں۔ حجاز میں کوئی ترکی حاجی ایسا نہیں آتا جسکے پاس لوٹا نہ ہو اور اگر کوئی گھر سے یونہی خالی ہاتھ چل کھڑا ہوتا ہے تو وہ جدے میں آکر خرید لیتا ہے، جاوی لوگ کچھ چاپان کے بنے ہوئے تانبے کے برتن بھی یہاں لاتے ہیں لیکن انپر قلعی نہیں ہو اور اگرچہ انکا تانبا بہت صاف ہوتا ہے مگر عرب انکو پسند نہیں کرتے جدے میں حجاموں کی چار دوکانیں ہیں اس ملک میں حجام حکمت اور جراحی بھی کرلیتے ہیں۔ وہ فصد کھولنا جانتے ہیں اور دوسری بیماریوں کی دوا درمن بھی کردیتے ہیں بعض عرب جنکی داڑھیاں بہ نسبت اُنکے بھائی بندوں کے بہت بڑی اور گھنی ہوتی ہیں وہ اُن کو کٹوانے میں بڑی احتیاط و ہوشیاری کرتے ہیں کہ ایک بال بھی دوسرے بال سے بڑھا ہوا نہ رہے۔ یہاں مونچھیں ہمیشہ خشخشی کرادیجاتی ہیں اور کبھی ہونٹوں تک نہیں آنے دیتے اس بات میں عرب ترکوں سے بہت مختلف ہیں وہ اپنی لمبی لمبی گھنی مونچھوں کو شاذونادر ہی قینچی لگاتے ہیں۔ حجاموں کی دکانوں پر ادنیٰ قسم کے بیفکرے ادہر ادھر کی خبریں سننے اور گپیں ہانکنے کے لئے آبیٹھا کرتے ہیں ان دوکانوں میں سے ایک پہ میں نے ایک مہرکن بھی دیکھا جو ایرانی النسل تھا اسکی دوکانپر بڑا گھمسان رہتا ہے کیونکہ ہر ایک حاجی حج سے واپس آنے کے بعد اپنی مُہر میں نام سے قبل الحاج کھُدوا دیتا ہے۔

یہاں چار درزی ہیں انکے علاوہ شہر کے مختلف محلوں میں کچھ درزی اور بھی ہیں ان میں زیادہ تر پردیسی ہیں۔ طوسون پاشا کا درزی بوسینیا کا رہنے والا ایک عیسائی ہے اسکی شہر بھر کے درزیوں پر حکومت ہے اور وہ سب اس بات کے شاکی ہیں کہ یہ عیسائی زبانی دت دبک ہی نہیں کرتا بلکہ لکڑی سے بھی خبر لیتا ہے جس سے ہماری سخت توہین ہوتی ہے۔

یہاں چار موچی ہیں جو نعل یعنے جوتے بناتے ہیں۔ حجاز میں ایک بھی موچی نہیں ہے جو لوگ جوتے یا سلیپر پہنتے ہیں

وہ ان سوداگروں سے خرید لیتے ہیں جنکے پاس مصر سے مال آتا ہے۔ جوتے جو حجاز میں پہنے جاتے ہیں انکی شکلیں ہر صوبے میں مختلف ہیں اور بیسیوں ہی قسمیں ہیں۔ بعض جوتے بعض قوموں سے مخصوص ہیں مثلاً سوداگر، ملاحوں کا سا جوتا نہیں پہنتے۔

ٹرکی میں بھی جوتے کی یہی حالت ہے یعنے ہر صوبے اور ہر قوم کا ایک خاص طرح کا جوتا ہوتا ہے۔

تین دکانیں یہاں مشکوں کی ہیں یہ سواکن اور مصر سے آتی ہیں۔ ضروری مرمت انکے یہاں ہو جاتی ہے۔ حجاز کے اکثر حصوں میں سواکن کی مشکیں جاتی ہیں۔ یہ بہت ہلکی اور سبک ہوتی ہیں اور سلائی بھی بہت صفائی کی ہوتی ہے اگر روزانہ استعمال کیجائے تو ایک مشک تین چار مہینے چل سکتی ہے۔ یہاں دو خرادی بھی ہیں جو نیچے تسبیح کے دانے اور دوسری چیزیں بناتے ہیں۔ تین گندی ہیں جو مکے کا روغن بلسان تیل روغن زیتون اور عرق گلاب وغیرہ بیچتے ہیں۔ انہی دوکانوں میں مشک بھی ملتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کی قیمت چار روپیہ فی مثقال ہے۔

ایک ترک گھڑی ساز بھی یہاں ہے۔ مکہ وجدہ کے تقریباً تمام سوداگروں کے پاس گھڑیاں ہیں بعض کے پاس عمدہ انگریزی ساخت کی گھڑیاں بھی دیکھنے میں آئیں۔ یہ گھڑیاں یا تو ہندوستان سے آتی ہیں یا قسطنطنیہ سے حاجی لاتے ہیں اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ترکی حاجیوں کو حجاز میں آکر روپیے کی ضرورت پڑ جاتی ہے ایسی حالت میں سب سے پہلے بیچنے کے لئے جس چیز پر نظر پڑتی ہے وہ گھڑی ہے اسکے بعد پستول کا نمبر آتا ہے۔ پھر خنجر۔ پھر کوئی خوبصورت حقہ اور سب سے آخر میں کسی اعلیٰ درجہ کے قرآن کے بکنے کی نوبت آتی ہے۔ یہ سب چیزیں مکہ وجدہ کے ہراج خانوں میں بالعموم بکتی رہتی ہیں۔

جدے میں ایک شخص ترکی و ایرانی حقے بیچتا ہے۔ جو خصوصاً بغداد سے آتے ہیں امیر آدمی اپنے نعمت خانوں میں قطار کی قطار خوشنما حقے رکھتے ہیں انمیں سے بعض بعض حقے کی قیمت دو سو روپیہ تک ہوتی ہے۔

یہاں سات صراف بھی ہیں۔ یہ کھلے بازار میں بنچوں پہ بیٹھتے ہیں اور سامنے ایک بڑا صندوق رکھ لیتے ہیں جسمیں روپیہ رہتا ہے۔ پیشتر صراف یہاں یہودی تھے لیکن جب سے شریف سرور نے یہودیوں کا اخراج کر دیا تب سے جدے والوں نے صرافی اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس پیشے سے قدرتی طور پر انکو رغبت و مناسبت بھی ہے عموماً ہر دوکان پر ایک شریک بھی رہتا ہے اور کوئی چھ چھ آدمی ملکر ساجھے میں دوکان کرتے ہیں اس کام کے لئے بڑے روپیے کی ضرورت ہے مگر اسمیں فائدہ بھی بڑا ہے بمقابلہ دوسرے شہروں کے یہاں روپے کا الٹ پھیر بہت جلد ہو جاتا ہے

ڈالروں اور سکوئن کی قیمت ہر روز اترتی چڑھتی رہتی ہے اور اسمیں ہر پہلو سے صرافوں ہی کی جیت ہے۔
ہندوستانی بیڑا جب یہاں آتا ہے تو ڈالرونکی قیمت بہت بڑھجاتی ہے۔ جب میں جدہ میں تھا تو ایک ایک
ڈالر بارہ بارہ پیاسٹر میں بکا۔ بیڑے کے چلے جانے کے بعد جب ڈالرونکی کھڑا کھڑی مانگ نہیں رہتی تو قیمت بہت
اتر جاتی ہے۔ جنوری ۱۹۲۵ء میں نو پیاسٹر میں ایک ڈالر چلتا تھا۔ یہاں سونے کے سکے کا کوئی نرخ مقرر نہیں ہے
پیشتر حجاز کے سکے۔ وینس کے۔ ہنگری کے۔ سکوئن اسپین کے ڈالر، اور ٹرکی کے سکے سب چلتے
تھے۔ البتہ مصری سکہ ٹکسال باہر تھا مکے کے مورخ لکھتے ہیں کہ شریف خود اپنا سکہ سلطان روم کے
نام سے بنوانے لگے تھے اسوجہ سے مصری سکہ خارج کر دیا گیا تھا لیکن اب شریفوں کا سکہ موقوف ہو گیا اور
محمد علی کی فوجیں یہاں داخل ہونے کے سبب سے قاہرہ کے سکے بالجبر چلائے جاتے ہیں اور قاہرہ کا
چاندی کا سکہ تو اسپین کے ڈالر کے بعد سمجھا جاتا ہے والئ مصر کو سلطان کے نام سے سکہ مضروب کرانے کا
جو حق حاصل ہے اب سے قبل اُس کو اس حق سے مستفید ہونے کا بہت کم موقع ملتا تھا لیکن آجکل اُسنے ایک دار الضرب
بنا لیا ہے جسمیں ستر لاکھ پیاسٹر سالانہ تیار ہو سکتی ہیں تو دو لاکھ پونڈ برابر ہوئیں اور لوگوں کو مجبور کیا جا رہا ہے
کہ ڈالر ابھی آٹھ پیاسٹر میں خریدا جائے اگرچہ یہ بھی مشہور ہے کہ ڈالر کی قیمت بائیس تئیس پیاسٹر ہے بات یہ ہے
کہ پاشا حجاز میں ابھی پورے طور سے خود مختارانہ حکومت قایم نہیں کر سکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ملک کے اندرونی
حصوں میں جہاں ترکی فوجیں ڈیرے ڈالے ہوئی ہیں ڈالر کی قیمت اٹھارہ انیس پیاسٹر ہے مگر بدوی مصری پیاسٹر
کو کم قیمت میں بھی لینا پسند نہیں کرتے اور بعض وقت پاشا کو بھی مجبوراً انکی ہی بات ماننی پڑتی ہے ترکی سب سے
چھوٹا سکہ پارہ ہے جسے یہاں دیوانی کہتے ہیں یہ تمام حجاز میں چلتا ہے اور اسکی بڑی چاہ ہے۔ قیمت بھی
اسکی بہت کھری ہے حالانکہ یہ بھی پیاسٹر کیطرح قاہرہ کے ٹکسال میں بنتا ہے۔ چالیس پاروں کی ایک پیاسٹر
ہوتی ہے لیکن حج کے موسم میں جبکہ چھوٹے چھوٹے سکوں کی روزانہ اخراجات کے لئے زیادہ ضرورت ہوتی ہے
تو صراف ایک پیاسٹر کے صرف پچیس پارہ دیتے ہیں۔ تھوڑے سے ہندوستانی روپے بھی جدے کے بازار
میں دیکھنے میں آئے لیکن یہاں انکا چلن نہیں ہے۔ امام یمن کا سکہ میں نے کوئی نہیں دیکھا۔

اسی بڑے بازار میں جہاں کی دوکانوں کا یہ ذکر ہے دس بڑے بڑے مسافر خانے بھی ہیں انمیں ہمیشہ
مسافر اور مال بھرا رہتا ہے۔ انمیں کے اکثر مسافر خانے پہلے شریف کی ملک تھیں اور اب پاشا کی ہیں۔ جو
تاجروں پر سالانہ محصول لگاتا ہے۔ شام میں یہ عمارتیں خان کہلاتی ہیں لیکن یہاں انکو حوش کہتے ہیں

یہ مصری لفظ ہے جسکے معنی صحن کے ہیں جدے کے بڑے مارکیٹ سے ملی ہوئی ایک گلی ہے اس میں لوہار، بڑھئی، سنار، قسائی، وغیرہ رہتے ہیں ان میں اکثر مصری ہیں۔ ناظرین ان حالات کو پڑھکر خیال کر سکتے ہیں کہ جدے کا دارومدار باہر سے مال آنے پر منحصر ہے خواہ مصر سے آئے یا ہندوستان سے اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بھی یہاں یہی حالت ہے حجاز میں کچھ تو آدمیوں کی قلت ہے کچھ اجرت و مزدوری کی گرانی اور سب سے بڑھکر دستکاروں اور کاریگروں کا نہ ملنا وہ اسباب ہیں جنکے باعث حجاز والے کارخانے قایم نہیں کرتے اس معاملے میں وہ مصری و شامی عربوں سے بالکل جدا ہیں وہاں والے عموماً محنتی، دستکار، اور صناع ہیں اور باوجودیکہ گورنمنٹ اکثر انکے کاروبار میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہے مگر پھر بھی انھوں نے بہت سے کارخانے قائم کر لئے ہیں جن کے سبب سے وہ دوسرے ملکوں کے دست نگر نہیں ہیں حجازی صرف دو پیشے کرتے ہیں ایک تجارت دوسرے مویشی کا پالنا۔ تجارت پر ہر شہری کی نظر پڑتی ہے یہاں تک کہ علماء بھی اسمیں جٹ جاتے ہیں ہر شخص یہی کوشش کرتا ہے کہ جو کچھ تھوڑا بہت اُسکے پاس ہے وہ کسی نہ کسی مفید تجارت میں لگادے تاکہ بلا محنت و مشقت کے زندگی بسر کر سکے۔

ان لوگوں سے ہاتھ پاؤں ہلائے بھی نہیں جاتے۔ جو لوگ یہاں پیشہ ور ہیں وہ یا تو مصری ہیں یا شامی و حبشی یا کسی اور جگہ کے پردیسی ہیں یہ سب نہایت عمدگی سے معاش پیدا کرتے ہیں سبکے دھندے خوب چل رہے ہیں اور یہ لوگ بالکل مسافرانہ یہاں ٹھیرے ہوئے ہیں البتہ عربوں کی صرف ایک قوم ایسی ہے جن کو ہم نے بہت محنتی پایا یہ حضرموت کے رہنے والے ہیں اور ان کو الحضرمی بھی کہتے ہیں اکثر سوداگروں کے ہاں یہی نوکر ہیں کوئی دربان کوئی چوکیدار کوئی قاصد، خصوصاً چوکیداری کے لئے یہ بہت موزوں ہیں اور اپنی ایمانداری و محنت کے باعث اپنی تمام قوموں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

مشرق میں کوئی نہ کوئی قوم خاص طور پر حمالی و مزدوری کے لئے مشہور ہے مثلاً حلب میں ارمنی کوہستان ایشیائے کوچک کے رہنے والے۔ دمشق میں کوہ سبانوس کے باشندے۔ بیروت میں نوبہ والے اور جدہ و مکہ میں حضرمی یہ بھی پہاڑی ہیں ان ملکوں کے رہنے والوں کی ایک اور بھی خاصیت ہے وہ یہ کہ پردیس میں روپیہ پیدا کر کے وہ اپنے وطن کو چلے جاتے ہیں اور بقیہ زندگی وہاں اپنے بال بچوں میں گزارتے ہیں اس لحاظ سے حجاز میں ملازموں کی اور بھی ضرورت ہے۔ مکے۔ مدینے میں جو پیدا ہوا ہے وہ جب تک کہ بھوک کے مارے جان پر نہ بن جائے محنت مزدوری یا ادنیٰ ملازمت تو کبھی کرتا ہی نہیں اور پھر جہاں بیٹھ گئی

پڑی کہ پیٹ سے پانوں نکالے جھٹ محنت موقوف کر پھیری والے سائل بنجاتے ہیں مکہ و جدہ میں فقیروں کی تعداد بھی بہت بڑی ہے اور جدے کے سوداگروں کا یہ عام مقولہ ہے کہ جب تک جدے والے کو بھیک ملتی ہے وہ کوئی کام دھندا نہیں کرتا۔ بھیک مانگنے والوں کے دل یہ حاجی اور بڑھاتے ہیں جو مقدس سرزمین پر قدم رکھتے ہی جدے میں دل کھول کر فیاضی دکھاتے ہیں جدے والوں کی عادات و اطوار کے متعلق میں مکے والوں کے حالات لکھتے وقت کچھ لکھونگا۔ کیونکہ دونوں جگہ کے باشندوں کی حالت قریب قریب ایک ہی ہے۔ اکثر معزز لوگوں کے مکان دونوں شہروں میں ہیں اور وہاں سے یہاں۔ یہاں سے وہاں۔ آتے جاتے رہتے ہیں۔

جدہ کا تعلق چونکہ حرمین سے ہے اسلئے یہاں کا حاکم حرمین کا حاکم سمجھا جاتا ہے لیکن ترکی حکام اس اعزاز کو حقیر سمجھتے ہیں اور جدے کو بجائے کسی فوقیت اور فضیلت کی جگہ کے جلاوطنی کی جگہ سمجھتے ہیں جدے کا پاشا اپنے کو صرف جدے ہی کا والی نہیں کہتا بلکہ سواکن و حبش کا بھی سمجھتا ہے اور اس خطاب کو نباہنے کے لئے سواکن و مسوعہ میں بھی جنگی خانہ کے افسر مقرر کرتا ہے انکا تقرر محمد علی کی حکومت سے قبل بالکل شریفوں کے ہاتھ میں تھا۔

اب مکے کی بے قدری کے باعث جدے کی پاشائی بھی بہت گھٹ گئی ہے اور یہ خطاب محض اعزازی رکھا گیا ہے۔ اس اعزاز سے وہ لوگ بہت خوش ہوتے ہیں جنکا تقرر تو جدے کی پاشائی پر ہو مگر یہاں کی حکومت پہنچنے نہ جائیں بلکہ قسطنطنیہ یا اور کسی صوبوں میں متعین کر دیئے جائیں یعنی رہیں وہیں اور خطاب مل جائے۔

وہابیوں کی فتوحات سے قبل سلطانی احکام کی رو سے جدے کی کروڑ گیری کی آمدنی پاشا اور شریف مکہ مساوی تقسیم کر لیتے تھے اور شہر پر حکومت پاشا کی رہا کرتی تھی۔ جب ترکوں نے ایشیائے کوچک تسخیر کرنا شروع کیا تو شریف کو اس آمدنی کی ایک تہائی ملنے لگی۔ جسکی وجہ سے شریف نے صرف جدے ہی کی حکومت غصب کی بلکہ کروڑ گیری کا کل محاصل بھی اپنے ہی خرچ میں لانے لگا اور پاشا انکی عنایت کا محتاج رہگیا۔ جو یہ ہتھا تھا کچھ دیتا وہ لے لیتا۔ شریف پاشا کی وفات کے بعد ہی شریف غالب وہابیوں کو مکہ سپرد کرنے پر مجبور ہو گیا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ ایک سال قبل وہابیوں نے زیر کمان سعود اسے جدے میں محصور کیا تھا اسوقت اپنے تئیں اسنے عقائد وہابیہ کا معتقد ظاہر کیا اور کھلم کھلا وہابی فرمانروا کا مطیع ہو گیا اس ترکیب سے جدے پر اس کا قبضہ بنا رہا اور کروڑ گیری کی آمدنی جو اسکی دولت کا بڑا ذریعہ تھی یہی لیتا رہا۔ اور وہابیوں نے اس شہر پر جو انکے اصول و عقائد کے موافق تعاملہ نہ کیا۔ لیکن ترکی سپاہی اسوقت یہاں سے مصر یا کہیں اور

چلے جانے پر مجبور ہوئے اور تمام ترکی حکام ۱۸۱۱ء تک حجاز سے بالکل خارج رہے ۱۸۱۱ء میں محمد علی پاشا نے وہابیوں کے مقابلے میں اپنی تدبیریں شروع کیں اور اپنے بیٹے طوسون پاشا کے زیر کمان ایک فوج بھیجی جسکو پہلے تو ینبوع و مدینے کی بیچ کے دروں میں شکست ہوگئی مگر ۱۸۱۲ء میں فتح ہوئی اور ستمبر کے مہینے میں طوسون پاشا نے مدینہ فتح کر لیا۔ مصطفیٰ پاشا جو محمد علی کا سالا تھا اپنا رسالہ لیکر جدہ و مکہ و طائف کی طرف بڑھا اور تقریباً بغیر خونریزی کے اُسنے ان سب مقامات پر قبضہ کر لیا۔ شریف غالب نے جسکو محمد علی کی فتوحات سے خوف ہو چلا تھا خفیہ طور پر مصر میں اس سے مراسلت کی اور جب تک ترک جدے میں داخل ہوگئے تو اسنے علانیہ اپنے تئیں ترکوں کا دوست ظاہر کیا طوسون پاشا کو اسکی خدمات کے صلے میں باب عالی سے پاشائے جدہ کا خطاب عنایت ہوا اس جنگ کی تفصیل دوسرے موقع پر بیان کیجائیگی اسوقت میں صرف یہ ظاہر کرتا ہوں کہ جب ترک جدے میں داخل ہوئے تو پاشا اور شریف کے درمیان محصول کروڑگیری پر جھگڑا ہوا کہ آپس میں برابر برابر تقسیم ہونی چاہیے مگر پاشا چونکہ فاتح تھا اسلئے اُسنے سب پر خود قبضہ کر لیا اور شریف کو قید کر کے ترکی بھیج دیا اُس وقت سے شہر پر پورا پورا پاشا ہی کا قبضہ ہے اور نیا شریف یحییٰ طوسون پاشا کا ملازم ہے۔ شریف غالب جدہ پر خود حکومت کرتا تھا اور جب کبھی وہاں سے جاتا تو اُسکا ایک افسر جس کو وزیر کہتے تھے انتظام کرتا تھا۔ پولیس اسکے تحت میں رہتی تھی اور کروڑگیری جسے مگرکھ کہتے ہیں ایک دوسرے افسر کی جو گمرکجی کہلاتا ہے زیر نگرانی رہا کرتی تھی۔ اور بندرگاہ کی پولیس امیر البحر کے تحت میں۔ پہلے وزیر ایک حبشی تھا جو شریف غالب کا غلام تھا لوگ اسکی خود مختارانہ کارروائیوں اور غرور کی وجہ سے سخت متنفر تھے۔ غالب بہت کم جدے میں رہا کرتا تھا وہ ہمیشہ وہابیوں کے خلاف بدو کو سازش کرتا رہتا تھا اسلئے اُسے ضرور تھا کہ کسی وسط کے مقام میں جیسے کہ مکہ ہے رہے۔ غالب کا جو طرز حکومت تھا ترکوں نے اُسے نہیں بدلا طوسون پاشا بہت کم اپنے مستقر پر رہتا تھا اسکے باپ محمد علی کو باب عالی سے حجازی جنگ اور اس ملک کے جملہ انتظامات کا اختیار کامل حاصل ہوگیا تھا اور گویا یہاں کے سفید و سیاہ کا مالک تھا وہ اس کو جہاں بھیجتا تھا یہ جاتا رہتا تھا۔ طوسون پاشا اپنے لشکر کے ساتھ فوجی کارروائیوں میں بہت ہوشیار ثابت ہوا تھا۔ اور فوجیں اپنے زیر کمان لئے ہوئے برابر دورے لگاتا رہتا تھا وہ ۱۸۱۵ء کے موسم خزاں میں قاہرہ واپس ہوا ۱۸۱۲ء سے ایک فوجی کمانڈر ہمیشہ شہر میں رہتا ہے جسکے تحت میں دو تین سو آدمی ہیں ان کو پاشا تیسرے چوتھے مہینے بدلتا رہتا ہے۔ جنگی وصول کرنا، ملکی انتظامات

قاہرہ و مکہ سے مراسلت ۔ فوج کی رسد ۔ سرکاری سامان اور پاشا کے خزانے کا جدہ و مکہ و قاہرہ پہنچانا سب اسی کمانڈر کے اختیار میں ہے اسکا نام سید علی وحقلی ہے اسکا باپ ایشیائے کوچک کا رہنے والا تھا اور جانثاری طبقہ اوجق سے تعلق رکھتا تھا اسی وجہ سے اسنے اپنا لقب اوحقلی رکھا ہے جدے کے سوداگر اسے حقارت سے دیکھتے ہیں ان کو یاد ہے کہ بیس برس پیشتر یہ جدے کی گلیوں میں چھالیا سپاری بیچا پھرتا تھا ۔ شریف غالب کے زمانے میں یہ اُسکے خانگی کاروبار تجارت کے لئے نوکر ہوا تھا اور چونکہ آدمی بہت ذہین اور چالاک ہے ۔ زبان ترکی کی اچھی معلومات بہم پہنچا کر محمد علی پاشا سے اڑت لگائی اور اس کو بھی موجودہ خدمت کیلئے اس شخص سے زیادہ کوئی موزوں نظر نہ آیا اس لئے اسی کا تقرر کر دیا۔

چنگی کے علاوہ عام آمدنی جو شہر میں محصول کی آتی ہے اُسے عشر کہتے ہیں ۔ قاعدہ کی رو سے جیسا کہ مجھ سے بیان کیا گیا درآمد پر دس فیصدی کے حساب سے ہونی چاہئے مگر بعض بعض مال پر کم و بیش بھی محصول لگا دیا جاتا ہے اور اور بیوپاریاں گالیاں دیتے پھرتے ہیں مگر اس کی پروا نہیں ہے ۔ گالیاں کھانے کی عادت ہو گئی ہے شریف کے زمانے میں قہوہ میں فی (قنطار) دس روپیہ محصول تھا جسکے حساب سے پندرہ بیس فیصدی پڑ جاتا ہے گرم مصالحہ پر دس فیصدی سے کچھ کم دینا پڑتا ہے ۔ ہندوستانی مال پر کسیقدر زیادہ ۔ محصول لگانے میں بہت بدنظمی ہے اور یا فسر کروڑگیری کی قدرت میں ہے کہ اپنے دوستوں کے ساتھ جیسی چاہے رعایت کردے اور لطف یہ کہ اُس پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ۔ لیکن اسکے کہنے سننے والا ہی نہیں ہے جب شریف نے وہابی مذہب اختیار کر لیا تھا تو اُس کی چنگی کی آمدنی میں بہت کمی ہو گئی تھی وہابیوں کے حاکم سعود نے اس بات پر اُسے مجبور کر دیا تھا کہ وہابیوں کا مال بلا محصول چھوڑ دیا جایا کرے اور اس وجہ سے قہوے کی تجارت کا بڑا حصہ محصول سے بچ جاتا تھا۔

ایک معتبر شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ سنہ ۱۸۱۴ء میں جدے میں چنگی کی آمدنی چار لاکھ ڈالر (آٹھ لاکھ روپیہ) ہوئی تھی ۔ جسکی چالیس لاکھ پیاسٹر ہوئیں ۔ گویا اسکی بدولت سالانہ چالیس لاکھ ڈالر کا مال شہر میں آتا ہے ۔

جدے کے دونوں دروازوں پر یعنے باب المکہ و باب المدینہ پر ایک ہی شرح سے چنگی لگائیجاتی ہے یہ اُس سامان کا ذکر ہے جو اندرون ملک سے آتا ہے مثلاً مویشی ۔ گھی ۔ کھجور ۔ روغنیات ۔ اسکے علاوہ شہر والے اور کوئی محصول ادا نہیں کرتے ۔

میرے قیام کے زمانہ میں ترکوں نے جدے کو اپنی فوج کی خاص چھاؤنی بنا رکھا تھا ۔ یہاں پاشا کا ایک بڑا میگزین تھا اسمیں ہر روز سے مصر سے غلہ لالا کر بھرتے تھے اور یہاں سے قافلہ کیساتھ مکہ و طائف کو بھیجا جاتا تھا

جدّے سے طائف تک

۲۴ر اگست ۱۹۱۶ء یعنے ۱۱ر رمضان ۱۳۳۴ھ کو میں رات کے وقت معہ اپنے رہنما کے جدے سے طائف روانہ ہوا۔ ہمارے ساتھ بنی حرب کے بیس ساربان بھی تھے جو پاشا کا خزانہ مکے لئے جارہے تھے۔ شہر سے نکلنے کے بعد سڑک ریت کے ٹیلوں کے بیچ میں سے جاتی ہے یہاں بڑا قبرستان بھی ہے اِسے طے کرتے ہوئے ہم ایک نہایت ہی ریتیلے بنجر میدان میں سے ہوکر گزرے۔ مشرق کیطرف کسیقدر بلندی تھی یہاں درختوں کا نام بھی نہیں ہے۔ نمک کی وجہ سے یہ زمین ناقابل زراعت ہے۔ یہ مقام شہر سے کوئی کوس بھر ہے۔ تین گھنٹے چلنے کے

بیر رغامہ بعد ہم ایک پہاڑی حصے میں پہنچے۔ یہاں ایک کنوئے کے پاس جسکا نام رغامہ ہے ایک قہوہ خانہ کی جھونپڑی دکھائی دی ہم ان پہاڑیوں میں سے نکلکر ایک چوڑی وادی میں چلتے رہے۔ یہاں کی زمین کچھ ریتلی اور

بیر بیاضیہ کچھ پتھریلی تھی آخر ساڑھے پانچ گھنٹے کے بعد ایک کنوئے پر جسکا نام بیاضیہ تھا اور جہاں قہوہ خانہ بھی تھا دم لینے کے لئے ہم ٹھہرے۔ ان تمام کنوؤں کا پانی اچھا نہیں ہے یہاں سے ہم ڈیڑھ گھنٹے میں

فرانیہ منزل فرانیہ پہنچے۔ ابتک چلتے ہوئے ہم کو کل سات گھنٹے گذرے تھے۔ یہاں ہم کو حاجیوں کا ایک قافلہ ملا جو فوج کی رسد اور سامان کیساتھ بطور محافظ جارہا تھا۔ ان لوگوں نے ہم سے قبل شام کو جانا چھوڑا تھا۔ یہاں کے قہوہ خانے بہت ہی ذلیل جھونپڑیاں ہیں انکی آدھی آدھی دیواریں ٹوٹی ہوئی ہیں اور پھوس کے چھپر پڑے ہیں۔ انہیں قہوے اور پانی کے سوا اور کچھ نہیں ملتا کہتے ہیں کہ پیشتر اس سڑک پر بارہ قہوہ خانے تھے جن میں مکہ وجدہ کے درمیان آنے جانے والے حاجیوں کو کھانے پینے کا کچھ سامان ملجاتا تھا۔ لیکن اب چونکہ سفر عموماً اونٹوں پر کیا جاتا ہے اور ترک جب تک کہ لے دے دو نہ مچے کسی چیز کی قیمت ہنسی خوشی سے ادا نہیں کرتے اسلئے بہت سے قہوہ خانے خالی پڑے ہیں اب قہوہ خانے جو رہگئے ہیں وہ

موضع فرانیہ قبیلہ لحیان کے ہیں جن کے قبائل بدوی ہیں اور اپنی مویشی کے ساتھ پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ فرانیہ سے وادی چوڑی ہوگئی ہے اور دونوں طرف کی پہاڑیاں زیادہ بلند ہوتی جاتی ہیں آٹھ گھنٹے کے بعد

موضع بحرہ دن نکلے ہم بحرہ پہونچے یہاں کوئی بیس جھونپڑیاں ہونگی اس گاؤں کے کنوؤں میں پانی بہت ہے بعض کا

میٹھا اور بعض کا کھاری ہے یہاں کا بازار آٹھ دس دکانوں کی ایک قطار ہے جنہیں چاول گھی قہوہ کھجور اور پیاز وغیرہ بکتی ہے ۔ بازار کو عرب **سوق** کہتے ہیں اور اس کو ہندستانی سلسلے میں اس قسم کی سہولتیں تک ملتی ہیں رستے کی حفاظت کے لئے کچھ ترکی سوار بھی یہاں پڑے ہوئے تھے ۔ یہاں سے چلکر دو گھنٹے بعد ہم **جدہ** میں ٹھیرے گویا **جدے** سے یہانتک دس گھنٹے میں آئے یہاں بھی ویسا ہی بازار ... جب موضع جدہ
بحرہ میں تھا۔ **جدہ** اور **بحرہ** کے درمیان ایک پہاڑی پر کسی پرانے قلعے کے کھنڈر دکھائی دیتے ہیں

۲۵ اگست ۱۹۱۰ء ۔ **جدے** سے جو کاروان **مکے** جاتا ہے وہ **بحرہ** یا **جدہ** میں قیام کرتا ہے اور اسطرح گویا **حجازی** عربوں کے طریقہ پر صرف رات کو ہی سفر کرتا ہے ۔ جاڑے گرمی دونوں موسموں میں رات کو ہی چلتے ہیں کچھ گرمی کے خیال سے نہیں بلکہ اونٹوں کو آرام دینے کے لئے کیونکہ یہ جانور رات کو کبھی نہیں کھاتا۔ دن میں چر لیتا ہے ۔ ایسا سفر محقق سیاح کو بہت ہی ناگوار گزرتا ہے رات کو تو کچھ نظر نہیں آتا اور دن میں رات بھر کی جگار اور تکان پست کر دیتی ہے کسی چیز کو دیکھنے دکھانے اور چلنے پھرنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی اور سوائے سونے کے اور کچھ نہیں سوجھتا۔

جدے میں ہم ایک قہوہ خانے کی چھپر میں ٹھیرے ۔ یہاں **مکے** کے جانے آنیوالے کچھ ترک و عرب بھی چھوٹی چھوٹی شطرنجیوں پر پڑے سستا رہے تھے **طائف** کے میوہ فروش یہاں اسوقت کچھ انگور لائے تھے اور اگرچہ بخار کی وجہ سے کمزوری کا اثر مجھ میں ابھی تک باقی تھا مگر بغیر کھائے مجھ سے رہا نہ گیا جوں ہی کہ ٹوکرا کھلا سب اسپر ٹوٹ پڑے اور ایک دم میں چٹ کر گئے مگر انگور والے کو آخر میں قیمت دیدی جیسا کہ کے حاجی یہاں **جدہ** سے احرام باندھ لیتے ہیں شرع اسلام کی رو سے ہر مسلمان پر خواہ وہ کسی مرتبہ کا ہو واجب ہے کہ وہ چاہے حج کے ارادہ سے یا کسی اور کام کے لئے **مکہ** کی حد میں داخل ہو تو احرام باندھ لے اور جب تک بیت اللہ شریف کی زیارت نہ کرے نہ کھولے اگرچہ بہت سے آدمی اسکی پابندی نہیں کرتے لیکن پکے مسلمان **جدے** سے بغیر احرام لئے ہوئے کبھی نہیں نکلتے اور پھر اس جگہ احرام باندھ لیتے ہیں سہ پہر کو کئی ترک سپاہیوں نے بھی جو یہاں تھے احرام باندھے اور لبیک پکارنا شروع کیا تیسرے پہر کو قہوہ خانے والے نے میرا کھانا تیار کر دیا میں اپنے ساتھ **جدے** سے غذا کا سامان لیکر چلا تھا ۔ یہاں بڑی گڑبڑ تھی اس وجہ سے کوئی سو بھی نہ سکتا تھا ہمارے یہاں پہنچنے کے کچھ دیر بعد سپاہیوں کا ایک دستہ ادہر سے گزرا اور میدان میں ڈیرے ڈالے پھر قہوہ خانے میں آئے ادہر ہمارا تمام میٹھا پانی جو ڈیڑھ گھنٹہ چلکر بڑی مشکل کے بعد

ہم نے ایک کنوئیں سے لا کر گھڑے میں رکھا تھا لیکر چلتے بنے۔ اس گاؤں میں چند مصیبت زدہ باشندوں کی
پھوس کی جھونپڑیاں، چھپر اور رتیلی شکل کی بنی ہوئی ہیں اپنا اکثر فوج والوں کا گزر ہوتا رہتا ہے ان جھونپڑیوں
میں روشنی صرف دروازے ہی میں سے پہنچتی ہے اور انہیں گھر کا گھر ایک ہی جگہ گڈ مڈ رہتا ہے۔ قہوہ خانوں
میں اکثر بڑے بڑے چھپر ہوتے ہیں جو بانسوں پر ڈالدئے جاتے ہیں اور ان کے ایک کونے میں قہوہ فروش
کا چولھا بھی رہتا ہے۔ یہاں کے قہوہ خانوں میں چوہوں کی بڑی کثرت ہے اور ایسے ڈھیٹ چوہے بھی میں نے
کہیں کے نہ دیکھے۔

شام کے پانچ بجے ہم حداء سے روانہ ہوئے۔ سڑک اسی ریتیلے میدان میں ہو کر جا رہی ہے اس میں کہیں کہیں مٹی
بھی ملی ہوئی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر یہاں کنوئیں کھود دے جائیں تو اس زمین میں اچھی طرح زراعت ہو سکتی ہے
حداء سے چلنے کے ایک گھنٹہ بعد میدان کے بائیں جانب کھجور کے کچھ درخت نظر پڑے میں نے سمجھا کہ یہاں شاید
کوئی نالہ بہتا ہے جس سے کسی زمانے میں کھیتوں کو پانی پہنچتا ہوگا۔ یہ درخت آجکل کسمپرسی کی حالت میں ہیں۔
اب میدان چھوڑ دیا اور ہمارے شرقی رستے سے جنوب کیطرف چلنے لگے اور پھر پہاڑی زمین میں داخل ہوئے حداء
سے چلنے کے دو گھنٹے بعد ایک قہوہ خانہ پر پہونچے جسے شمیسہ کہتے ہیں اسکے پیچھے جبل شمیسہ یا کوہ شمیسہ
ہے مکے کے بعض مورخوں کا بیان ہے کہ بیت اللہ کے ستونوں کے لئے اسی پہاڑ سے سنگ مرمر لیا گیا تھا
قہوہ خانے کی جھونپڑی کے نزدیک پہاڑ میں ایک کنواں ہے یہاں ہم ایک قافلہ سے ملے جو مکے سے آرہا تھا
شمیسہ سے ہم ایک چوڑی گھاٹی میں ہو کر چلے اسمیں بڑی گہری ریت تھی اور کہیں کہیں خاردار درخت بھی
تھے۔ حداء سے چار گھنٹے کے بعد ہم قہوۃ السالم یعنی سالم کے قہوہ خانے میں پہنچے یہاں ایک کنواں
بھی ہے اس جگہ پہاڑوں میں صرف ایک تنگ سیدھی وادی رہگئی ہے جسمیں جابجا اور بھی وادیاں ملتی ہیں۔

جمیلہ ہم پھر جمیلہ تک چلتے رہے یہاں ایک بڑا کنواں ہے اور قہوہ خانہ بھی ہے حداء سے یہ سات گھنٹہ کا رستہ
ہے جب سے میں نے جدہ چھوڑا تھا مجھے ایک منٹ کو بھی سونا نصیب نہیں ہوا تھا اس لئے میں تو ریت پر پڑ گیا اور
میرے ساتھی مکے کی طرف چلتے رہے البتہ میرا رہنما میرے ساتھ رہا لیکن اپنے اونٹوں کی حفاظت کے خیال سے
اسکی ذرا جھپکی نہ لگی۔ جدہ و مکہ کی سڑک پر اکثر چور چکار پھرتے رہتے ہیں اور جب کسی کو اکا دکا
مسافر ملجاتا ہے تو آسانی سے لوٹ لیتے ہیں جمیلہ کے نزدیک ایک پرانے گاؤں کے کھنڈر ہیں یہ پتھر کے ہیں
اور وادی میں کھیت کیاری کے آثار پائے جاتے ہیں۔

۲۶ اگست ۱۸۱۴ء - جمیلہ سے آدھ گھنٹے تک چلنے کے بعد ہم ایک نخلستان میں پہنچے جسکے گرد چار دیواری بنی ہوئی تھی - یہاں سے مکے کی سڑک سیدھی طرف رہجاتی ہے اور محلہ جرول میں ہو کر مکے میں داخل ہوتے ہیں میرے رہنما کو ہدایت تھی کہ وہ مجھے بالا بالا اس سڑک سے طائف لیجائے جو مکے کے شمال سے گزرتی ہے جسکے آگے پر اسکی کئی شاخیں ہوجاتی ہیں اور مکے سے جو سڑک وادی فاطمہ کو جاتی ہے وہ اُس بڑی سڑک سے ملجاتی ہے جو مکہ سے وادی منیٰ کے آگے سے ہوتی ہوئی طائف جاتی ہے۔

میرا رہنما مجھے کچھ زائد نہ جانتا تھا - اسکو صرف اتنا معلوم تھا کہ طائف میں پاشا سے مجھے کچھ کام ہے اور ظاہری حالت میری مسلمان حاجیوں کی سی تھی اس نے راستے میں مجھ سے پوچھا کہ شمالی سڑک سے تم کو طائف لیجانے کا کیا سبب ہے میں نے جواب دیا دوسرے رستے سے یہ سڑک شاید چھوٹی ہے اُسنے کہا نہیں مکے کی سڑک ہی سب سے چھوٹی ہے .... اور بہت محفوظ ہے، اگر تم کو کوئی عذر نہ ہو تو ہم اُسی رستے سے چلیں میں نے کہا بہت خوب یہی بات میں چاہتا تھا لیکن میں نے یہ ظاہر ہونے نہ دیا کہ اس بارہ میں مجھے کوئی خاص دلچسپی ہے چنانچہ ہم دوسرے مسافروں کے ساتھ ساتھ بڑی سڑک پر چلنے لگے مگر بجائے معمولی راستے سے لیجانے کے جسمیں سارے شہر کے لمبان سے ہو کر گزرنا پڑتا وہ مجھے انجان طور پر ایک چھوٹے رستے سے نکال لیگیا اور اسطرح مجھے اسوقت مکے کی ایک جھلک دیکھنی بھی نصیب نہ ہوئی۔

میدان شیخ محمود

جمیلہ کے آگے والے نخلستان سے آدھ گھنٹے میں ہم میدان شیخ محمود میں پہنچے یہاں عموماً شامی قافلے ڈیرہ ڈالتا ہے شیخ محمود کسی بزرگ کی قبر میدان کے بیچ میں واقع ہے یہ مقام تین میل لمبا اور ایک میل چوڑا ہے اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے - وادی مکہ اور اس میدان کے درمیان ایک تنگ پہاڑی سلسلہ حد فاصل ہے جسپر سے ان چٹانوں کو کاٹ کر راستہ بنایا ہے - اس سڑک سے ہم چڑھتے چلے گئے اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر دو میناروں کے پاس سے گزرے یہ پولیس کے ناکے ہیں جو شریف غالب نے نگرانی کے لئے سڑک کے دونوں سروں پر بنوائے تھے۔

جب ہم پہاڑی کے دوسری جانب اُترے تو ہم کو کنکر کی پختہ سڑک ملی اور یہاں سے ہم کو مکے کا منظر دکھائی دینے لگا اور جمیلہ سے ڈیڑھ گھنٹہ چلنے کے بعد ہم مکے کے مشرقی حصہ میں داخل ہوگئے - جہاں شریف کا محل ہے شہر مکہ کا بڑا حصہ ہماری سیدھی طرف رہگیا اور وہ وادی کے گھماؤ اور پیچ میں چھپا رہا چونکہ میں جانتا تھا کہ آخر میں مکے جاؤنگا ہی اسلئے میں نے اپنے دلیل کو زیادہ مجبور نہ کیا کہ اسی وقت مجھے مکہ دکھادے کیونکہ اسکے لئے

پھر لوٹ کر کوئی کوس بھر الٹا چلنا پڑتا اسلیئے میں نے اپنے دل کی بات دل ہی میں رہنے دی اور وہ دعائیں پڑھنی شروع کیں جو داخلۂ مکہ کے وقت پڑھتے ہیں۔ اسکے بعد میں نے کئی مرتبہ جدہ و مکہ کے درمیان دونوں رستوں سے سفر کیا۔ کاروان کے چلنے کی رفتار بہت ہی سست ہے گھنٹے بھر میں کوئی کوس بھر چلتا ہوگا مکے سے جدہ میں گدھے پر تیرہ گھنٹے میں طے کرچکا ہوں تخمیناً سولہ سترہ گھنٹے کا رستہ ہے اور فاصلہ کوئی ساڑھے ستائیس کوس ہوگا۔ سمت جنوب و مشرق کیطرف کسیقدر مائل ہے۔ الٹے ہاتھ کیطرف مڑکر ہم شریف کی بڑی بارگ سے گزرے اور بیرون شہر کے محلہ المعابدہ میں ایک غریب کے مکان میں اترے جو ہمارے دلیل کے ملاقاتی کا تھا اگرچہ یہ رمضان کا مہینہ تھا مگر مسافروں کو روزے کی معافی ہے۔ مالک مکان کہیں گیا ہوا تھا اسکی بیوی نے ہمارے لیئے کھانا پکا دیا۔ اسکی قیمت ہمنے دیدی اور سہ پہر تک اس کے مکان میں ٹھیرے۔ پھر اونٹوں پر سوار ہوئے اور شریف کے باغ کی طرف مڑکر وادئ منیٰ کی شاہراہ پر ہو لیئے اس رستے میں پتھریلی وادیاں کہیں چوڑی کہیں تنگ ریت سے ڈھکی ہوئی ملتی ہیں جن میں ہریالی کا نام نہیں ہے اور دونوں طرف خشک پہاڑیاں کھڑی ہیں۔

شریف کے باغ سے آدھے گھنٹے تک چلنے کے بعد شہر بائیں طرف سے نظر آنے لگتا ہے۔ یہاں وہ نہر بھی جاری ہے جس سے مکے کو میٹھا پانی پہنچتا ہے۔

یہاں سے کوس بھر کے فاصلے پر ہم نے ایک مخروطی پہاڑ دیکھا جسکا نام جبل نور ہے حجاج اس کو متبرک سمجھتے ہیں۔ اسکا ذکر علیحدہ اپنے موقعہ سے آئیگا ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ہم سیدھی جانب ایک بڑے سنگین حوض پر سے گزرے حجاج اس کو حج کے زمانے میں اس نہر کے پانی سے بھر دیتے ہیں جو اس کے پاس سے بہتی ہے مجھے یاد پڑتا ہے کہ اسکا نام سبیل الست ہے مکہ و منیٰ کے درمیاں ایک وادی کا نام محسب ہے

سبیل الست
وادی محسب

الفصیح مورخ مکہ کا بیان ہے کہ سابق میں مکہ و منیٰ کے درمیان سولہ کنوے تھے۔ دو گھنٹے کے بعد ہم ایک کنکریلے میدان میں پہنچکر جو کوئی چالیس گز چوڑا ہوگا وادئ منیٰ میں داخل ہوگئے۔ میدان میں اونچی سڑک کے قریب ہمنے ایک چھوٹا سا کھیت دیکھا جو ایک کھاری کنوے سے سینچا جاتا تھا اور چند مفلس بدوؤں نے مکے میں بیچنے کے لیئے پیاز اور لہسن اس میں بویا تھا۔ وادئ منیٰ کی مفصل کیفیت میں بعد میں لکھونگا منیٰ کے ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں سے ہم اپنا رستہ چلتے رہے اور اس چھوٹے ستون کے پاس سے جہاں حاجی کنکر پھینکتے ہیں اور شریف کے محل سے گزرتے ہوئے اس کھلے میدان میں پہنچے جو مزدلفہ تک چلا گیا ہے

مکے سے مزدلفہ تک پونے چار گھنٹے کا رستہ ہے مزدلفہ ایک چھوٹی مسجد کا نام ہے جو آجکل بالکل شکستہ ہے اسکے قریب ایک تالاب یا حوض ہے یہاں مسجد سامنے ایک بڑے چبوترے پر عرفات سے واپس پہنچ کر خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ فصیح کا بیان ہے کہ یہ مسجد ۹۵۹ھ ہجری میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس کو اکثر مشعر الحرام بھی کہتے ہیں۔ لیکن اسی مورخ کا یہ بھی بیان ہے کہ یہ نام ایک چھوٹی پہاڑی کا ہے جو وادی مزدلفہ کی سرحد پر ہے اور جس کو القزح بھی کہتے ہیں۔ مشعر الحرام

وادی قزح

مزدلفہ سے دو سڑکیں عرفات جاتی ہیں ایک بائیں جانب سے جسے ذنب کہتے ہیں دوسری سیدھی پہاڑوں میں سے جاتی ہے جس کو معزومین یا المضیق کہتے ہیں اسمیں آدھ گھنٹے تک پہاڑوں میں چلنا پڑتا ہے پھر میدان عرفات نظر آنے لگتا ہے۔

پونے چار گھنٹے کے بعد ہم اس میدان میں گزرے یہاں ایک سنگین حوض ہے جسے بیر بصان کہتے ہیں اور یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ یہاں سے شمال و جنوب کیطرف شہر کھلا ہوا نظر آنے لگتا ہے۔ مشرق کیطرف دیکھو تو طائف[1] کے پہاڑ پورے کے پورے نظر آتے ہیں۔ پانچ گھنٹے کے بعد ہم العالمین پہنچے۔ یہ دو سنگین عمارتیں ہیں۔ ایک سڑک کے ادہر ایک اُودھر۔ حاجیوں کو عرفات سے واپسی کے وقت انکے بیچ میں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ انکی ساخت بالکل بھدی ہے اوپر سے چونا پھیر دیا ہے۔ انکی شکل ہے 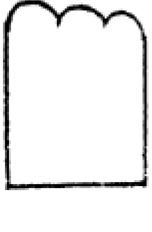 فصیح کا بیان ہے کہ یہ تین تھے ۸۱۶ھ میں بنائے گئے تھے ایک گر گیا۔ ان دونوں میں بھی ایک کا آدھا حصہ بالکل ٹوٹ گیا ہے۔ بیر ... العلمین

سوا پانچ گھنٹے کے بعد ہم جامع نمرہ پر پہنچے۔ یہ بڑی مسجد ہے مگر آجکل بربادی کی حالت میں ہے یہ رستے سے دور سیدھی جانب بنی ہوئی ہے اسے جامع ابراھیم بھی کہتے ہیں اسکی موجودہ عمارت سلطان خلیل بے کی بنوائی ہوئی ہے۔ عرفات کا نیچا پہاڑ اب میدان کے سرے پر ہم سے کوئی دو میل رہگیا ہم بغیر ٹھیرے اس میدان میں چلتے رہے۔ یہاں اونچی اونچی جھاڑیاں اور چھوٹے چھوٹے ببول کے درخت کثرت سے ہیں۔ چونکہ یہ زمین متقدس ہے اسلئے ان درختوں کی پتیاں توڑنا منع ہے۔ میدان کی مشرقی حد ختم کرنے کے بعد پونے چھ گھنٹے میں ہم مکے کی نہر پر پہنچے یہ پہاڑی زمین سے نکلی ہے۔ اسکے قریب

---

[1] طائف سے مکہ لوٹتے وقت جب میں گھنٹے بندوں آرہا تھا تو میں نے راستہ کے متعلق اچھے مفصل نوٹ لکھے تھے مگر وہ کاغذ گم ہو گیا اور اب جو کچھ لکھا ہے وہ حافظہ سے یا مختصر نوٹ سے جو طائف جاتے وقت کر لیے تھے ۱۲

ایک چھوٹا سا تالاب ہے جسکے آس پاس عربوں کی جھونپڑیاں ہیں جیسے کہ حدا میں تھیں اس کا نام قہوۃ العرفات یعنے عرفات کا قہوہ خانہ ہے۔ یہاں خصوصاً بنی قریش آباد ہیں۔ اور یہ لوگ اس وادی میں ترکاریاں بوتے ہیں جو یہاں سے جنوب تک چلی گئی ہے۔ ہم یہاں چند گھنٹے ٹھیرے اُسی وقت طائف سے بھی ایک قافلہ گدہے اور خچروں کا یہاں آیا۔ قہوۂ عرفات سے سڑک پتھریلی شروع ہوجاتی ہے اور پہاڑ بھی بہت نزدیک ہوجاتے ہیں۔ اس وادی میں ہر طرف سے سڑکیں آکر ملتی ہیں یہاں ببول کی کثرت ہے قہوۃ العرفات

ساڑھے سات گھنٹے میں ہم وادی نعمان کے ریتیلے میدان میں داخل ہوئے۔ یہاں دکھن کے رخ کچھ کنوئے اور کچھ کھیت ہیں۔ قبیلہ کیاکب و قبیلہ رکیشیہ زراعت کرتے ہیں ساڑھے آٹھ گھنٹے بعد قبیلہ حفیل کے بدویوں کے ڈیروں سے گذرے یہاں کتوں نے ایسی بری طرح اونٹوں پر حملہ کیا کہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی حالانکہ میں اونٹ پر تھا۔ پونے نو گھنٹے میں ہم مقام شدّاد پر پہنچے یہاں چند جھونپڑیوں کا ایک جھنڈ اور کچھ دوکانیں قہوے کی ہیں۔ یہاں کے کنوؤں کا پانی بہت عمدہ ہے۔ ساڑھے نو گھنٹے بعد رات ہوگئی۔ ابر آگیا اور ایسی اندھیری چھائی کہ وادی کے بیچوں میں ہم اپنا راستہ بھول گئے اور آخر تھک کر ریت پر پڑ گئے اور صبح تک سوتے رہے۔ وادی نعمان شداد

۲۴ر اگست ۱۸۱۴ء۔ سویرے ہم نے اپنے تئیں سڑک کے نزدیک ہی پایا اور چلکر ہم چڑھتے ہوئے بڑے پہاڑی سلسلہ پر پہنچے۔ جدا سے یہاں تک ہمارا راستہ اگرچہ پہاڑیوں میں ہوکر تھا لیکن متواتر چھوٹی وادیاں ہم کو طے کرنی پڑتی تھیں۔ جہاں کہیں بلندی بھی آئی تو ایسی نامعلوم کہ مسافر کو مشکل سے خبر ہو۔ اسکی کیفیت ہمیں سامنے والے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے سے معلوم ہوئی۔ یہاں کی چھوٹی پہاڑیاں شاذ و نادر ہی چار سو یا پانسو فیٹ سے زیادہ بلند ہیں۔ مکے میں مجھے معلوم ہوا کہ جدا کے جنوب میں چند گھنٹے کی راہ پر ایک پہاڑ ہے جسمیں سے سفید سنگ مرمر نکلتا ہے اور بیت اللہ کے فرش میں وہی لگایا گیا ہے۔ وادی مِنے کے پہاڑ سرخ بھورے رنگ کے پتھروں کے ہیں اور وہاں سے اس بلند سلسلہ تک وہی رنگ چلا آیا ہے۔ نیچا سلسلہ جس پر ہم چڑھ رہے تھے بھورے سنگ خارا کا ہے۔ تھوڑی دیر میں سڑک پر سے ہم بلندی پر چڑھے۔ یہ راستہ پہلے راستے سے بھی زیادہ خراب ہے۔ اگرچہ حال میں محمد علی پاشا نے اسکی مرمت کرائی ہے مگر اس کے آس پاس کی زمین بالکل ویران ہے اور پتھر کے بڑے بڑے ڈلوں سے جو جاڑوں کے سیل سے بہکر آگئے ہیں بھری پڑی ہے۔ ادھر ادھر جنگلی جھاڑیاں بھی نظر آجاتی ہیں۔

گھنٹے بھر بعد ہم ایک عمارت پر پہنچے۔ یہ چُھس پھُسے نرم پتھر کی بنی ہوئی ہے اسے **قبر الرفیق** کہتے ہیں قبر الرفیق
یعنے ساتھی کی قبر۔ اسکی نسبت میرے دلیل نے یہ حکایت بیان کی کہ گزشتہ صدی میں ایک بدوی حج سے
واپس ہو رہا تھا مکے کے دروازے کے پاس اُسے ایک شخص ملا جو اُسی طرف جا رہا تھا اور وہ اسکے ساتھ ہو لیا
دونوں چلا چل اُس مقام پر پہنچے۔ یہاں ایک آدمی ایسا بیمار ہو گیا کہ آگے چلنے کی تاب نہ رہی اور دوسرے دن
اُسکے چیچک نکل آئی۔ ایسی حالت میں اُس کو چھوڑ کر اُسکے ساتھی نے چلدینا مناسب نہ سمجھا آخر اُس نے
جنگلی جھاڑیوں کی شاخوں سے یہاں دو جھونپڑیاں بنائیں ایک میں خود رہنے لگا ایک میں اپنے بیمار ساتھی کو
رکھا۔ ہر طرح اُسکی بیمارداری کرتا اور آتے جاتے مسافروں سے بھیک مانگ کر اُسکی دوا درمن کرتا یہاں تک
کہ وہ اچھا ہو گیا لیکن اب یہ خود بیمار پڑ گیا اور اسکے بھی چیچک نکل آئی اب دوسرے نے ویسی ہی ہمدردی
کے ساتھ اسکی خبر گیری کی مگر یہ اچھا نہ ہوا اور وہیں مر گیا۔ اسکے ساتھی نے اس جگہ اُسے دفن کر دیا اسکی
قبر یہاں بدویوں کی ہمدردی کی ایک یادگار ہے اور مسافروں کو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہمدردی
کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

قہوۃ القری ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہم **قہوۃ القری** میں پہنچے یہاں پہاڑوں میں ایک بڑا چشمہ بہہ رہا تھا اور اسکے کنارے چند
جبل قریٰ جھونپڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس جگہ کا نام ان پہاڑوں کی وجہ سے مشہور ہے جن کو **جبل قریٰ** کہتے ہیں
میں نے یہاں ایک ترک سپاہی دیکھا اسکے سپرد پاشا کی اُس فوج کی جو پہاڑ پر مقیم ہے رسد تھی۔ چونکہ مکے سے
طائف کی یہ سب سے چھوٹی سڑک ہے اسلئے ہر وقت یہاں قافلوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اس جگہ اونٹوں
پر سے بوجھ اتار کر اکٹھا کر دیتے ہیں اور گدھے خچروں کے ذریعہ سے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچاتے ہیں۔ اسی کام کے لئے
یہاں کوئی دو سو گدھے خچر رکھے جاتے ہیں۔ طائف کو سامان لیجانے کے لئے اونٹ پہاڑ پر تیار رکھے جاتے ہیں
شمال کی طرف سے جو سڑک طائف کو جاتی ہے اور جسکا ذکر میں بعد میں کرونگا اُسپر اونٹ چل سکتے ہیں
لیکن اُدھر سے پہنچنے میں ایک دن زیادہ لگتا ہے۔

قریٰ کی جھونپڑیاں پہاڑ کے ڈھال پر چٹانوں کے بیچ میں ہیں۔ یہاں مشکل سے ہی مسطح زمین نظر آتی ہے
یہاں کے باشندے حضیل بدوی ہیں۔ ان جھونپڑیوں میں سوائے قہوے اور پانی کے اور کچھ نہیں ملتا۔
حال میں یہاں کے ترکی سپاہیوں نے قبیلہ حضیل کی کسی عورت کا اونٹ چرا کر بیچ دیا تھا اُس نے پاشا سے جا کر
شکایت کی جس پر وہ سپاہیوں سے بہت ناراض ہوا۔ ایک سپاہی نے جب سنا کہ میں پاشا سے ملنے جا رہا ہوں

وہ میرے ساتھ بڑی خاطر سے پیش آیا اور میری خوشامد کی کہ پاشا سے میری سفارش کردوں مگر میں کانوں پر ہاتھ رکھ گیا کہ میں خود اسکے پاس اپنی غرض لیکر جا رہا ہوں ۔ اس پرلطف مقام پر ہم دوپہر تک رہے ۔ یہاں سے نشیب کی جانب ہم کو اور بھی آرام ملا ۔ وہاں چشمے کے کنارے ایک بڑا گھنا درخت تھا اس نے سائے سے ہماری تواضع کی اور ٹھنڈی ٹھنڈی مزیدار ہوانے جلد ہی سے یہانتک کی سب گرمی رفع کردی ۔ قریحا سے روانہ ہوکر ہم کو سڑک بہت ہی ڈھالو ملی اور اگرچہ حال میں ہی اُس کی مرمت ہو چکی تھی مگر پھر بھی اس قدر خراب تھی کہ سوار مسافر نیچے اترے ہوئے مشکل چوٹی تک پہنچ سکتا ہے حالانکہ بعض بعض جگہ سیڑھیاں کاٹ دی گئی ہیں اور چوٹی تک کوئی گھماؤ دیکر بلندی کا ڈھال بھی گھٹا دیا گیا ہے ۔ پہاڑ کے دامن میں چھ جگہ ٹھیرنے کے لئے بنادی گئی ہیں جہاں قافلے دم لیتے ہیں یہاں کہیں آٹھ فیٹ زمین بھی ہموار نہیں ہے وہی ایک چشمہ جو چوٹی سے نیچے آتا ہے ۔ رستے میں کئی جگہ اس کو عبور کرنا پڑتا ہے ۔ یہاں سڑک نزدیک تھی اور قبیلہ حفیل کے چند بدوی معہ اپنے بال بچوں کے پڑے تھے اور انکی بھیڑ بکریاں چر رہی تھیں ۔ ان میں سے ایک نے مجھے تھوڑا سا دودھ بھی دیا لیکن مجھ سے قیمت کچھ نہ لی ۔ بدویوں میں دودھ کا بیچنا بہت ہی برا سمجھا جاتا ہے ۔ اگر یہ لوگ دودھ بیچیں تو خوب فائدہ ہو سکتا ہے کیونکہ مکے میں آدھ سیر دودھ پانچ پیسے آنے میں آتا ہے ۔ یہ لوگ خالص پہاڑی قوم معلوم ہوتے ہیں اور اگرچہ بظاہر بہت ہی مفلس قلاش ہیں لیکن بمقابلہ شمالی بدویوں کے بہت ہی پر گوشت اور مضبوط نظر آتے ہیں ۔ جو غالباً یہاں کی عمدہ آب و ہوا کی وجہ ہے ۔ بنی حفیل عرب کی قدیمی تاریخ میں بڑا نام پیدا کر چکے ہیں ۔ کہنے کو یہ شریف کی رعایا ہیں کیونکہ اُنکی عملداری میں رہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ خودمختار اور اکثر اس سے لڑتے جھگڑتے ہی رہتے ہیں ۔

قہوہ خانے سے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے میں ہم کو کامل دو گھنٹے لگے ۔ وہاں سے ہم کو نشیبی حصہ کا اچھا منظر دکھائی دینے لگا یہاں سے وادی منٰی ہم کو صاف نظر آتی تھی لیکن وادی مکہ کی کچھ تمیز نہ ہوسکی اور جہاں تک نظر کام کرتی تھی پہاڑیوں کا بیحد سلسلہ ایک ہموار سطح پر نظر آتا تھا اور ان کے بیچ میں پتلی پتلی سفید دھجیاں ریت کی دکھائی دیتی تھیں مگر سبزی کا کہیں نام و نشان نہ تھا ۔

نقب الاحمر

ہمارے دائیں جانب تھوڑے فاصلے پر کوہ قریحا کی ایک چوٹی نظر آرہی ہے اس کو نقب الاحمر کہتے ہیں اس جگہ سے جہاں ہم کھڑے ہیں چار یا پانسو فیٹ بلند ہے اور آس پاس کی تمام پہاڑیوں سے زیادہ اونچی ہے یہ پہاڑ شمال کیجانب کوئی تین میل کے فاصلے پر بلندی میں بہت گھٹ گیا ہے لیکن جنوب کی طرف اسی قدر

راس القریٰ

بلندی اس پہاڑ کی چوٹی سے آدھ گھنٹے تک چلنے کے بعد ہم ایک گاؤں میں پہنچے جسے راس القریٰ کہتے ہیں
چونکہ میں بہت تھک گیا تھا میں نے چاہا کہ یہاں ذرا سو رہوں مگر میرے رہنما نے کہا کہ بھائی مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ
جہانتک ممکن ہو جلد آپ کو پاشا کے پاس پہنچوں۔

۲۰ اگسٹ۔ یہ گاؤں اور راس القریٰ کی گرد و نواح حجاز میں سب سے زیادہ خوشنما و دلکش مقام ہے۔
جب سے میں کوہ لبنان سے چلکر ملک شام میں پہنچا تھا اسوقت سے ابتک ایسی قابل تصویر اور پر فضا جگہ میرے
دیکھنے میں نہ آئی تھی جبل قریٰ کی چوٹی چپٹی ہے لیکن بڑے بڑے ٹول سنگ خارا کے اس پر پھیلے ہوئے
ہیں جنکا رنگ تابش آفتاب سے سیاہ ہو گیا ہے۔ اس چوٹی سے کئی چھوٹی چھوٹی ندیاں نیچے کے میدان کو
شاداب کرتی ہوئی بہتی ہیں جو پہاڑوں کے بیچ میں ہرے بھرے سایہ دار درختوں سے بھرا پڑا ہے۔ جو لوگ
حجاز کے خشک حصے کو دیکھے ہوئے ہیں جہاں جھلسنے والی ریت اور سوکھی زمین چارونطرف ہے انکے لئے یہ
مقام بہشت ہے اور خوشگوار ہوا جو یہاں چلتی ہے وہ نسیم خلد کے جھونکے معلوم ہوتے ہیں یورپ کے بہت سے
میووں کے درخت یہاں پائے جاتے ہیں مثلاً انجیر، خوبانی۔ سیب۔ شفتالو۔ بادام۔ انار وغیرہ لیکن خصوصاً
انگور یہاں بہت ہی اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے یہاں کھجور کے درخت نہیں ہاں بنک کے کچھ درخت ہیں کھیتوں میں
گیہوں۔ جو۔ پیاز ہوتی ہے لیکن زمین پتھریلی ہے اسوجہ سے یہ چیزیں اسقدر اچھی نہیں ہوتیں جیسے کہ میوے
یہاں کے کاشتکار حفیل بدوی ہیں۔ کھیت کو یہاں بلد کہتے ہیں اور ہر کھیت کے گرد مینڈ بنا دیجاتی ہے
جب عثمان المضیفہ نے شریف سے طائف لے لیا تھا تو یہ جگہ برباد ہو گئی تھی اور کھیتوں کا ستیاناس
ہو گیا تھا۔ بہت سی دیواریں جب سے ابتک یوں ہی ٹوٹی پھوٹی پڑی ہیں۔ صبح کا وقت تھا ہم اس پر فضا مقام
سے گزر رہے تھے۔ سورج نکلے ہوئے آدھا گھنٹہ ہوا تھا درختوں کا پتہ پتہ اور گھاس کا گچھا گچھا اوس سے
بھرا تھا۔ ہری ہری زمین آنکھوں کو بھلی معلوم ہو رہی تھی اور خوشبودار ہوا سے دماغ کو فرحت پہنچ رہی تھی
میں یہاں کی سب سے بڑی نہر کے کنارے ٹھیرا یہ اگرچہ دو گز سے زیادہ چوڑی نہ تھی لیکن اسکے دونوں طرف
کوہ الپ کی سی لہلہاتی گھاس کے چھتے ایسے خوشنما جمے ہوئے تھے کہ باوجود اس عظمت و شان کے دریائے
نیل کے کنارے بھی مصر میں ایسی گھاس پیدا نہیں ہوتی یہاں بعض عرب ہمارے لئے بادام و کشمش لائے
جنکے بدلے میں ہم نے ان کو تھوڑے سے بسکٹ دیدئے انگور بھی اگرچہ پکے ہوئے تھے مگر ہم خرید نہ سکے
بات یہ ہے کہ طائف کے سوداگر انگوروں کی دساور مکے بھیجنے کے لئے کھڑے کا کھڑا کھیت خرید لیتے ہیں

اور انکے توڑنے تک اپنے آدمی نگہبانی کے لئے مقرر کر دیتے ہیں۔ یہاں ایک ترک جس کو آغا کا خطاب بھی تھا ایک ڈیرے میں ٹھیرا ہوا تھا۔ طائف سے جو رسد آتی ہے اُسکے پہنچانے کا انتظام اسکے سپرد تھا مجھے حیرت ہوئی کہ اس پر لطف بلند چبوترہ پر کوئی مکان تفریح کے لئے نہیں بنا ہوا تھا۔ سابق میں مکے کے تاجر طائف میں مکان بناتے تھے لیکن انکا منظر بہت ہی سنسان اور بھیانک ہوتا تھا ان لوگوں نے اس جگہ دیہاتی مکان کی وضع پر سیر و تفریح کے لئے گھر بنانے کا کبھی خیال ہی نہ کیا۔ سچ یہ کہ بہ نسبت یورپ والوں کے عرب قدرتی منظروں سے بہت ہی کم دلچسپی رکھتے ہیں راس القریٰ کا پانی حجاز بھر میں عمدگی کی وجہ سے مشہور ہے جب تک محمد علی مکہ و جدہ میں رہا اس نے یہ انتظام کیا تھا کہ دریائے نیل کا پانی بڑے بڑے ٹین کے برتنوں میں بھر کر اسکے لئے برابر ہر جہاز میں آتا رہتا تھا لیکن وہ جب یہاں سے گزرا اس جگہ کا پانی نیل کے پانی کے مثل پاکر پہلا انتظام موقوف کر دیا۔ اب ایک اونٹ روزانہ طائف سے یہاں آتا ہے اور پانی بھر لیجاتا ہے۔

بنی حفیل جو یہاں کھیت کرتے ہیں انکے مکان چار پانچ پانچ جھونپڑیوں کے جھنڈ ان کھیتوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ مکان پتھر مٹی کے بنے ہوئے ہیں اور ایسی صفائی کے ساتھ بنائے ہیں کہ یقین نہیں آتا کہ ان گنواروں نے یہ بنائے ہونگے ہر مکان میں چار چار کوٹھریاں ہیں اور ہر کوٹھری ایک دوسرے سے الگ بیچ میں ایک تنگ گلی ہوتی ہے گویا جدا جدا مکان ہیں ان کوٹھریوں میں سوا دروازوں کے کوئی روشندان نہیں ہوتا۔ یہ بہت صاف ستھری رہتی ہیں اور انمیں بدویوں کا ضروری سامان مثلاً شطرنجیاں، اون، چمڑے کے تھیلے۔ لکڑی کے پیالے مٹی کے قہوہ دان اور بندوق وغیرہ سلیقے سے رکھا رہتا ہے۔ بندوق بڑے کام کی چیز ہے اسلئے اس کو احتیاط سے چمڑیلے غلاف میں رکھتے ہیں۔

رات کو میں گائے کے چمڑے پر سویا جو اچھی طرح کمایا ہوا تھا میرا اوڑھنا بھیڑوں کی کھالوں کا تھا جو کئی ملا کر سی لی گئی تھیں۔ ایک حفیل عرب نے مجھ سے کہا کہ جب وہابی یہاں آئے انہوں نے ہم کو خراج دینے پر مجبور کیا اس سے قبل ہم محصول کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ برخلاف اسکے شریف اور مکے والے جو ادھر سے طائف جاتے تھے وہ الٹے ہم کو انعام اور تحفے دیا کرتے تھے۔

راس القریٰ شرق و مغرب میں بسا ہوا ہے اس کی لمبائی ڈھائی تین میل اور چوڑائی ایک میل ہوگی۔ عربوں کا بیان ہے کہ جنوب کی طرف بھی بہت سے مقام ایسے ہی زرخیز و شاداب ہیں اور وہاں بھی بدوی زراعت کرتے ہیں۔

ہم راس سے روانہ ہوئے۔ یہ مقام بھی مجھے عمر بھر یاد رہے گا ایک گھنٹے تک ناہموار زمین پر چلنے اور
بہت سے اتار چڑھاؤ دیکھنے کے بعد آخر ایک ڈھلوان جگہ ہم پہنچے اب اسکی چڑھائی میں گھنٹہ بھر لگے گا یہاں
کا پتھر ریت کا ہے اس ریت کی چوٹی پر سے طائف دور سے نظر آنے لگتا ہے۔ دامن کوہ سے آدھ گھنٹے
چلنے کے بعد ہم ایک زرخیز وادی میں داخل ہوئے اسے **وادیٔ محرم** کہتے ہیں یہ بھی میووں سے پٹی وادیٔ محرم
پڑی ہے لیکن بعض بعض کھیتوں کو بجائے بہتے ہوئے چشموں کے پانی کے کنوؤں سے پانی دیا جاتا ہے ہم نے
یہاں ایک اجڑا ہوا گاؤں بھی دیکھا جو ایک بلند جگہ بسا ہوا ہے اسمیں ایک چھوٹی سی گڑھی بنی ہوئی ہے جو
یہاں والوں نے اپنے کھیتوں کو دشمنوں کے حملے سے بچانے کے لئے بنائی ہے یہاں سے **طائف** کی سرحد
شروع ہو جاتی ہے اور قبیلہ **بنی ثقیف** کا علاقہ بھی یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ یہ قبیلہ اگلے زمانہ میں
بنی حفیل سے ہمیشہ جنگ کرتا رہتا تھا اس وادی کا نام محرم اسوجہ سے ہے کہ اسطرف کے حاجی مکے جاتے
وقت یہاں احرام باندھتے ہیں۔ سڑک کے کنارے یہاں ایک چھوٹا سا سنگین حوض بھی ہے مگر آج کل خستہ
حالت میں ہے۔

حض
یمن کے حاجی جنکے قافلہ کا راستہ انہیں پہاڑوں میں ہو کر ہے۔ یہیں احرام باندھتے ہیں اور اسی حو
ض سے پانی لیکر وضو کرتے ہیں۔
محرم کے کسان چمڑے کے ڈولوں سے پانی کنوؤں سے کھینچتے ہیں۔ رسی کی جگہ زنجیر سے کام لیتے ہیں ایکے
ایک سرے میں ڈول باندھ دیا جاتا ہے اور دوسرے سرے میں گائے کو جوتتے ہیں۔ تھوڑی دور تک
گائے چلتی ہے اور ڈول پانی سے بھر کر اوپر آجاتا ہے۔ گائیں جو میں نے یہاں دیکھیں وہ حجاز کے اور مقامات
کی گایوں کے مثل چھوٹی ہیں مگر ناٹھی اور مضبوط ہوتی ہیں۔ سینگوں کی جگہ عموماً انکے چھوٹی چھوٹی کھونٹیاں
ہوتی ہیں کندھوں کے اوپر کوئی پانچ انچ اونچا اور چھ انچ لمبا کبہ ہوتا ہے۔ یہاں والوں کا بیان ہے
کہ تمام پہاڑی سلسلہ یہاں سے جنوب میں شہر تک جہاں قہوہ کی کاشت ہوتی ہے ایسی ہی زرخیز وادیوں سے
بھرا پڑا ہے البتہ بیچ میں تھوڑا سا حصہ بنجر پتھریلی زمین کا ہے وادی محرم سے پھر ہم ناہموار پہاڑی زمین طے
کرتے ہوئے چلے جا بجا ریتیلی زمین میں ببول کے درخت بھی دکھائی دئیے جن کی شاخیں سڑک کی جانب سے کاٹ
کاٹ دی گئی تھیں۔ وادی محرم سے ڈھائی گھنٹے تک چلنے کے بعد ہم بلندی پر چڑھے اور اسکی چوٹی سے طائف
ہمیں سامنے دکھائی دینے لگا اب ہمارے آگے ایک ریتیلا میدان تھا جسے چاروں طرف سے پہاڑیاں گھیرے

ہوئے تھیں اسکو بھی طے کرکے وادی محرم سے روانگی کے ڈہائی گھنٹے بعد ہم طائف پہنچے۔
مکے سے ہم اپنے اونٹوں پر سوار بالکل اکیلے چلے تھے اور اپنی مرضی کے موافق جانوروں کو ہانکا تھا اس لئے ہماری رفتار ایک گھنٹے میں کوئی سوا تین میل رہی اور اس لحاظ سے مینے اندازہ کیا کہ مکہ سے جبل قری کوئی تیس میل ہوگی اور وہاں سے پہاڑ کی چوٹی تک دس میل پھر وہاں سے طائف تک کوئی تیس میل جملہ بہتر میل ہوا۔

طائف میں قیام

میں دوپہر کو طائف پہنچکر پاشا کے حکیم بصیری کے مکان پر ٹھیرا۔ اس سے میں قاہرہ میں اچھی طرح واقف ہوچکا تھا۔ آجکل رمضان کا مہینہ تھا۔ ان دنوں ترکی امیر ہمیشہ دن میں سویا کرتے ہیں اس وجہ سے میرے آنے کی خبر بھی پاشا کو مغرب تک نہو سکی اس اثنا میں بصیری سے یہی باتیں ہوتی رہیں انہنے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ یہاں آپکی تمہاری کیا غرض ہے مینے کہا بس زیارت مکہ و مدینہ۔ اسکے بعد میں قاہرہ چلا جاونگا یہ سنکر اس کو کسی قدر شک ہوا اور مجھ سے کہنے لگا بھائی تم تو ہمارے دوست ہو ہم سے مت چھپاؤ صاف صاف کہدو۔ وہ یہ سمجھا تھا کہ میں ہندوستان جاؤنگا مگر مینے اس سے قطعی انکار کردیا۔ اسپر مجھ سے اُسنے کہا اگر فی الحقیقت تمہارا ارادہ مصر واپس جانے کا ہے تو مناسب یہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ یہاں ٹھیرے رہو اور جب پاشا قاہرہ تشریف لیجائیں اسوقت اُنکے ساتھوں ساتھ چلے چلو بصیری نے روپے کے متعلق کچھ ذکر نہ کیا حالانکہ اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ میں جدے میں اپنا کام بنا چکا ہوں۔
شام کے وقت بصیری پاشا کے دربار خاص میں گیا جہاں وہ صرف اپنے خاص خاص لوگوں سے ملاقات کرتا ہے۔ اور آدھ گھنٹہ بعد واپس آکر مجھسے کہا کہ پاشا کچھ دیر بعد تم سے دربار عام میں ملاقات فرماوینگے میں نے اس سے پوچھا اور کون کون لوگ اس وقت حاضر دربار تھے انہنے کہا کہ قاضی مکہ جو آجکل تبدیل آب وہوا کی غرض سے یہاں آیا ہوا ہے وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ پاشا نے تمہارا زیارت حرمین کا ارادہ سُن کر بطور

مذاق فرمایا کہ صرف داڑھی ہی ایسی چیز نہیں جس سے کسی شخص کو پکا مسلمان سمجھا جا سکے اور پھر قاضی مکہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ قاضی صاحب ان امور میں مجھ سے بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں (قاہرہ میں جب پاشا نے مجھے دیکھا تھا تو اس وقت بھی میری داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور آج کل بھی میں نے چھوڑ رکھی تھی) قاضی نے عرض کیا کہ حرمین الشریفین میں مسلمانوں کے سوا اور کوئی مذہب والا تو داخل ہو نہیں سکتا اس لئے مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ شخص ایسا دیدہ دلیر ہو کہ حقیقت میں تو مسلمان نہ ہو اور ہمارے دکھانے کے لئے اپنے تئیں مسلمان ظاہر کرے۔

جب مجھے یہ کیفیت معلوم ہوئی تو میں نے بصیری سے کہا کہ پاشا کے پاس آپ تنہا جائیے اور میری طرف سے عرض کر دیجئے کہ مجھ کو پیشتر سے ہی اس بات کا بڑا رنج ہے کہ میرے رہنما کو یہ حکم دیا گیا کہ مجھے مکہ میں ہو کر نہ لائے اور اب بھی اگر دربار معاملہ میں مجھ سے ملاقات نہ فرمائی گئی جیسی کہ مسلمان سے کرنی چاہیئے تو میرا یہیں سے سلام ہے۔

میری اس گفتگو سے بصیری بہت گھبرایا اور اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے مجھے بہت منع کیا اس نے مجھے دھمکی بھی دی کہ یہ حکم ملا ہے کہ پاشا کے دربار میں آپ کو پہنچا دوں اسکی عدول حکمی میں نہیں کر سکتا مگر میں اپنی بات پر جما رہا آخر وہ مجبور ہو کر پاشا کے پاس گیا اور اتفاق سے پاشا اس وقت بالکل اکیلا تھا قاضی چلا گیا تھا جب بصیری نے میرا پیغام پہنچا دیا تو پاشا نے مسکرا کر فرمایا خیر اس سے کہہ دو چاہے وہ مسلمان ہو یا نہ ہو اسکی آؤ بھگت کی جائیگی آٹھ بجے رات کو میں قلعہ میں گیا یہ عمارت شریف غالب کی بنوائی ہوئی ہے اور آج کل کچھ اچھی حالت میں نہیں ہے اسوقت میں وہ کپڑے پہنے ہوئے تھا جو پاشا کے حکم سے مجھے جدے میں ملے تھے۔

میں نے پاشا کو اس وقت ایک بڑے دیوانخانے میں بیٹھا ہوا دیکھا اسکے ایک طرف قاضی دوسری طرف حسن پاشا آرنوت سپاہیوں کا بڑا افسر اور صفہ میں تیس چالیس اور افسر نصف دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے اور بیچ میں بہت سے بدوی شیخ آلتی پالتی مارے جمے ہوئے تھے۔ میں پاشا کے پاس گیا اور سلام علیکم کہکر اسکے ہاتھ چومے اس نے قاضی کے پاس بیٹھنے کے لئے مجھے اشارہ کیا اور پھر نہایت اخلاق سے میری طرف مخاطب ہو کر مزاج پرسی کی اور سوڈان کے ملکوں کے حالات مجھ سے دریافت کئے جہاں سے میں ابھی سفر کرتا ہوا چلا آرہا تھا۔ لیکن میرے مطلب کی کوئی بات نہ کی امین افندی میرے اس کے درمیان عربی مترجم

تھا۔ کیونکہ مجھے ترکی نہیں آتی تھی اور پاشا عربی کم سمجھتا تھا۔ میرے پہنچ جانے سے بدویوں سے بات چیت موقوف ہوگئی تھی۔ پانچ منٹ بعد اُن سے پھر گفتگو کا سلسلہ چھڑا جب یہ ختم ہوئی تو حسن پاشا وہاں سے رخصت ہوا اور پیچھے سوائے میرے۔ قاضی اور بصیری کے ہر شخص کو باہر جانے کا حکم ہوگیا۔ اب مجھے خیال ہوا کہ میرا امتحان لیا جائے گا اور میں اس کے لئے پورے طور پر تیار ہوگیا لیکن اب بھی میرے ذاتی معاملات کی نسبت ایک لفظ بھی اُس نے نہ کہا اور پچھلی گفتگو میں بھی اس نے کوئی پہلو اس بات کو نہ آنے دیا سوائے اس اشارہ کے کہ وہ یہ سمجھا تھا کہ میں ہندوستان جانے والا ہوں۔ جب ہم اکیلے رہ گئے تو پاشا نے پولیٹیکل بحث چھیڑ دی۔ اس کو ابھی اطلاع ملی تھی کہ یورپ میں دول متحدہ جمع ہوئی ہیں اور نپولین آلبا روانہ کر دیا گیا ہے مالٹا کے کئی اخبار بھی جن میں ان واقعات کی تفصیل درج تھی اسکے پاس قاہرہ سے بھیجے گئے تھے وہ ان واقعات کا نتیجہ سوچنے میں محو تھا اس کا خیال تھا کہ بونا پارٹ کے زوال کے بعد غالباً انگلستان کسی اور سلطنت کو ملا کر مصر پر حملہ کر دیگا۔

پاشا کے ساتھ دو تین گھنٹہ گفتگو رہی کبھی قاضی کے ذریعہ سے عربی زبان میں (اگرچہ قسطنطنیہ کا رہنے والا تھا عربی خوب بولتا تھا) اور کبھی بصیری کے ذریعہ سے اطالیہ زبان میں (یہ شخص ارمنی تھا مگر قاہرہ میں اسنے ٹوٹی پھوٹی زبان اطالیہ سیکھ لی تھی) اسکے بعد میں نے اجازت چاہی اور پاشا نے دوسرے دن اسی وقت پھر آنے کے لئے حکم دیا۔

۲۹ اگست ۱۸۱۴ء کو مغرب سے قبل میں قاضی کے پاس گیا اس وقت وہ اپنے دوستوں اور معتمد کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا قاضی کا نام صادق افندی تھا اور یہ ایک پکا مشرقی درباری آدمی تھا اس میں تمام وہ صفات و خصائل موجود تھیں جن کے لئے استمبول کے اعلیٰ درجہ کے تربیت یافتہ لوگ مشہور ہیں معمولی علیک سلیک کے بعد میں نے اس سے کہا قاضی صاحب مجھے یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوتی ہے کہ پاشا کو میرے مسلمان ہونے میں شک ہے حالانکہ میں برسوں سے اس مذہب کا پیرو ہوں۔ اس نے جواب دیا ہاں پاشا نے مجھ سے فرمایا کہ "آپ ان امور کو بہتر سمجھتے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ذرا خیال رکھ کر اندازہ تو کرو کہ یہ کتنے پانی میں ہے" اس کے بعد قاضی نے مجھ سے سفر نوبہ کے حالات دریافت کئے دوران گفتگو میں علمی مسائل بھی چھڑتے جاتے تھے اس نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ تم نے عربی کی کون کونسی کتابیں پڑھی ہیں اور کون کونسی کتب فقہ و تفاسیر دیکھی ہیں میں نے بہت سی کتابوں کے صرف نام لے دیئے اور اُس نے غالباً مجھے زیادہ واقف سمجھا کیونکہ ان مضامین پر اس نے مجھ سے گہری گفتگو نہ کی ہم باتیں کر رہے تھے کہ مغرب کی اذان ہوئی اور روزہ کھولنے کا وقت آگیا میں نے قاضی کے ساتھ افطار کیا

ور نماز جماعت ادا کی۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم دونوں پاشا کے پاس گئے۔ اب کی دفعہ بھی پاشا نے سوائے پولیٹیکل گفتگو کے میرے پرائیویٹ معاملات کا ذکر نہ نکالا۔

ایک اور ملاقات کے بعد میں ہر روز پہلے قاضی کے پاس جاتا پھر پاشا کے پاس قلعے میں۔ باوجودیکہ میرے ساتھ خلیقانہ برتاؤ کیا جاتا تھا مگر پھر بھی میں دیکھتا تھا کہ میری حرکتیں غور سے دیکھی جاتی تھیں۔ بصیری نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی روزنامچہ بھی ہے یا نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ حجاز ایسا مقام نہیں ہے جو مصر کے مانند آثار قدیمہ سے بھرا ہوا ہو۔ یہاں سوائے سوکھے پہاڑوں کے اور دھرا کیا ہے۔

یہاں مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اکیلا نہیں چھوڑا جاتا تھا، اور باوجود اس قدر دوستی کے بصیری بھی میرے پیچھے ایک جاسوس سمجھے کو تھا۔ غیر محدود دنوں تک طائف میں اس طرح رہنا مجھے پسند نہ تھا۔ مجھے اب تک یہی نہ معلوم ہوا کہ میرے بارے میں پاشا کے کیا ارادے ہیں۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ میں یہ سمجھا گیا کہ انگریزوں نے جاسوس بنا کر مجھے اس غرض سے بھیجا ہے تاکہ یہاں کے حالات سے واقف ہو کر ہندوستان میں اسکی رپورٹ کروں۔ میرا یہ خیال ہے کہ میری نسبت پاشا کی یہی رائے ہوگی۔ وہ مجھے انگریز جانتا تھا۔ دوران سیاحت جب کبھی ضرورت پڑتی تھی تو میں اپنے تئیں انگریز ظاہر کر دیتا تھا اسمیں کسی قسم کی بے عزتی نہ تھی۔ ان دنوں سوائے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے اور کسی ملک کی رعایا مشرق کے مقامات مقدس میں داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ ان دونوں سلطنتوں کی رعیت کی نسبت یہ خیال تھا کہ گورنمنٹ اور اسکے سفیر متعینہ قسطنطنیہ اسکی بیحد حفاظت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں پاشا مجھے کوئی ذی مرتبہ آدمی سمجھتا تھا۔ ہر ایک انگریز جو مشرق میں سفر کرتا ہے اسکو خواجہ بن کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ اور پاشا کا مجھے اس طرح مخاطب کرنا ایک وقعت کے لحاظ سے تھا اور ترکی درباروں میں ایسی عزت حاصل کر لینا میرے لئے ضرور تھا۔

اگرچہ پاشا نے میرے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہ کیا جس سے میں ڈرتا رہتا تھا تاہم اُس نے مجھ سے کوئی بدسلوکی بھی نہ کی۔ بات یہ ہے کہ غالباً اس کو انگریزوں کا ڈر تھا۔ اس لئے اس نے مجھے ستانا نامناسب سمجھا۔ اُس کو یہ معلوم تھا کہ میرے پاس صرف پانسو پیاستر (سو روپیہ) ہی موجود ہیں اور یہ رقم اتنی کافی نہ تھی کہ اس سے کوئی شخص زیادہ دن تک حجاز میں گزر کر سکتا۔ قاہرہ میں میری ہنڈی بھنانے کے بارے میں جو میں نے پاشا سے درخواست کی تھی اسکے متعلق مجھ سے نہ کچھ بصیری نے کہا اور نہ پاشا نے۔ اس کے متعلق اب میں بھی کچھ عرض نہ کروں گا۔ کیونکہ اس وقت بھی میرے پاس روپیہ کافی موجود ہے اور مصر سے اور بھی روپیہ

آجانے کی امید ہے۔

طائف میں زیادہ عرصے تک ایسی خلیفانہ قید میں رہنا میری طبیعت کے خلاف تھا لیکن اس وقت اگر میں یہاں سے چلدیتا تو اس سے انکا شبہ اور بھی بڑھ جاتا یہ مجھے محمد علی وقاصی کی پہلی ہی ملاقات میں معلوم ہو گیا تھا اور میں جانتا تھا کہ بصیری کی رپورٹیں اور بھی محمد علی کے دل پر اثر کرتی ہونگی ان وجوہ سے سب سے بہتر تدبیر جو میں نے سوچی وہ یہ تھی کہ بصیری کو بیزار کردوں تاکہ مجبور ہوکر وہ میرے اغراض پاشا کے سامنے پیش کردے ۔ اس لئے مینے اب اُس کے مکان میں وہ حرکتیں شروع کردیں جو کوئی بے ادب ترک کرتا۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ خوب تو میں رات کو کھاتا اور سحری کے لئے الگ بہت سارا کھانا منگاتا ایسے گھر بھر میں جو سب سے اچھا کمرہ تھا وہ مینے گھیر رکھا تھا اور اس کے نوکروں کو حکم دیدیا تھا کہ میرے سامنے سے ملتے نہیں۔ آٹھوں پہر ہاتھ باندھے کھڑے رہیں۔ مہمان کی اس قسم کی حرکتیں نہایت ہی بری سمجھی جاتی ہیں مگر میں تو بڑا آدمی تھا اور پاشا سے ملاقات کے لئے آیا تھا باتوں ہی باتوں میں مینے بصیری سے یہ بھی کہدیا تھا کہ طائف میں میرا جی بہت لگ گیا اور یہاں کی آب و ہوا بھی مجھے بہت موافق ہے اور خلاصہ یہ کہ یہاں سے جانے کو میرا دل نہیں چاہتا ۔ جو مزاج مینے یہاں بنا لیا تھا ایسے مزاج والے شخص کو طائف میں جہاں تمام کھانے پینے چیزیں بےحد گراں تھیں کھلانا کوئی دل لگی نہ تھی اور پھر بے ادب مہمان ویسے بھی ہر جگہ ایک بوجھ ہوجاتا ہے آخر میری تدبیر کارگر ہوئی اور بصیری نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے ایک دن موقعہ پاکر پاشا سے عرض کردیا کہ یہ کوئی خوفناک آدمی نہیں ہے اس کو رخصت کردیا جائے تو مناسب ہے۔

میں چھ روز تک طائف میں رہا لیکن سوائے قلعہ کے بہت کم باہر گیا اور وہ بھی رات کے وقت جب بصیری نے مجھے بلاکر کہا کہ پاشا سے جو تمہاری غرض ہے وہ پوری ہونے تک مکے جانیکا وقت نکل جائیگا مینے کہا میں تو پاشا کے حکم سے ہی یہاں آیا تھا ورنہ مجھے اُس سے کوئی کام نہیں ہے البتہ مجھے یہ مقام بہت پسند ہے اور خصوصاً اس وجہ سے کہ آپ جیسے عنایت فرما یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ دوسرے دن اُس نے مجھ سے پھر یہی ذکر چھیڑا اور کہا کہ یہاں آپ کے لئے کوئی دل لگی اور آرام کا سامان بھی نہیں بالکل سپاہیوں میں رہنے سے آپ کو تکلیف ہوگی علاوہ اس کے یہاں آپ کے اور کوئی ملاقاتی بھی نہیں ہیں اور ترکی زبان سے بھی آپ ناواقف ہیں ۔ مینے کہا جی ہاں یہ تو سچ ہے مگر تاوقتیکہ پاشا کے خیالات نہ معلوم ہوجائیں میں اپنا ارادہ بھی تو کچھ ظاہر نہیں کرسکتا۔ اِس پر وہ پہلو آگیا جسے میں چاہتا تھا اور وہ کہنے لگا کہ اگر تمہاری صلاح ہو

تو میں پاشا سے اسکا ذکر کردوں مینے کہا بہت خوب چنانچہ رات کو میرے قلعے جانے سے قبل اُس نے ذکر چھیڑا اور پاشا نے مجھ سے کہا کہ رمضان کے آخری دن چونکہ تم مکے میں گزارنا چاہتے ہو اس لئے مناسب ہے کہ یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ قاضی صاحب بھی وہاں دعوت میں جانیوالے ہیں تمہارا ان کا ساتھ ہو جائیگا اور وہ بھی تمہاری صحبت سے خوش ہونگے۔ رمضان میں جانے کا خیال میں نے بصیری سے ظاہر کیا تھا۔ قاضی کی روانگی ۶ ستمبر کو ٹھہری تھی اسکے ساتھ چلنے کے لئے میں نے بھی دو گدھے کرایہ کئے چونکہ میرا ارادہ بعد میں مدینے جانے کا تھا جہاں طوسون پاشا حاکم ہے اسلئے مینے بصیری سے کہا کہ مجھے اگر پروانہ یا فرمان ملجاتا تو بہت اچھا تھا اُسکے ذریعہ سے میں تمام حجاز میں سفر کرسکتا اور اگر کوئی سفارشی خط بھی پاشا اپنے فرزند کے نام عنایت فرمائیں تو خالی از لطف و کرم نہیں ہے۔ بصیری نے جواب دیا کہ پاشا بذات خود تمہاری سیاحت کے بارے میں کچھ دخل دینا نہیں چاہتے۔ جیسا تم مناسب سمجھو کرو۔

یہی بات میں چاہتا تھا ۵ ستمبر کو میں رخصت ہونے کے لئے پاشا کے پاس گیا تو اُس نے کہا اگر ہندوستان تمہارا جانا ہو تو انگریزی رعایا کو یقین دلادینا کہ مجھے (پاشا کو) ہندوستان کی تجارت سے بہت دلچسپی ہے۔

ساتویں تاریخ قاضی نے مجھے کہلا بھیجا کہ میں آج شام تک روانہ نہ ہوسکونگا بہتر ہے تم سدھارو میں [illegible] کو سفر طے کرکے جبل قری میں تم سے آملونگا چنانچہ طائف میں دس روز قیام کے بعد جیسا یہاں آیا تھا ویسا ہی اکیلا روانہ ہوا۔ چلتے وقت بصیری نے مجھے یقین دلایا کہ میرے لایق جو تمہارا کام ہوگا میں اس میں پہلو تہی نکروں گا طائف سے نکلکر مینے اپنی خوش نصیبی پر خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ ترکی دربار میں رہنا میرے لئے نوبہ کے بدویوں کے پاس رہنے سے بھی زیادہ خوفناک تھا۔

دوران قیام طائف میں پانچ چھ مرتبہ میں پاشا سے ملا اور ان ملاقاتوں میں پاشا سے جو کچھ میری باتیں ہوئیں اُن کا خلاصہ بطور سوال جواب کے لکھتا ہوں۔

س - شیخ ابراہیم مجھے امید ہے کہ تم اچھی طرح ہوگے؟

ج - نہایت اچھی طرح ہوں اور خوش ہوں کہ حضور کو دوبارہ دیکھنے کی عزت مجھے حاصل ہوئی۔

س - میں نے جب تم کو قاہرہ میں دیکھا تھا اس وقت سے ابتک تم نے بہت سفر کیا۔ حبشیوں کے ملک میں تم کہاں تک چلے گئے تھے۔؟

ج - اس سوال کے جواب میں سفر نوبہ کا مینے مختصر حال بیان کردیا۔

س ۔ کھونگولا کے ملوک کیسے ہیں۔

اس سوال کے جواب میں جو کچھ مینے بیان کیا ناظرین وہ میرے سفرنامہ نوبہ میں پڑھ سکتے ہیں۔

س ۔ پہلے یہاں وہابیوں سے بچنت ہو جاؤں تو پھر ملوکوں کی بھی خبر لونگا تمہاری رائے میں صنعاء تک ملک فتح کرنے کے لئے کسقدر فوج کی ضرورت ہوگی۔

ج ۔ پانسو آدمی جرار اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں لیکن اُس ملک کو قبضے میں نہ رکھہ سکینگے اور ٹو بھی اتنی نزل بچیگی جو اخراجات کو کافی ہو سکے۔

س ۔ ان ملکوں کی پیداوار کیا ہے۔ ؟

ج ۔ اونٹ اور غلام اور صنعاء کی طرف حبش سے سونا بھی لایا جاتا ہے لیکن وہ سب مختلف اشخاص کی ملک ہے۔ اُن ملکوں کے امیر اور بادشاہ کچھہ دولت نہیں رکھتے۔

س ۔ مصر سے صنعاء تک سڑکوں کی کیا حالت ہے۔

ج ۔ مینے آسون سے شینڈی اور سواکن سے آسون تک سڑکوں کی کیفیت بیان کی

س ۔ اور اب شیخ ابراہیم تمہارا کہاں جانے کا ارادہ ہے ؟

ج ۔ میں حج کر کے قاہرہ لوٹ جاؤنگا اور وہاں سے ایران جاؤنگا۔

(مینے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اُس سے ذکر کروں کہ میرا ارادہ پھر افریقہ جانے کا ہے۔)

س ۔ خدا تمہیں لے پہنچے۔ لیکن میں اس قدر سفر کرنے کو خبط اور دیوانہ پن سمجھتا ہوں۔ اچھا تو یہ کہو کہ تمہارے آخری سفر کا کیا نتیجہ ہوا۔ ؟

ج ۔ آدمی کی زندگی کا کچھہ اعتبار نہیں ہے۔ ہم سب تقدیر کے قائل ہیں۔ مجھے اس میں مزا آتا ہے کہ دور و دراز ملکوں میں پھرتا رہوں اور مختلف قوموں سے واقف ہوں۔ میں اپنے دل کے اطمینان کے لئے میں سفر کرتا ہوں اور اس کی خوشی میں مجھے کوئی تکلیف تکلیف ہی نہیں معلوم ہوتی۔

س ۔ یورپ کی بھی تم کو کچھہ خبر معلوم ہوئی ؟

ج ۔ یونہی کچھہ غیر معتبر خبریں جدہ میں سُنی تھیں۔

اسکے بعد پاشا نے مجھے وہ واقعہ سنایا جسکا خاتمہ بونا پارٹ کی جلاوطنی البا

پر ہوا اُس نے کہا کہ نپولین بوناپارٹ بڑا ہی نامرد نکلا - اُس کو چاہئیے تھا کہ مرجاتا مگر قید قبول نہ کرتا اب دنیا اُس کے جنم میں تھوک رہی ہے - پاشا نے یہ بھی کہا کہ فرنگی بھی ویسے ہی مکار ہیں جیسے ترک - بوناپارٹ کے سب ساتھیوں نے اُسے چھوڑ دیا - وہ جنرل جو اُسی کے ساختہ پرداختہ تھے انھوں نے بھی اُسکا ساتھ نہ دیا -

برطانیہ اعظم و روس کے تعلقات دریافت کرنے میں بھی پاشا کو بڑی دلچسپی تھی اُس کو کھٹکا یہ تھا کہ انگریزی فوج جو فرانس و اسپین کے جنوب میں پڑی ہے وہ مصر پر دھاوا نہ بولدے - اُس نے کہا بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو نگلجاتی ہیں - انگلستان کو اسکی ضرورت ہے کہ مالٹا وجبل الطارق کو غلہ مصر سے پہنچائے - میں ان باتوں کا جواب دیتا رہا لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ مترجم میرے جوابات کا ترجمہ اچھی طرح نہیں کر رہا تھا اُس کو ڈر تھا کہ اپنے آقا کی خلاف مرضی کوئی بات منہ سے نہ نکلے - پاشا نے یہ بھی کہا کہ " میں انگریزوں کا دوست ہوں لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بڑے آدمیوں میں ظاہرداری بہت ہوتی ہے اور اصلیت بالکل کم - مجھے ڈر ہے کہ اس وقت جو میں حجاز میں ہوں کہیں انگریز مصر پر حملہ نہ کر بیٹھیں اگر میں مصر میں ہوں تو البتہ اطمینان کیساتھ اپنی سلطنت کیلئے اُن سے لڑ سکتا ہوں - میں سلطان سے نہیں ڈرتا میں جانتا ہوں کہ کسطرح اُن کے تمام منصوبے مٹا سکتے ہیں شام سے کوئی بڑی فوج مصر پر خشکی کی راہ سے حملہ نہیں کرسکتی اور جدا جدا فوجیں ریگستان سے آگے بڑھتے ہی غارت کیجا سکتی ہیں "۔

مینے اُس سے یہ کہنے کی اجازت چاہی کہ آپکی حالت ایک ایسے جوان آدمی کی سی ہے جس کے قبضے میں کوئی خوبصورت ہو اور وہ ہر شخص کو نظر رقابت سے دیکھتا ہو اُسنے کہا واقعی میری یہی کیفیت ہے میں مصر کو ایسا ہی چاہتا ہوں اگر میری ہزار جانیں ہوں تو سب کی سب اس کے قبضے کے لئے قربان کرسکتا ہوں -

پاشا نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ تمنے مصر صعید کو کس حالت میں پایا تھا اور میرے لڑکے ابراہیم کی نسبت لوگوں کے کیا خیالات تھے - مینے سچ سچ جواب دیا کہ تمام گاؤں کے سردار اُس سے نفرت کرتے ہیں لیکن دہقان اُس سے بہت مانوس ہیں محمد علی نے میری گفتگو اس بارے میں بھی دریافت کی کہ مصر کو بیرونی حملہ آور سے روکنے کیلئے کس قدر فوج کی ضرورت ہے مینے جواب دیا کہ لڑائی کا مجھے تجربہ نہیں ہے لیکن جو کچھ مینے پڑھا ہے اسکے مطابق عرض کرتا ہوں تم نے مجھ سے کہا نہیں تھا کہ کونسی بات پچھلی لڑائی ہر خبر کی

نسبت تم دریافت کرتے پھرتے ہو۔ آخر میں نے کہا کہ پچیس ہزار جدید فوج بیرونی حملوں کو روکنے کے لئے کافی ہے۔ اُسنے جواب دیا اب میرے پاس تیس ہزار ہے یہ اُس نے غلط کہا کیونکہ یہ مجھے معلوم ہے کہ تمام مصر و حجاز میں صرف سولہ ہزار فوج تھی پاشا نے یہ بھی کہا کہ میں حبشیوں کی ایک باقاعدہ فوج بناؤں گا اور مصر کی حفاظت کے لئے اپنے رسالہ اور توپخانے سے کام لوں گا۔

میرے قیام طائف کے زمانہ میں قسطنطنیہ سے براہِ دمشق کچھ خط بھی آئے تھے جن میں عہدنامہ پیرس کا ترجمہ بھی تھا کئی مرتبہ اس کو پڑھنے کے بعد اُس نے اپنے ترکی محرر سے کہا کہ مجھے عربی میں سمجھادے پاشانے ترکی زبان کی ایک اٹلس طلب کرکے مجھے نقشے میں بعض مقامات دکھائے اور ترکی مقبوضات اور دوسرے دول کے مقبوضات کے بارے میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اُس نے یہ نہایت جوش میں آکر کہا کہ بڑے بڑے بادشاہوں کو اپنے خزانہ اور تلوار کے سوا کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی۔ خزانے بھرنے کے لئے وہ تلواریں کھینچتے ہیں اور ایمان ان کو رتی بھر نہیں ہوتا۔

کبھی وہ یہ خیال کرتا تھا کہ روس و بابعالی سے لڑائی چھڑ جائے تو اچھا ہے اور کبھی یہ کہتا کہ روس نے اگر یوروپین ٹرکی پر قبضہ کرلیا تو انگریز کب خاموش بیٹھنے والے ہیں یہ مصر پر ہاتھ ڈالیں گے۔

مجھے ابھی تک اپنے بارے میں پاشا کی رائے نہیں معلوم ہوئی کہ آیا وہ میرے قبول اسلام کو سچے دل سے سمجھتا تھا یا نہیں مگر اس نے میرے ساتھ برتاؤ تو ایسے ہی کیا جیسے ایک سچے مسلمان سے کرنا چاہیئے تھا اور اسی لحاظ سے میں نے بھی اپنے عادات و اطوار میں زیادہ جرأت سے کام لیا جس سے اُس کو ضرور یقین ہوگیا ہوگا کہ میں پکا مسلمان ہوں۔

قاضی کی نسبت یہاں بہت سے لوگوں سے یہ بھی سننے میں آیا کہ سلطان نے اس کو قسطنطنیہ سے اس لئے بھیجا ہے کہ سلطان کی نسبت محمد علی کے خیالات معلوم کرکے سلطان کو مطلع کرتا رہے۔

اس بات کو معلوم کرکے مجھے بھی بہت حیرت ہوئی کہ قاضی کا یہ ارادہ تھا کہ قسطنطنیہ پہنچکر وہ محمد علی کو اس جرم کا مرتکب ٹھہرائے کہ اُس نے مقدس شہروں کی زیارت کے وقت ایک عیسائی کو پناہ دی۔ یہ ایسا جرم ہے کہ اگر کسی پاشا سے سرزد ہو تو ناقابل معافی ہے۔

قاہرہ واپس ہونے پر ایک مرتبہ اور محمد علی سے میری اتفاقیہ ملاقات ہوئی اُسنے مسٹر سالٹ اور مسٹر لی انگریزی کونسلوں اور چند اور مشہور انگریزی سیاحوں سے جو قاہرہ سے گزرے یہ کہا تھا کہ وہ (محمد علی)

حجاز میں کامل طور پر جانتا تھا کہ میں مسلمان نہیں ہوں لیکن انگریزوں کی دوستی کی وجہ سے اُس نے چشم پوشی کی اور مجھ کو اجازت دیدی کہ قاضی کو دھوکا دیکر نکل جاؤں۔

قاضی کے بعض دوستوں نے **محمد علی** کو یہ بھی یقین دلایا کہ میں بھی آئندہ چلکر اپنے سفرنامہ میں اُس کو دینے کے متعلق ویسی ہی شیخیاں بگھاروں گا جیسی **علی بے العباسی** نے اپنے سفرنامہ میں ڈینگیں ہانکی ہیں یہ علی بے کا سفرنامہ انہی دنوں **قاہرہ** میں آیا ہوا تھا جسمیں اس نے ظاہر کیا تھا کہ صرف پاشا کو ہی اپنے چکما نہ دیا بلکہ **قاہرہ** کے تمام علماء و فضلا بھی اسکے دم جھانسوں میں آگئے۔ محمد علی کو اس بات کا بڑا لحاظ تھا کہ اس کو کوئی بدعقیدہ مسلمان نہ کہے ہاں بھولا بھالا سمجھے تو مضائقہ نہیں ہے باوجود ان باتوں کے جو پاشا نے انگریزوں سے کہیں میں قاہرہ واپس ہونے پر بھی ترکی محلے میں بطور مسلمان کے بلا روک ٹوک برابر رہا کیا۔ میں محمد علی کا شکر گزار تھا کہ اُس نے طائف میں میرے ساتھ بہت خلیقانہ برتاؤ کیا اور میرے سفر حجاز میں رکاوٹیں پیدا نہ کیں۔ پاشا دسمبر کے مہینے میں مکے میں اور اپریل میں مدینے میں تھا مگر میں ان شہروں میں اُس سے ملا نہیں چھپا ہوا رہا میری عادت رہی ہے کہ میں نے سفر میں ہمیشہ گمنامی کی زندگی بسر کی ہے۔ حاجی و زائر میں صرف حجاز میں ہی مشہور ہوا ورنہ مصر میں تو لوگ مجھے ایک بھلا آدمی سمجھتے تھے سوائے پاشا کے چند افسروں کے جن سے میں طائف میں ملا تھا اور کسی کو خبر ہی نہ تھی کہ مینے حج بھی کیا ہے۔

طائف کے متعلق میری معلومات بہت کم ہے اور وہ بھی اُسوقت لکھی گئی جب میں طائف سے روانہ ہوگیا تھا۔ وہاں میں نہ کہیں اکیلا جا سکتا تھا اور نہ کوئی میرا ملاقاتی تھا جس سے میں کچھ پوچھتا علاوہ اسکے رمضان کے مہینے میں معزز طبقے کے لوگ جنکے ساتھ میں رہتا تھا گھر کے باہر دن میں نکلتے ہی نہیں۔

شہر طائف ایک ریتیلے میدان کے بیچ میں آباد ہے اس کو تخمیناً تین چار گھنٹے کے رستے پر **جبل غزوان** گھیرے ہوئے ہے۔ طائف ایک بے قاعدہ چوکونٹہا مقام ہے اگر ذرا قدم بڑھائے چلیں تو کوئی آدھ گھنٹے میں اسکے گرد گھوم سکتے ہیں اسکے اطراف ایک فصیل و خندق ہے جس کو حال میں **عثمان المضیفہ** نے بنوایا ہے۔ فصیل میں تین دروازے ہیں جن پر جابجا برج بنے ہوئے ہیں مگر **مکہ مدینہ وجدہ و ینبوع** کی فصیل سے یہ فصیل آثار میں کم ہے یعنے زیادہ سے زیادہ ہاتھ بھر موٹی ہوگی شہر کے اندر مغرب کی جانب اس فصیل سے ملا ہوا ایک بلند چٹان پر قلعہ ہے یہ **شریف غالب** نے بنوایا تھا

اور کسی لحاظ سے قلعہ کے نام کا مستحق نہیں ہے سوائے اس کے کہ شہر کے دوسرے مکانوں سے یہ کسیقدر بڑا ہے
اور اس کی سنگین دیواریں کچھ زائد مضبوط نہیں اگرچہ یہ آجکل نصف برباد ہے مگر محمد علی نے اس کو
اپنا مستقر بنا رکھا ہے۔ شہر کے اکثر مکان چھوٹے ہیں لیکن پتھر سے اچھے بنے ہوئے ہیں۔ عمومًا مکانوں
کی کرسیاں بلند ہوتی ہیں مینے یہاں ایک دالان بھی ایسا نہیں دیکھا جسکی کرسی صحن سے ملی ہوئی ہو۔ بمقابلہ
دوسرے شرقی شہروں کی گلیوں کے طائف کی گلیاں زیادہ کشادہ ہیں۔ عام لوگوں کے ملنے جلنے کی جگہ
یہاں قلعے کے سامنے ایک کھلا مقام ہے جو مارکیٹ کا کام دیتا ہے بحالت موجودہ طائف کو اوجڑ سمجھنا چاہیے
کیونکہ چند مکان بھی یہاں کامل طور پر اچھی حالت میں ہونگے ۱۸۰۲ء میں جب وہابیوں نے اس شہر پر
قبضہ کیا تھا تو یہاں کی بہت سی عمارتیں انہوں نے برباد کر دی تھیں جب سے یہ شہر تقریبًا بالکل ویران ہے
اور اسکی رہی سہی عمارتیں بھی تباہ ہوتی جا رہی ہیں مینے یہاں دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں دیکھیں جو ہندوستانیوں
کی بنوائی ہوئی ہیں اور وہی یہاں سب سے زیادہ اچھی ہیں۔ مقبرہ عباس رض جس پر ایک عمدہ گنبد بنا ہوا تھا
اور جسکی اکثر حاجی زیارت کرتے تھے وہابیوں نے بالکل منہدم کر دیا۔ سوائے تین چار عمارتوں کے جنہیں پاشا
کے خاص [illegible] دار مقیم میں کوئی عمارت مجھے معمولی قد و قامت سے زیادہ بڑی نظر نہ آئی طائف میں دو
بڑے کنوؤں سے پانی لیا جاتا ہے ایک تو شہر کے اندر ہے اور دوسرا باہر دروازے کے پاس ہی۔ پانی کا
مزا اچھا ہے لیکن بھاری ہے۔ طائف اپنے خوبصورت باغوں کی وجہ سے تمام عرب میں مشہور ہے لیکن یہ
باغ ان پہاڑوں کے دامن میں واقع ہیں جو ریتیلے میدان کو گھیرے ہوئے ہیں فصیل کے اندر میں نے
کوئی باغ تو کیا ایک درخت تک نہ دیکھا اور شہر کے آس پاس کے مقامات بھی سبزے سے بالکل خالی ہیں
جس سے اس شہر میں رہنا ویسا ہی وحشتناک ہے جیسا کہ عرب کے اور کسی شہر میں۔ سب سے قریب کے باغ
جو مغرب و جنوب میں دکھائی دیتے ہیں وہ شہر سے کوئی آدہ گھنٹے پون گھنٹے کے رستہ پر ہیں اسطرف بھی
ایک ویران حصہ ہے اور اوسکے اور شہر کے بیچ میں کھجوروں کے درخت اور کچھ کھنڈر ہیں یہ مقام وہابیوں
کے حملے سے پیشتر ہی ویران ہو چکا تھا۔ مینے کوئی باغ اندر سے نہیں دیکھا۔ بعض بعض باغوں میں بنگلے
بھی بنے ہوئے ہیں جہاں طائف والے اپنی چھٹیاں اور عید تہوار کے دن گزارتے ہیں ان میں سب سے
زیادہ مشہور **وادی مسن**۔ **وادی سلام** اور **وادی شمال** ہیں یہاں کے باغ کنوؤں اور
نالوں کے پانی سے جو پہاڑوں سے بہکر آتے ہیں سیراب ہوتے ہیں۔ یہاں علاوہ گیہوں اور جو کے کھیتوں

انار اور انگور بھی۔ انجیر وہ دیکھے طائف میں جو میوے جاتے ہیں پائے بھی درخت کے میووں کے
تھے۔ خصوصاً انگور نہایت مزے دار اور بہت بڑے بڑے تھے علاوہ انکے اور بھی کچھ میوے تھے
جنکا ذکر وادیٔ قری میں کیا گیا ہے۔ طائف کے باغوں میں گلاب کے پھولوں کی بھی بڑی کثرت ہے۔ جو
انگوروں کی طرح تمام حجاز میں بھیجے جاتے ہیں ان باغوں میں پیشتر مکے کے بڑے بڑے سوداگر گرمی کے
دنوں میں آکر رہا کرتے تھے اور خود شریف بھی موسم گرما کا کچھ حصہ یہاں گزارتا تھا یہ سب لوگ اپنے
مکان اور سامان یہاں رکھتے تھے اس وجہ سے وہابیوں نے طائف کو جب لوٹا تو انکا بڑا نقصان ہوا۔
طائف کے دیسی باشندے قبیلہ بنی ثقیف کے عرب ہیں جو یہاں رہ پڑے ہیں انہیں کے قبضے میں
تمام باغات اور شہر کی اشیاء خوردنی کی اکثر دوکانیں ہیں۔ کچھ مکی بھی یہاں رہتے ہیں لیکن پردیسیوں
میں سب سے زائد دور و دراز کے مقام کے رہنے والے ہندی النسل ہیں جو حالت انکی جدے میں ہے
وہی یہاں ہے اگرچہ یہ لوگ عرب ہی میں پیدا ہوئے ہیں اور اکثر نے پشتہا پشت سے یہاں کی سکونت بھی
اختیار کرلی ہے لیکن پھر بھی لباس اور رسم و رواج ہندی مسلمانوں کا سا رکھتے ہیں انہیں کے اکثر عطاری
کی دکان کرتے ہیں جنکی تجارت بہ نسبت اور ملکوں کے حجاز میں زیادہ چل رہی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے
طائف میں کوئی تھوک فروش سوداگر نہیں ہے۔ کل پچاس دکانیں ہیں۔ وہابیوں کے حملے سے قبل یہ تجارت
کی بڑی منڈی تھی۔ عرب دور و دراز مقامات سے کئی کئی دن کی مسافت طے کر کے سامان پوشیدنی وغیرہ
خریدنے یہاں آتے تھے۔ کوہستانی گیہوں اور جو کے قافلے لاتے تھے قہوہ بھی یہاں بکتا تھا جو یمن کے بندو
پہاڑوں سے اونٹوں پر لاد کر لاتے تھے اور اس پر ان کو عربی ساحل کے بندرگاہوں پر بھاری محصول
ادا کرنا پڑتا تھا۔ اب شہر میں ہر چیز کی بڑی قلت ہے اس زمانے میں مال جو اندرون ملک سے یہاں
آتا ہے وہ صرف کھجوریں ہیں۔ یہ عتیبہ قوم کے عرب اپنے علاقہ کے شاداب مقامات سے لاتے ہیں طائف
کی بڑی بڑی سڑکوں پر فقیر کثرت سے پھرتے دکھائی دیتے ہیں جن میں بہت سے ہندوستانی ہیں جو یقیناً
فاقے کرتے ہیں۔ کیونکہ میرے قیام کے زمانہ میں ایک آدمی کی معمولی خوراک میں روزانہ کم سے کم چھ سات آنے
خرچ ہو جاتے تھے۔ غلے کے کارواں ہر ہفتے یہاں آتے رہتے ہیں لیکن اونٹوں کی قلت کے باعث خاطر خواہ
غلہ ساحل سے نہیں لایا جا سکتا۔ ورنہ غذا کی قیمت ارزاں ہو جاتی۔ اور اگرچہ ادنیٰ درجے کے آدمی بالکل
کھجوروں پر ہی گذران کرتے ہیں اور اس وجہ سے وہ غلہ جو مکے سے یہاں آتا ہے بالکل صرف نہیں ہوتا

پھر بھی میں نے معتبر لوگوں سے سنا کہ ترکی فوج کیلئے طائف میں صرف دس روز کی رسد باقی رہ گئی ہے۔
شریف کے زمانے میں طائف پر ایک افسر کی حکومت تھی جس کو حاکم کہتے تھے اور وہ خود بھی شریف
تھا۔ یہ شخص وہابیوں کی تلوار سے بال بال بچ گیا تھا۔ محمد علی نے اُسکو پھر اُسکی خدمت پر بحال کر دیا ہے
مگر اب یہ عہدہ برائے نام ہے۔ مکے کے شریفوں کے کئی خاندان یہاں رہتے ہیں۔ اور ان کی طرز معاشرت
اور لباس وغیرہ سب ایسا ہے جیسا کہ مکے والوں کا لیکن مجھ کو ان باتوں پر غور کرنے کا یہاں بہت کم موقع ملا۔
۱۴ ستمبر ۱۸۱۴ء۔ علی الصباح میں طائف سے اسی سڑک پر جدھر سے آیا تھا مکے روانہ ہوا۔ میں
پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ایک راستہ شمال کے رخ اور بھی ہے جس میں مسافر جبل قریٰ سے گزرنے کی مشکلات
سے بچ جاتے ہیں پہلی منزل مکے سے اس سڑک پر زیمہ ہے جس سے کوئی پانچ کوس کے فاصلہ پر کئی
چڑھائیاں آتی ہیں۔ زیمہ وادی لیمون کے مشرقی سرے پر ایک نصف برباد قلعہ ہے جہاں بہتے ہوئے
پانی کے بڑے بڑے چشمے ہیں۔ وادئ لیمون ایک زرخیز وادی ہے جو کئی گھنٹے کے راستے پر وادی
فاطمہ سے جا ملی ہے اسمیں بہت سے کھجوروں کے باغ ہیں اور پیشتر یہاں زراعت بھی ہوتی تھی لیکن وہابیوں
کے حملے سے موقوف ہو گئی اور اس کے میوے کے باغ بھی ویران ہو گئے۔ یہ شامی قافلہ حج کی سڑک کی آخری
منزل ہے۔ وادی لیمون کے جنوب و مشرق میں ایک اور زرخیز وادی ہے جسے وادئ مضیق کہتے ہیں
یہاں کچھ شریف رہتے ہیں اور شریف غالب کی بھی یہاں کچھ املاک ہے۔ زیمہ سے طائف کو سڑک
چلی جاتی ہے مکے سے دوسرے دن کے راستے پر سیل ہے یہ ایک نالے کا نام ہے جو میدان میں سے
بہتا ہوا گزرتا ہے۔ اس میدان میں درخت بالکل نہیں ہیں مگر چراگاہ بہت عمدہ ہے۔ سیل پر سڑک پہاڑی حصے
میں ہو کر گزرتی ہے جس میں کوئی چھ گھنٹے تک ایک دشوار گزار اور بہت تنگ راستے میں چلنا پڑتا ہے۔ آگے
بعد عقرب منزل آتی ہے۔ یہ اوپر کے میدان میں واقع ہے اور طائف سے شمال کی جانب کوئی تین گھنٹے
کے راستے پر ہے۔ اس طرح مسافر مکے سے چار دن میں طائف پہنچ جاتا ہے۔ یہ سڑک آجکل خطرناک تھی
سوائے بڑے اور محفوظ کاروانوں کے اسمیں سے کوئی نہیں گزر سکتا تھا۔ قبیلہ علتیب کے جنگجو لٹیرے عرب
اکثر اس راستے پر گشت لگاتے رہتے ہیں اور چھوٹے موٹے قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ طائف سے چلکر میں تین
آرنوت سپاہیوں سے جا ملا یہ بھی میری طرح گدھوں پر سوار تھے۔ طائف میں انہوں نے روپیہ بدلوا یا
تھا ایک اسپینی ڈالر کے بدلے میں قاہرہ کی تیرہ پیاستر (دو روپیہ نو آنہ) آئے تھے۔ یہ ڈالر جدہ میں صرف

گیارہ ہی پیاسترا (دو روپیہ تین آنہ) مالیت تھا۔ انہوں نے مجموعی رقم ایک ہزار ڈالر کی بنالی تھی اور جب کبھی راستہ محفوظ ہوتا تھا تو دو پیاسترا (۲ ۳/۴ س) فی ڈالر کے لئے وہ جدہ سے طائف تک سفر کرتے تھے۔ یہ اپنے روپے کو تھیلی میں سے گدہو پر لئے جا رہے تھے اور اخراجات کے لئے کچھ جزو لینا شاید بھول گئے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر کہ اسکی خورجین غذا سے خوب بھری ہوئی ہے میرے ساتھ ہو لئے۔ جہاں کہیں قہوہ خانہ آتا ٹھہر جاتے اور ہم چاروں کے چائے پانی کا جو کچھ خرچ ہوتا سب مجھی کو دینا پڑتا۔ لیکن یہ لوگ بڑے خوش مزاج تھے اس وجہ سے میرا کھلایا پلایا ضایع نہ گیا۔

وادی محرم پر پہنچکر میں نے احرام باندھ لیا۔ کیونکہ مکہ و بیت اللہ کے دیکھنے کا میرے لئے یہ پہلا ہی موقع تھا۔ احرام میں اونی، سوتی یا سن کے کپڑے کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں ایک کمر سے لپیٹ لیا جاتا ہے اور دوسرا گردن اور کندھوں پر اس طرح ڈال لیتے ہیں کہ سیدھا ہاتھ کھلا رہتا ہے۔ احرام باندھنے سے قبل ہر ایک لباس اتار دیا جاتا ہے اگرچہ ہر کپڑے سے یہی مقصد حاصل ہو سکتا ہے لیکن مذہب نے ممانعت کر دی ہے کہ کپڑے پر سیون نہونی چاہئے اور نہ ریشمی و رنگین کپڑا ہو۔ دوسرے رنگ کے کپڑے سے سفید کپڑا بہتر ہے خاصکر عموماً ہندوستانی خاصہ اس کام کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن امیر حاجی پھول بیلدار کنارے کی سفید کشمیری شالیں بھی باندھ لیتے ہیں۔ سر بالکل کھلا رہتا ہے جب تک کہ احرام کھل نہ جائے سر منڈانے کی اجازت نہیں ہے۔ پاؤں بھی اکثر کھلے رہتے ہیں اور جو لوگ جوتے بھی پہنتے ہیں وہ یا تو اوپر کے چمڑے کا ایک ٹکڑا کاٹ ڈالتے ہیں یا اسی غرض سے خاص جوتے اس طرح کے بنواتے ہیں جیسے ترکی حاجی اپنے ساتھ عموماً قسطنطنیہ سے لاتے ہیں۔ یہاں والوں کی طرح سے میں بھی احرام کی حالت میں نعلین پہنتا تھا۔ بڈھوں اور بیماروں کو سر ڈھکنے کی بھی اجازت ہے لیکن اس کے عوض میں غریبوں کو کچھ خیرات دینی پڑتی ہے۔ ننگے سر والوں کو سورج کی کرنیں اور بھی تکلیف دیتی ہیں اگرچہ شرعاً اسکی ممانعت ہے کہ سر سے ملا کر کوئی چیز رکھی جائے مگر چھتر لگانے کی اجازت ہے اور یہ سب حاجی رکھتے ہیں عرب یا تو بہادری سے سورج کا مقابلہ کرتے ہیں یا کبھی چھڑی سے ایک دھجی باندھکر اسکی آڑ میں چلتے پھرتے ہیں۔

احرام خواہ جاڑے ہوں یا گرمی دونوں موسموں میں تکلیف دہ اور مضر صحت ہے خصوصاً ان حاجی جو اون کے موٹے کپڑے پہننے کے عادی ہیں اس وقت وہ بھی اپنے اونی کپڑوں کو کئی دن کے لئے اتار دیتے ہیں۔ لیکن بعض لوگوں کا مذہبی جوش اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ وہ خواہ کتنے ہی بھیگنے قبل سکتے ہیں

آئیں وہ عہد کر لیتے ہیں کہ ہمیشہ احرام باندھے رہیں گے یہاں تک کہ وہ عرفات پہنچ جائیں اور حج ختم ہو جائے اور اسطرح وہ مہینوں تک اسی باریک لباس میں رہتے ہیں[1]۔ کیونکہ شہر فامات کو بھی کسی دوسرے لباس کی بھی ممانعت ہے لیکن بہت کم حاجی سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہیں۔

جب قدیم عرب مکے کے بتوں کی زیارت کو آتے تھے تو وہ بھی احرام باندھتے تھے لیکن وہ حج ہر برس کے کسی خاص موسم غالباً خزاں میں ہوا کرتی تھی۔ عرب اگرچہ قمری مہینوں کا حساب رکھتے ہیں تاہم وہ تین برس میں ایک مہینہ اور بڑھا دیتے ہیں اور اسطرح حج کا موسم اُس زمانے میں مختلف نہیں ہوا کرتا تھا جیسا کہ آجکل ہوتا رہتا ہے۔ پیوند کا مہینہ بڑھانا جو اسلام سے دو سو برس قبل ایجاد ہوا تھا قرآن نے اسکی ممانعت کر دی ہے، اور ارشاد ہوا کہ "پیشتر جو حج بتوں کے لئے کیا جاتا تھا وہی خدائے حی القیوم کے لئے کیا جائے لیکن اسکا تعین قمری مہینوں سے ہونا چاہئے" اسوجہ سے حج کا موسم غیر مقررہ ہو گیا اور اس طرح تیس سال کے عرصے میں کھسکتا کے جاڑے سے تڑاقے کی گرمی میں حج آجاتا ہے۔

احرام باندھنے والے یعنی مُحرِم کو کھانے پینے کا کچھ پرہیز نہیں ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا وہ گو گھی اور چند اور چیزیں احرام کی حالت میں چھوڑ دیتے تھے۔ لیکن اب مُحرِم کو حکم ہے کہ وہ اپنے عادات و اطوار درست رکھے، گالی نہ بکے، جھگڑا نہ کرے، کسی جانور کو مارے نہیں۔ حتیٰ کہ جوں کو بھی اور نہ عورتوں سے ملے۔

عورتوں کا احرام ایک لباس ہوتا ہے جس کو وہ اپنے جسم سے پورے طور پر لپیٹ لیتی ہیں اور اوپر سے ایک برقع اوڑھ لیتی ہیں جو ایسا تنگ ہوتا ہے کہ اُنکی آنکھیں بھی نظر نہیں آتیں از روئے شرع عورتوں کے ٹخنے اور ہاتھ بھی ڈھکے رہنے چاہئیں مگر عموماً اسکا بہت کم لحاظ کرتی ہیں اگرچہ میرے ساتھی بھی مکے ہی جا رہے تھے مگر انہوں نے احرام باندھنا ضروری نہ سمجھا۔ حالانکہ ہر مسلمان کو واجب ہے کہ ہر وقت و ہر موسم میں جب وہ مکے کیطرف سے گزرے احرام باندھ لے۔

ہم جبل قریٰ کی پر فضا بلندی پر ایک گھنٹے تک ٹھیرے رہے اور شام کو نیچے اُترے اسوقت مینہ کے چھینٹے پڑنے لگے تھے اور اس وجہ سے مجبوراً ہم سڑک کے کنارے ایک غار میں جا چھپے حفیل قوم کے چرواہے

---

[1] عربی مورخ بیان کرتے ہیں کہ "ہارون الرشید نے مع اپنی بیگم زبیدہ خاتون کے ایک مرتبہ پیادہ پا حج کیا تھا اور بغداد سے مکہ تک احرام باندھے ہوئے گیا تھا، قافلے کی ہر منزل گویا ایک محل تھی جس میں اعلیٰ درجے کے سامان سے مکان آراستہ تھا اور تمام سڑک پر روزانہ قالین بچھائے جاتے تھے جن پر وہ دونوں چلتے تھے"

بھی ایسے ہی موقعوں پر اس گڑھے میں پناہ لیتے ہیں۔

مغرب کے بعد ہم ایک قہوہ خانے میں پہنچے اسکا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ یہاں **مکے** کے قافلے اترتے ہیں۔ یہاں ہمنے آگ سلگائی اور عربوں سے مٹی کی ایک ہنڈیا کرایہ پر لیکر چاول اُبالے۔ دن بھر کے سفر مینہ کی بوچھار اور باریک کپڑوں سے مجھے خفیف سا بخار آگیا۔ لیکن رات کو میں اچھی طرح اوڑھ لپیٹ کر پڑ رہا اور صبح ہوتے چاق چوبند ہو گیا جدے میں جو میں سخت بیمار ہو گیا تھا اسکا اثر چلا آرہا تھا یہاں تک کہ تبدیل آب و ہوا نے جو اس سفر سے ہوئی اور طائف کے خوشگوار موسم نے جو بمقابلہ جدے کے زیادہ ٹھنڈا تھا اس اثر کو زائل کر دیا۔ رات کو مکے کا قاضی بھی طائف سے یہاں آ پہونچا۔

۸ ستمبر۔ دن نکلے میں قاضی سے ملنے گیا وہ اس وقت قہوہ پی رہا تھا اور حقے کے دھوئیں اڑا رہا تھا اگرچہ یہ رمضان کا مہینہ تھا مگر سفر کے باعث قاضی جی روزے سے نہ تھے۔ طائف میں ہمارا اور اس کا اقرار ہو چکا تھا کہ میں اُسکے ساتھ **مکے** چلونگا اسلئے میں اسکے ہمراہ تو ہولیا لیکن اسکے ساتھ رہنے سے گھبراتا تھا۔ کھٹکا یہ تھا کہ اگر وہ مکے میں مجھے اپنے گھر لیگیا اور وہیں ٹھہرایا تو پھر میری وہی تکلیف دہ حالت ہو جائی جیسی کہ طائف میں تھی۔ مگر وہ بھی ایک مہمان کے اخراجات کا کفیل ہونے سے پہلو تہی کرتا ہوا معلوم ہوا۔ کیونکہ جب میںنے اس سے یہ کہا کہ میرا تھکا ہوا گدھا آپکے قدم باز خچر کا ساتھ نہ دے سکیگا تو جھٹ اُسنے یہ جواب دیا کیا مضائقہ ہے آپ ہر موقعہ پر مجھسے مکے میں مل سکتے ہیں۔ چنانچہ میں قاضی کو آرام کرتا ہوا چھوڑ کر پیامیوں سے جا ملا۔ ہمنے دوپہر قہوہ خانہ **شداد** میں گزاری یہاں کے بدوی چاندماری کر کے دل بہلا رہے تھے۔ انھوں نے اپنے قادر انداز ہونے کا ثبوت دیا اور گولی سے ایک پیاسٹر کو بھی اڑا دیا جو میںنے چالیس گز کے فاصلہ پر رکھدی تھی۔ اس سڑک پر سوائے پانی اور قہوے کے اور کچھ نہیں ملتا۔ یہاں قہوہ علیٰحدہ علیحدہ پیالیوں میں نہیں بناتے بلکہ جو شخص قہوہ منگاتا ہے اسکے سامنے قہوہ والا مٹی کی ایک گرم کیتلی رکھدیتا ہے اس میں دس پندرہ پیالیونکے موافق قہوہ رہتا ہے اتنا قہوہ اکثر مسافروں میں تین چار مرتبہ میں پی لیتے ہیں ان کیتلیوں کو **مشربہ** کہتے ہیں یہ انکی شکل ہے

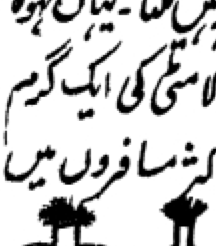

انکے منہ پر سوکھی گھاس کا ایک گچھا رکھدیتے ہیں جسمیں سے چھنکر قہوہ نکلتا ہے۔

میں نے عرب کے اس حصے میں قہوے کا غیر معمولی استعمال دیکھا اور جنوب کی طرف یہاں سے بھی زیادہ بیان کیا جاتا ہے جس علاقے میں یہاں قہوہ پیدا ہوتا ہے وہاں ابھی یہی کیفیت ہے۔

شداد سے جب ہم اُس سڑک پر پہنچے جو میدان اور پہاڑوں میں ہو کر جاتی ہے تو یکایک آندھی اور مینہ نے آن گھیرا جس سے مجبوراً ہم کو ٹھیرنا پڑا۔ تھوڑی دیر پانی پہاڑوں پر سے نالے بن بن کر آنے لگا جب آندھی موقوف ہو گئی تو ہم نے دیکھا کہ مینہ نے وادیٔ نعمان کو پانی کی ایک چادر سے ڈھک دیا تھا جو گز بھر گہری تھی۔ مینہ ابھی برس رہا تھا اور نالے جو پانچ پانچ فٹ چوڑے تھے اس زور سے بہہ رہے تھے کہ ہمارے لئے انکا پار کرنا ناممکن تھا اس حالت میں نہ ہم آگے بڑھ سکتے تھے ہمیں معلوم تھا کہ کئی دھاریں ہمارے پیچھے سے بھی بہکر آرہی ہے اسلئے ہمنے ایک پہاڑ کے دامن میں پناہ لی اور مینہ تھمنے تک وہاں ٹھہرے رہے۔ تھوڑی دیر میں پہاڑوں کے دامن میں بیشمار ڈبرے بنگئے اور پھر طغیانی عام ہو گئی۔ مینہ دھواں دھار برس رہا تھا۔ بادل گرج رہے تھے بجلی چمک رہی تھی۔ قاضی جو ہمارے پیچھے شداد سے روانہ ہوا تھا وہ ہماری پارٹی سے دور کچھ فاصلہ پر ٹہرا ہوا تھا ہمارے اسکے درمیان ایک گہرا نالا تھا اسکے ساتھ کی کچھ عورتیں جو خچروں پر سوار تھیں وہ مجبوراً اُس سے بھی الگ تھوڑی دور پر تھیں ہمنے اس ناگوار حالت میں یہاں کوئی تین گھنٹے گزارے جب مینہ تھم گیا اور نالوں کا زور بھی گھٹ گیا تو آگے بڑھے لیکن ہمارے گدہے اس پھسلتی زمین پر جہاں ابھی تک پانی کھڑا ہوا تھا چل نہیں سکتے تھے مجبوراً اُتر پڑے اور باگ پکڑ کر آگے سے گھسیٹتے ہوئے چلے۔ قاضی اور اُسکی کل جماعت نے بھی ایسا ہی کیا۔ خدا خدا کرکے ہم کسیقدر بلند زمین پر پہونچے اب رات ہو گئی تھی اور ابر آلود آسمان نے ہم کو اندھیرے گھپ میں چھوڑ دیا اور تین چار گھنٹے کی مسافت کے بعد قدم قدم پر گرتے پڑتے ٹھوکریں کھاتے ہوئے جوں توں کرکے ہم **عرفات** کے قہوہ خانے میں پہونچے میرے ساتھی روپے کی وجہ سے ڈر رہے تھے یہاں پہنچکر ان کی جان میں جان آئی۔

جامۂ احرام میں اس قدر بھیگنے کے بعد مجھے بھی آگ کی سخت ضرورت تھی مگر ہماری بدقسمتی سے قہوہ خانہ بھی پانی سے بھرا ہوا تھا یہاں اتنی بھی سوکھی جگہ نہ ملی کہ لیٹ بھی سکتے آخر بڑی مشکل سے کسی عرب کی [illegible] میں آگ سلگائی اور اس میں قاضی اسکے کچھ آدمی اور میں گھس گیا اور قہوہ بنایا ایک [illegible] سری جھونپڑی میں قاضی کی عورتیں سردی کے مارے رو رہی تھیں قاضی نے اس خیال سے کہ سردی [illegible] عورتوں کو زیادہ تکلیف نہ پہنچے یہاں رات کو قیام نہ کیا اور آدھ گھنٹے ٹھہر کر دوبارہ سوار ہو مکے کا رستہ لیا اسکے چلے جانے کے بعد ہمنے اس آگ پر قبضہ کر لیا اور تھوڑی دیر میں ہم گرم ہو گئے۔

۹ ستمبر۔ ہم سویرے اُٹھے اور دیکھا کہ کل کا طوفان میدان عرفات سے زیادہ آگے تک نہیں ہے

اس ملک میں ایسے طوفان اور طغیانیاں اکثر آتی رہتی ہیں میننے یہ بھی سنا کہ بالائی پہاڑوں پر اور طائف میں اگرچہ بارش مقررہ وقت پر نہیں ہوئی تاہم بمقابلہ جدہ و مکہ کے زیادہ مقررہ موسم میں ہوتی ہے مکے اور جدے میں تو یہ ہوتا ہے کہ عین گرمی کے دنوں میں بھی آندھی مینہ آتا رہتا ہے مکے کے مورخوں نے کئی بڑی بڑی طغیانیوں کا ذکر کیا ہے جو مکے میں آچکی ہیں انہیں سب سے زیادہ خوفناک ٨٠ھ و ١٨٤ھ و ٢٠٢ھ و ٢٠٨ھ و ٢٩٧ھ و ٣٤٩ھ و ٦٢٠ھ و ٨٠٢ھ اور ١٠٣٩ھ ہجری میں آئی تھیں انہیں بعض طغیانیوں میں کل مکہ اور بیت اللہ و حجر اسود تک پانی میں غرق ہوگیا تھا اور ان سب میں بہت سے مکانات اور جانیں ضایع ہوچکی ہیں اصمعی نے ایک طغیانی کی تفصیل بیان کی ہے جس نے مکہ کو ١٠٣٩ھ میں تباہ کیا تھا۔ اس میں پانسو آدمی مرے تھے اور خانہ کعبہ منہدم ہوگیا تھا ایک اور خوفناک طغیانی بھی ١٠٧٢ھ میں آئی تھی۔

دوپہر کو میں مکے پہنچا۔ میرے ملاقاتی اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنے کے لئے پاہیوں میں چلے گئے اب میں اکیلا رہ گیا۔ سوائے قاضی کے مجھے یہاں کوئی نہ جانتا تھا۔ ان پاہیوں کے ساتھ رہنے میں اندیشہ بھی تھا اور لوگ بھی مجھ سے واقف ہوجاتے۔ اسی لئے میننے قاضی کا ساتھ بھی چھوڑ دیا تھا۔

جو شخص مکے میں داخل ہوتا ہے اسکا فرض ہے کہ فوراً بیت اللہ کی زیارت کرے اور جب تک زیارت سے فارغ نہ ہوجائے کوئی دنیوی کام نہ کرے۔ ہم دکانوں اور مکانوں کی قطاروں کو طے کرتے ہوئے بیت اللہ کے دروازوں تک پہنچے یہاں میرے گدھے والے نے اپنا کرایہ لیا اور مجھے اتار دیا۔ اب مجھے کوئی چھ مطوفوں نے آگھیرا انہوں نے میرے احرام سے پہچان لیا تھا کہ یہ کوئی حاجی ہے ... میں نے ان میں سے ایک شخص کو مطوف مقرر کرلیا اور قریب کی ایک دوکان میں اپنا سامان رکھ کر بیت اللہ میں باب السلام سے داخل ہوا ہر حاجی پہلے اسی دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ بیت اللہ کی زیارت میں جو جو مناسک ادا کرنے پڑتے ہیں انکی تفصیل یہ ہے۔

(١) رسوم جو بیت اللہ میں ادا کئے جاتے ہیں۔

(٢) صفا و مروہ کے درمیان چلنا۔

(٣) عمرہ کی زیارت۔

یہ مناسک ہر ایک حاجی کو جب کہ وہ دو روز سے زائد کا سفر طے کرکے مکے میں داخل ہو تو ادا کرنے چاہئیں

جو گلی کے دونوں جانب ہیں اہنیں کے بیچ میں بھاگنا پڑتا ہے ۔ ان پتھروں پر بہت سے کتبے لکھے ہیں لیکن یہ دیواریں اسقدر بلندی پر ہیں کہ انکا پڑھنا مشکل ہے ۔ اس سعی کے درمیان دعائیں بلا وقفہ کے بآواز بلند پڑہی جاتی ہیں ۔ جو لوگ چل نہیں سکتے وہ سواری پر یا چار پایوں پر سعی کر لیتے ہیں مقام **مروہ** پہونچنے کے بعد حاجی سیڑہیوں پر چڑہتا ہے اور ہاتھ اٹھا کر چھوٹی سی دعا پڑہتا ہے جیسی کہ صفا میں پڑہی جاتی ہے اور پہر یہاں سے لوٹتا ہے ۔ اسی طرح سات مرتبہ سعی کیجاتی ہے ۔ چار مرتبہ صفا سے مروہ تک اور تین مرتبہ مروہ سے صفا تک ۔ مروہ پر سعی ختم ہو جاتی ہے ۔

(۳) زیارت عمرہ

مروہ کے قریب حجاموں کی بہت سی دکانیں ہیں سعی ختم کرنے کے بعد حاجی کسی دکان پر جا کر حجام سے اپنا سر منڈاتے ہیں ۔ حجامت بناتے وقت حجام ایک خاص دعا پڑہتا ہے جس کو حاجی بھی اُس کے ساتھ دہراتے ہیں ۔ حنفی صرف پاؤ سر منڈاتے ہیں اور باقی پون عمرے کی واپسی تک چھوڑ دیتے ہیں اس رسم کے بعد حاجیوں کو اجازت ہے کہ وہ احرام اتار دیں اور معمولی لباس پہن لیں یا اگر مناسب سمجھیں تو عمرے کو چلے جائیں اس حالت میں انکو پھر احرام رکھنا پڑتا ہے ۔ روانگی کے وقت دو رکعت نماز بھی پڑہتے ہیں لیکن بہت کم حاجی ایسا کرتے ہیں کہ طواف وسعی کے ساتھ عمرے کی زیارت سے بھی فارغ ہو جائیں بات یہ ہے کہ طواف وسعی کی رسوم ہی تھکا دینے کے لئے کافی ہیں اور انکے ختم کر چکنے کے بعد خواہ مخواہ آرام کرنے کو جی چاہتا ہے اسلئے اکثر حاجی اپنے معمولی کپڑے پہن لیتے ہیں مگر دوسرے دن یا کسی اور روز (لیکن جتنا جلد ہو بہتر ہے) وہ پھر احرام باندہتے ہیں اور عمرہ کے لیئے روانہ ہو جاتے ہیں ۔

عمرہ ۔ **مکہ** سے باہر کوئی ڈیڑہ گھنٹے کے راستے پر ایک جگہ ہے یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے اسمیں دو رکعت نماز پڑہکر شہر کو واپس ہو جاتے ہیں اور رستے بھر تلبیہ پڑہتے ہوئے لوٹتے ہیں اسکے شروع کے الفاظ یہ ہیں لبیک ۔ **اللهم لبيك** اسکے بعد پھر طواف وسعی کرتے ہیں اور پھر پورا سر منڈا کر احرام کھولدیتے ہیں اور سب رسموں کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔

عمرہ کا جانا اگرچہ مذہبًا نہایت ضروری ہے مگر بہت سے آدمی چھوڑ بھی دیتے ہیں میں شہر میں داخل

ہو سکے تیسرے دن رات کے وقت ٹہلتا ہوا عمرہ گیا تھا۔ گرمی کے دنوں میں اکثر رات کو ہی جاتے ہیں حج کے زمانہ میں یہ سب مناسک وادیٔ منیٰ سے لوٹنے کے بعد لگا تار کرنے چاہئیں اور مکے سے رخصت ہوتے وقت طواف کعبہ بھی جتنی مرتبہ ہو سکے کرنا چاہیئے۔ پردیسیوں میں تو بہت کم ایسے نکلینگے جو صبح و شام دونو وقت طواف نہ کرتے ہوں۔

آنحضرت سے قبل بھی جبکہ عرب میں بت پرستی کا زور تھا کعبہ ایک متبرک مقام سمجھا جاتا تھا اور اُس زمانہ کے لوگ بھی اسکا طواف ایسے ہی عقیدے کے ساتھ کرتے تھے جیسے کہ آجکل اُنکی اولاد کرتی ہے مگر اُس زمانے میں کعبہ تین سو ساٹھ بتوں سے بھرا ہوا تھا اور آجکل کی رسموں سے اُس وقت کی رسموں میں بھی بہت بڑا فرق تھا۔ مثلاً اسوقت عورت مرد سب مادرزاد ننگے ہو کر طواف وغیرہ کرتے تھے۔ انکا عقیدہ تھا کہ سب کپڑا اتار ڈالنے سے انکے تمام گناہ بھی دور ہو جائینگے اس لحاظ سے مسلمانوں کا موجودہ حج اور کعبہ کی زیارت اُسی قدیم رسم کی ایک یادگار ہے۔ اسیطرح صفا و مروہ کو بھی عرب متبرک سمجھتے تھے ان مقامات پر ٹھیک ٹھیک کے بت رکھے ہوئے تھے اور بت پرست عرفات سے واپس آنے پر یہاں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک چلا کرتے تھے۔

اس دوڑنے کے متعلق مسلمانوں کی روایت یہ ہے کہ (حضرت) ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کی ماں ہاجرہ کو گھر نکالدیا تھا اور وہ ریگستان میں بھٹکتی بھٹکتی یہاں آنکلی تھی پانی نہ ملنے سے اسمٰعیل کا برا حال تھا ہاجرہ نے اس خیال سے کہ اپنے معصوم بچے کی موت نہ دیکھے اس کو پیاس سے مرتا ہوا دیکھ کر زمین پر لٹادیا تھا اور بیقرار ہو کر پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے بیچ میں دوڑ رہی تھی کہ اتنے میں جبرئیل نے زمین پر ٹھوکر ماری جس سے فوراً زمزم جاری ہو گیا۔ ہاجرہ کے دوڑنے کی یادگار میں یہ رسم قایم ہوئی ہے۔

ازرقی کا بیان ہے کہ جب بت پرست عرب عرفات پر حج کی رسوم ختم کر چکتے تھے تو مختلف قومیں جو وہاں موجود ہوتی تھیں اور پھر ہر قبیلہ سے باری باری سے ایک ایک شاعر اٹھتا تھا اور نہایت جوش و خروش سے اپنے آبا و اجداد کی عظمت انکی لڑائیاں اور خاندانی کارنامے بیان کرتا تھا اور تمام حاضرین کو مخاطب کر کے بآواز بلند کہتا کہ ہمارے قبیلے میں فلاں فلاں نامی گرامی بہادر گزرے ہیں اور فلاں فلاں فیاض۔ پھر انکے نام بیان کرتا اور انکی تعریف میں گیت گاتا، رجز پڑھتا اور دوسرے قبائل سے ڈنکے کی چوٹ کہتا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اگر کسی کو انکار ہے اور ہمارے اسلاف کے

سوا اگر کوئی اوراس عزت وشان اور نیکی کا دعویدار ہے تو ثابت کرے۔ پھر کوئی دوسرا شاعر اسکے مقابلے پر کھڑا ہوتا اپنے قبیلے کی لن ترانیاں ہانکتا اور اس بات کی کوشش کرتا کہ جو کچھ پہلے شاعر نے کہا ہے اسکی تردید کرے۔ اس رسم سے جو حسد اور دشمنی پیدا ہوتی تھی اُس کو مٹانے کے لئے یا یوں کہو کہ بدویوں کے خود مختارانہ جذبات کو توڑ دینے کے لئے محمد (صلعم) نے قرآن کی اس آیت سے موقوف کر دیا "جب تم حج ختم کر چکو تو جیسے تم اپنے آبا و اجداد کی بیشتر تعریفیں کرتے تھے اُس سے بڑھکر خدا کی حمد وثنا کرو" اسطرح غالباً بہت سے جھگڑوں کی بیخ کنی ہوگئی لیکن اس کے ساتھ ہی اس سخت شارع نے وہ اثر بھی تباہ کر دیا جو اُن قومی بھاٹوں کی نظموں سے اس ملک والوں کی بہادرانہ صفات اور علمی لیاقت پر پڑتا تھا۔

عمرہ کی زیارت بھی علیٰ ہذا ایک قدیم رسم تھی جس کو محمد (صلعم) نے قایم رکھا اور بیان کیا جاتا ہے کہ وہ نماز مغرب اکثر اس مقام پر پڑھا کرتے تھے۔

طواف وسعی کی تھکا دینے والی رسوم ادا کرنے کے بعد مینے اپنے سر کا ایک حصہ منڈا دیا اور چونکہ اور کوئی میرا ٹھکانہ نہ تھا اسلئے حجام کی دکان میں ہی بیٹھا رہا۔ شہر میں قیام کے متعلق مینے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں کے سب مکان حاجیوں نے گھیر لئے ہیں تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی مجھے ملا اسنے ایک مکلف کمرہ مجھے رہنے کے لئے دیا جس پر میں نے قبضہ کر لیا اور چونکہ میرے پاس اسوقت کوئی ملازم نہ تھا اس لئے مالک مکان کیساتھ ہی مینے ہانڈی بابی کر لی۔ گھر والا اور اُسکے بال بچے ایک ذرا سے کھلے صحن میں چلے گئے جو میرے حجرے سے ملا ہوا تھا۔ یہ شخص مدینے کا رہنے والا تھا اور مطوف کا پیشہ کرتا تھا۔ اگرچہ اسکی معاشرت مکے کے متوسط لوگوں کی سی تھی۔ مگر پھر بھی میرے کوئی تین روپیہ روز خرچ ہو جاتے تھے چلتے وقت مجھے معلوم ہوا کہ کئی کپڑے بھی میرے خورجین میں سے اُس نے چرا لئے لیکن اسی پر خاتمہ نہوا رخصت کے دن اس نے میرے کمرے میں مع اپنے چند دوستوں کے میری بڑی دھوم دھام سے دعوت اور دوسرے دن تمام اخراجات کا حساب میرے سامنے پیش کر دیا۔

رمضان کے مہینے میں بیت اللہ میں ہزارہا چراغ روشن ہوتے ہیں اور بڑی رونق رہتی ہے اسلئے تمام پردیسی رات وہیں بسر کرتے ہیں۔ آدھی آدھی رات تک لیٹے بیٹھے رہتے ہیں۔ یہاں کا سماں یورپ کے آدھی رات کے منظر سے مشابہ تھا۔ البتہ عورتوں کی کمی تھی۔ مسلمانوں کے مقدس مقام میں یہ سماں میری امید سے زائد تھا۔ عید کی چاند رات کو بھی یہاں ویسی ہی چہل پہل اور خوشی نظر آتی ہے جیسی کہ مسلمانوں

کے اور شہروں میں۔ عید کے بعد تین دن تک بھی ایک عام مسرت کسی قدر نظر آتی ہے۔ بچوں کے خوش کرنے کے لئے گلیوں میں منڈوے گاڑتے ہیں اور مصری یہاں ملتی سڑکوں پر اپنے شعبدے دکھاتے ہیں لیکن اس کے سوا عید کی کچھ اور علامتیں یہاں نہ پائی گئیں۔ ہاں لباس بھی بھڑک کا نظر آتا تھا خصوصاً عرب مصریوں اور شامیوں دونوں سے ٹھسک میں بڑھے ہوئے تھے۔

یہاں رواج کے مطابق میں بھی قاضی مکہ سے عید ملنے گیا اور تین دن گزرنے کے بعد ضروری سامان خورد و نوش وغیرہ خریدنے کے لئے پندرہ ستمبر کو جدہ گیا بمقابلہ مکے کے وہاں تمام چیزیں سستی تھیں ساحل کے قریب مقام بحرہ پر وہابیوں کے ایک دستے نے مجھے قید کر ہی لیا تھا مگر خدا نے بچا دیا جدے میں مجھے تین ہفتے تک ٹھہرنا پڑا کچھ تو فراہمی سامان کی وجہ سے اور کچھ میری ٹانگوں کے پھوڑوں کی وجہ سے یہ بیماری اس ایذا رساں ساحل پر عام ہے یہاں اگر مچھر کے دو دوڑے کا بھی علاج نہ کیا جائے تو ایک زخم بن جاتا ہے۔

وسط ماہ اکتوبر میں جدے سے میں مکے لوٹ گیا اور اپنے ساتھ ایک غلام کو بھی لیتا گیا جسے میں نے یہاں جدے میں خریدا تھا۔ یہ لڑکا اس کاروان میں تھا جس کے ساتھ میں سوڈان سے سواکن گیا تھا اور بہ نسبت پیشتر کے میری حالت اس وقت بہت اچھی دیکھ کر وہ متعجب ہوا۔ میں نے یہاں سے ایک اونٹ بھر سامان خورد و نوش خریدا جس میں زیادہ تر آٹا، گھی اور بسکٹ تھے جدے میں بہ نسبت مکے کے ایک تہائی قیمت ادا کرنی پڑی مکے پہنچ کر میں نے ایک عمدہ مکان آبادی سے دور محلے المسفلہ میں کرایہ سے لیا اس مکان میں مجھے یہ بھی آرام تھا کہ اس کی کھڑکی کے سامنے بڑے بڑے درخت بھی تھے جن کی سبزی مکے کے ننگ اور جھلسے ہوئے پہاڑوں میں سے نظر آتی ہوئی میرے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھی یہاں میں بڑی آزادی سے رہنے لگا سوائے قاضی اور اس کے چند ہمراہیوں کے مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا تھا وہ بھی چند دن بعد چلے گئے یا تا اور اس کا دربار حج تک طائف میں رہا میں صرف ایسے لوگوں میں اٹھتا اور بیٹھتا تھا جن [illegible] سے ملکر طبیعت خوش ہوتی تھی اور چونکہ میں ایسے پردیسی صاحبوں سے جا ملتا تھا جو دنیا کے مختلف ملکوں سے آئے ہوئے تھے اس وجہ سے نہ کوئی میری نسبت ناگوار تحقیقات کرتا تھا۔ اور نہ کوئی مجھ سے الٹے سیدھے سوال کرتا تھا بالفرض اگر کوئی شخص میرے اصل اور نسل کی نسبت دریافت بھی کرتا تو میں اپنے تئیں مصر کے مملوک خاندان کا بگڑا ہوا امیر بتا دیتا مگر بات یہ ہے کہ ایسے مقام پر جہاں پردیسی کثرت سے رہتے ہوں کوئی کسی کو

پوچھتا ہے ۔ مصری مملوک بتا دینے میں یہ مصلحت مینے دیکھی تھی کہ اگر کوئی شخص وہاں کے حالات سے واقف ہو کر میری دروغ بیانی کا پتہ چلانے پر آمادہ بھی ہوتا تو مجھ پر شبہ نہیں کر سکتا تھا مگر اس قسم کی سراغرسانی کا بھی مجھے خوف نہ تھا۔ کیونکہ جھوٹ موٹ کچھ پتہ بتا دینا عموماً تمام مشرقی مسافروں کی عادت ہے اور خصوصاً مکے میں ایک ادنیٰ بات ہے۔ یہاں ہر ایک شخص زائد مصارف سے بچنے کے لئے اپنے تئیں مفلس ظاہر کرتا ہے ۔

مشرق کے میرے تمام سفروں میں کبھی مجھے ایسا آرام نہ ملا جیسا مکے میں اور اگرچہ میری صحت نے مجھے اُن تمام نعمتوں سے متمتع ہونے دیا جن کو میرا جی چاہتا تھا مگر جس آرام سے میرے یہ دن گزرے مجھے ہمیشہ یاد رہینگے۔

اب میں شہر مکہ اور اسکے باشندوں کے حالات اور حج کی کیفیت بیان کرتا ہوں پھر اپنے واقعات سفر کا ذکر کروں گا۔

حالاتِ مکۂ معظمہ

عربوں میں **مکہ** کے بڑے بڑے اچھے نام ہیں۔ ان میں نہایت مشہور **اُمّ القریٰ**، **مشرفہ**، اور **بلد الامین** وغیرہ ہیں۔ فیروز آبادی مصنف قاموس نے بہت سے نام لکھے ہیں۔ یہ شہر ایک تنگ ریتلی وادی میں آباد ہے جسکی خاص سمت شمال سے جنوب کو ہے لیکن کسیقدر شمال و مغرب کی طرف مائل ہے شہر کے جنوبی سرے کے پاس ایک وادی چوڑان میں مختلف ہے کہیں گھٹی تو سو گز رہگئی ہے اور زیادہ سے زیادہ سات سو گز تک ہے۔ جہاں وادی سب سے زائد چوڑی ہے وہ شہر کا خاص حصہ ہے شہر کے اندر تنگ گلیوں میں دکانوں اور مکانوں کی قطاریں چلی گئی ہیں اندرون شہر محلہ **شبیکہ** سے لیکر **معلی** تک کوئی پندرہ سو قدم کی جگہ گھیرے ہوئے ہے اور بیرون شہر **جرول** سے **معابدہ** تک تین ہزار پانسو قدم ہے پہاڑ جو اس وادی کے اردگرد ہیں انکی بلندی دو سو اور پانسو فیٹ کے درمیان ہے اور یہ بالکل سوکھے ہیں درختوں کا انپر کہیں نام نہیں۔ خاص پہاڑی سلسلہ مشرق کے طرف ہے وادی جنوب کے طرف کسی قدر ڈھلوان ہے یہیں محلہ **مسفلہ** واقع ہے اور یہ ایک کھلی ہوئی وادی میں ہے جسکا نام **وادی الطرفین** ہے۔ مینہ کا پانی شہر سے مسفلہ کے جنوب کیطرف چلا جاتا ہے شہر کا بہت سا حصہ خاص وادی میں آباد ہے

لیکن بعض ایسے بھی محلے ہیں جو پہاڑوں کے دامن میں واقع ہیں خصوصًا وہ محلے جو مشرق کی جانب پہاڑ کے ہی
سلسلے میں ہیں جہاں زمانہ قدیم میں قریش آباد تھے اور پرانا شہر بسا ہوا تھا مکے کو ایک خوشنما شہر کہا جا سکتا ہے
اسکی گلیاں بہ نسبت دوسرے اسلامی شہروں کے چوڑی ہیں مکانات بلند اور پتھر کے بنے ہوئے ہیں متعدد
کھڑکیاں جو سڑک کی جانب ہیں اُنسے ایک خوبصورت اور یوروپین شہروں کا سا منظر نظر آتا ہے مکے میں
اکثر مکان سہ منزلہ ہیں بعض پہ سفیدی بھی ہے لیکن یہاں پتھر کا سیاہ بھورا رنگ اچھا سمجھا جاتا ہے کیونکہ سفید
رنگ آنکھوں کے لئے مضر ہے جدے میں عمومًا سفید ہی رنگ ہے اسلامی شہروں میں جہاں گاڑیاں نہیں
چلتیں اسقدر سڑک کافی سمجھی جاتی ہے کہ برابر برابر دو لدے ہوئے اونٹ آسانی سے چل سکیں لیکن مکے
میں حج پر بیشمار حاجی آتے جاتے رہتے ہیں اسلئے یہاں زائد چوڑے رستوں کی ضرورت تھی تاکہ اُن کو چلنے پھرنے
میں آسانی ہو اور کھڑکیاں بھی یہاں اس غرض سے رکھی جاتی ہیں کہ دیسی پردیسیوں کو گلیوں کا منظر اچھی طرح
دکھائی دیسکے شہر ہر طرف سے کھلا ہوا ہے لیکن گرد و پیش کے پہاڑ اگر باقاعدہ طور پر محفوظ کر دئے جاتے تو
دشمن کے مقابلے میں یہ مقام زبردست قلعہ ہو جاتا۔

زمانہ سابق میں اس شہر کے گرد تین طرف دیواریں تھیں ایک تو معلّیٰ کی گلی کے قریب وادی کے
پار بنائی گئی تھی دوسری محلہ شبیکہ میں اور تیسری اُس وادی میں جو مسفلہ میں ہے ان دیواروں کی
مرمت ۸۱۶ھ اور ۸۲۸ھ میں ہوئی تھی اور پھر ایک سو برس بعد بھی کچھ ہوئی اب تک ان دیواروں کے کچھ
کچھ آثار پائے جاتے ہیں۔

شہر میں عام لوگوں کے ملنے جلنے کا مقام صرف حرم شریف ہے یہاں کوئی باغ و درخت سیر و تفریح کے لئے
نہیں ہے صرف حج کے زمانے میں یہاں کا منظر روح افزا ہو جاتا ہے۔ اور ہر محلہ میں بیشمار دکانیں کھل جاتی ہیں
جنمیں سامان کے انبار دکھائی دیتے ہیں۔ مکے میں کوئی عمارت ایسی نہیں ہے جہاں عام طور پر لوگ آئیں
جائیں اُٹھیں بیٹھیں یہاں کی پبلک عمارتیں پوچھو تو شریف کے چار پانچ بڑے بڑے مکان ہیں جن کو اب
غلے کا گودام بنالیا ہے۔ بیت اللہ ہے اور اُسکے متعلق کی کچھ عمارتیں اور مدرسے ہیں بس اللہ اللہ
خیر صلاح۔ مکے میں بمقابلہ کسی اور مشرقی شہر کے جو قد و قامت میں اتنا ہی بڑا ہو اسی بات کی کسر ہے یہاں
مسافروں کے ٹھہرنے اور سامان تجارت رکھنے کے لئے نہ تو خان ہیں نہ امیروں کے محل اور [illegible]
ہیں جنکی وجہ سے دوسرے اسلامی شہروں کے ہر محلے کی رونق بڑھ جاتی ہے ان چیزوں کے نہ ہونے سے

بھی کعبہ کی عظمت ہے اور اس لحاظ سے کہ مبادا کعبے کی ہمسری کا خیال دل میں پیدا ہو۔ یہاں والے کوئی
شاندار عمارت بناتے بھی نہیں۔

طرز تعمیر یہاں کا ویسا ہی ہے جیسا کہ جدے کا البتہ سڑکوں کی طرف کھڑکیاں زائد ہیں بہت سی کھڑکیاں
دیواروں سے آگے بڑھی رہتی ہیں اور ان پر نہایت عمدہ منبت کاری اور خوشنما نقاشی ہوتی ہے۔ انکے سامنے
چلمنیں لگی رہتی ہیں جس سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ تازہ ہوا آتی رہتی ہے اور مکھیاں مچھر گھسنے نہیں پاتے
ہر مکان میں چھجا بھی رہتا ہے جس پر مینہ کا پانی پرنالوں میں سے گزر کر آسانی سے بہہ جاتا ہے۔ مینہ یہاں
ایسا غیر مقررہ اوقات میں برستا ہے کہ پانی حوضوں میں اکٹھا ہی نہیں کیا جا سکتا۔ چھتوں پر چھوٹی سی منڈیر
بھی بنا دی جاتی ہے جس سے دوسرے مکانوں کا سامنا نہیں ہوتا۔ اسلامی شہروں میں پڑوس کے مکانوں
کا زنانہ مدنظر ہو جانا بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ ان شہروں میں مستورات کا اکثر وقت چاندنی پر ہی گزرتا ہے
کبھی اناج سکھانے کے لئے چڑھتی ہیں کبھی کپڑے دھو کر پھیلانے کے لئے جاتی ہیں۔

فرنگیوں میں صرف حلب کے فرنگی ہی اپنی چاندنیوں کا لطف اٹھاتے ہیں۔ وہ رنگین خوشنما بنی
ہوتی ہیں اور یہ لوگ گرمی کی راتوں میں اکثر وہیں اٹھتے بیٹھتے ہیں رات کا کھانا وہیں کھاتے ہیں اور
سو بھی وہیں رہتے ہیں۔

امیروں اور مالداروں کے مکانوں کو چھوڑ کر باقی مکے والوں نے تمام مکان کرایہ داروں کے ٹھہرانے کے لئے
بنائے ہیں اور اسی وجہ سے ہر مکان میں الگ الگ بہت سے حجرے ہوتے ہیں اور ہر ایک کے متعلق ایک چھوٹا
سا باورچی خانہ رہتا ہے۔ آجکل وہابیوں کی فتح کے قبل سے حج کو تنزل ہونے لگا ہے اور اسی وجہ سے بہت
مکی اپنے مکانوں کو کرایہ پر نہیں دے سکتے مکان خالی پڑے رہتے ہیں۔ مالکان مکان میں اتنی استطاعت
بھی نہیں کہ انکی مرمت کرا سکیں اور اسی وجہ سے مضافات شہر کی بہت سی عمارتیں بالکل منہدم ہو گئی ہیں
اور شہر کے اندر بھی بہت سارے مکانات بوسیدہ ہیں میں نے یہاں صرف ایک مکان نیا بنا ہوا دیکھا
یہ محلہ شبیکہ میں کسی شریف نے بنوایا تھا اور اسکی لاگت ڈیڑھ سو توڑے بیان کیجاتی تھی قاہرہ میں ایسا
مکان ساٹھ توڑوں میں بن سکتا ہے۔

مکے کی سڑکیں سب کچی ہیں گرمی کے دنوں میں خاک دھول اور برسات میں کیچڑ رستے والوں
کا ناک میں دم کرتی ہیں ذرا سے چھینٹے کے بعد سڑکوں پر سے گزرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ شہر کے اندر پانی بہکر نکلنا نہیں

اور جب تک کہ سوکھ نہ جائے جوں کا توں کھڑا رہتا ہے۔ مکے میں جو کوئی قدیمی عمارت نہیں پائی جاتی اسکی
وجہ یہی یہاں کا تباہ کن مینہ برسائی جاتی ہے جو اگرچہ زیادہ دیر تک تو نہیں برستا مگر پڑتا بڑے زور سے
ہے۔ خود بیت اللہ ہی کی مختلف بادشاہوں کے زمانے میں اتنی مرتبہ تعمیر ہو چکی ہے کہ اس کو زمانہ حال
کی عمارت کہنا چاہیے دوسرے مکانات میں سے تو مجھے یقین نہیں کہ کوئی بھی چار سو برس سے زیادہ کا
ہو۔ یہاں سیاح کو اسلامی طرز کی عمارتوں کا کوئی ایسا خوشنما نمونہ نہیں ملتا جیسا کہ شام مصر۔ بربر اور
اسپین میں ہے اور اس لحاظ سے مشہور و معروف مکہ، شام و مصر کے تمام شہروں سے گرا ہوا ہے۔ یہی حالت
مدینے کی ہے اور میرا خیال ہے کہ یمن بھی عمارتوں کی یادگار کے لحاظ سے مفلس ہی ہوگا مکے میں لیس تو
کا بھی ویسا انتظام نہیں ہے جیسا کہ دوسرے اسلامی شہروں میں عام طور سے ہے۔ سڑکوں پر رات کو قوت
بالکل اندھیرا رہتا ہے کسی قسم کا کوئی چراغ نہیں روشن کیا جاتا یہاں مختلف محلوں کے دروازے بھی نہیں
ہیں اور شہروں میں یہ حالت دیکھنے میں آئی کہ ہر محلے کا دروازہ بعد نماز عشا بند کر دیا جاتا ہے مکے
میں رات کے وقت ہر محلے میں بے دھڑک آمد و رفت ہو سکتی ہے اور شب گرد لوگوں کی یہاں کوئی روک
تھام نہیں ہوتی جیسی کہ مصر و شام کے شہروں میں ہوتی ہے۔
مکے میں گھروں کا کوڑا کرکٹ دروازوں کے سامنے گلیوں میں ڈال دیتے ہیں جو گرمی کے دنوں میں
اڑتا پھرتا ہے اور برسات میں کیچڑ بن کر بہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم اگلے زمانہ سے چلی آ رہی ہے
میں نے یہاں اطراف شہر میں ویسے ہی کوڑے کے ڈھیر دیکھے جیسے کہ ٹرکی کے بڑے بڑے شہروں میں پائے جاتے
ہیں پانی کے اعتبار سے میں کہہ سکتا ہوں کہ مکے میں جدے سے بہتر پانی نہیں ہے۔ مینہ کا پانی
اکٹھا کرنے کے لئے یہاں صرف چند تالاب ہیں اور کنوؤں کا پانی اسقدر کھاری ہے کہ وہ برتن وغیرہ
دھونے دھلانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔ البتہ حج کے دنوں میں غریب غربا پی بھی لیتے ہیں۔ [illegible]
چاہ زمزم میں اس کثرت سے پانی ہے کہ تمام شہر کے لئے کافی ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی بھاری ہے [illegible]
ہاضمہ کو خراب کرتا ہے علاوہ اسکے غریبوں کو اس سے حسب دلخواہ مشکیں بھرنے کی اجازت [illegible]
سب سے عمدہ پانی ایک نہر سے لایا جاتا ہے جو مکے سے چھ سات گھنٹے کے فاصلے پر نواح عرفات [illegible]
حکام وقت بجائے اسکے کہ اسی قسم کی اور نہریں تعمیر کرائیں وہ اس نہر کی صفائی کی بھی پروا نہیں کرتے
یہ نہر تو پوری سنگین بنی ہوئی ہے اور اسکا پکھٹ یعنی وہ حصہ جو زمین کے اوپر ہے پتھر اور [illegible]

میں نے سنا کہ اسے پچاس برس سے صاف نہیں کرایا گیا اس غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ اسکا بہت سا پانی شہر کے رستے میں سوراخوں اور دراروں میں ہو کر بہہ جاتا ہے۔ معمولی دنوں میں جتنا پانی اس سے بھرا جاتا ہے وہ مشکل یہاں کے باشندوں کے لئے کافی ہو سکتا ہے اور حج کے زمانہ میں تو میٹھا پانی ایک نایاب چیز ہو جاتا ہے چھوٹی سی مشک کہ ویسی ہی ایک آدمی دو اٹھا سکتا ہے بارہ آنہ کو آتی ہے اور یہ قیمت عربوں کے نزدیک بہت زائد ہے مکے میں دو مقام پر نہر زمین سے اوپر بہتی ہے وہاں چھوٹے چھوٹے حوض بنے ہوئے ہیں جنمیں پانی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ان حوضوں پر شریف کے غلام متعین رہتے ہیں جو شخص مشک بھرتا ہے اس سے کچھ قیمت لیتے ہیں۔ حج کے دنوں میں یہاں لوگوں کے جمگھٹ ہو لیتے ہیں اور پانی تک پہنچنے کے لئے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں گزشتہ محاصرے میں وہابیوں نے اس نہر کا سلسلہ کاٹ دیا تھا اور اس سے جو صدمہ اس عمارت کو پہنچا اسکی تلافی ایک عرصہ کے بعد مرمت سے ہوئی۔

اس نہر کی تاریخ جو عربی مورخوں نے بیان کی ہے وہ بہت طول وطویل ہے۔ زبیدہ خاتون ہارون الرشید کی بیگم پہلے ایک چشمے کو جسے عین نعمان کہتے ہیں اسکے منبع سے جو جبل قرا میں واقع ہے شہر میں لائی اسکے بعد عین عرفہ کو جو جبل قرا کی شمال کیطرف جبل شامخ سے نکلتا ہے اور حنین کی زرخیز وادی کو سیراب کرتا ہے عین نعمان سے لا کر ملا دیا اور آخر میں چار اور چشمے بروود۔ زعفران۔ میمون۔ اور مقاش سے اس کو مدد پہنچائی کچھ دن بعد نہر بند ہو گئی لیکن سنہ ۶۲۳ ہجری میں ملک کوک بوری شاہ اربل نے اسکی مرمت کرائی پھر ۷۲۶ھ میں سلطان ابو سعید خدابندہ کے حکم سے مرمت ہوئی اور تیسری مرتبہ ۸۱۱ھ میں شریف حسن ابن عجلان نے جو اس وقت حکمران تھا اسکی درستی کرائی لیکن کامل طور پر نہ ہوئی ۸۷۹ھ میں سلطان قائد بے مصری نے ایک بڑی رقم صرف کی سنہ ۹۱۶ ہجری میں مصر کے آخری چرکسی فرمانرواں میں سے ایک نے اسکو صاف کرایا لیکن اسکے بعد بھی نہر اکثر بند ہوتی رہی اور جب کبھی یہ بند ہو جاتی تھی تو مکے والوں اور حاجیوں کو بڑی مصیبت کا سامنا ہوتا تھا سنہ ۹۳۱ میں سلطان سلیمان نے اسکو از سر نو تعمیر کرنے کی کوشش کی مگر تکمیل کو نہ پہنچی آخر اسکے بیٹے سلطان سلیم ثالث نے بڑی کوشش اور بڑے مصارف کے بعد عرفات کے نیچے سے ایک راستہ پہاڑوں میں کھودا اور ایک نئی نہر بنوائی جو اب اس وقت موجود ہے سنہ ۹۰ میں سلطان سلیم کو شہر میں پانی لانے میں بڑی کامیابی ہوئی اور بڑی کثرت سے پانی آیا

نہر کی کل لمبائی کوئی سات آٹھ گھنٹہ کا رستہ ہے۔

مکے میں ایک چھوٹا سا چشمہ اور بھی ہے جو شریف کے بڑے محل بیت السعد کے پیچھے سے چٹانوں کے اندر سے نکلتا ہے۔ اسکا پانی ملک بھر میں سب سے اچھا بتایا جاتا ہے لیکن بہت ہی تھوڑا تھوڑا نتھرتا ہے۔ یہ چشمہ مقفل ہے اور خصوصیت کے ساتھ شریف کے خاندان ہی کے کام آتا ہے۔

فقیر، بیمار اور مفلس حاجی اکثر مکے کی گلیوں میں آتے جاتے لوگوں سے میٹھے پانی کا ایک گھونٹ بھیک مانگتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ خصوصاً اُن آبدار خانوں پر بہت دکھائی دیتے ہیں جو ہر کونے میں ہیں یہاں حج کے دنوں میں دو پارہ میں اور معمولی دنوں میں ایک پارہ میں ٹھلیا بھر پانی ملجاتا ہے۔

میں اب مکے کے مختلف محلوں کا حال بیان کرتا ہوں پھر بیت اللہ کا ذکر اور کچھ کیفیت اور حالات یہاں والوں کے لکھونگا۔

مکہ معظمہ کے محلے

جدے کی جانب سے چلتے چلتے جب مسافر مکہ معظمہ کی سرحد میں داخل ہوتا ہے تو اسکو ایک تنگ اور پتھریلی وادی کے ایک کونے کے گرد گھومنے کے بعد دو ناکے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ شریف غالب نے اپنے دارالحکومت کی حفاظت کے لئے بنوائے تھے۔ اس قسم کے منارے شہر کے اور دروازوں پر بھی بنے ہوئے ہیں۔ ان میناروں میں صرف آدمیوں کی گنجائش ہے چونکہ پہاڑیاں شہر کے دروازوں کے بالکل قریب ہیں اسلئے یہ منارے راستے کی حفاظت کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سابق میں یہاں کوئی پھاٹک تھا جسکی اب صرف دہلیز باقی رہگئی ہے یہ اس چھوٹی سی عمارت کے نزدیک ہے جہاں شریف کے آدمی تجارتی مال پر محصول وصول کرتے ہیں یہیں ایک قطار دوکانوں کی چلی گئی ہے اور کچھ نیچے نیچے ٹوٹے پھوٹے مکان بھی ہیں اس مقام کو جرول کہتے ہیں۔ اس محلے کے دائیں جانب بدویوں کے ڈیرے پڑے ہیں یہ لوگ سوداگری مال جدہ و مکہ کے درمیان لاتے لیجاتے ہیں یہ بدوی قبیلہ حرب، مطرف اور لحاوی سے تعلق رکھتے ہیں جرول کے آگے محلے کا نام بدلجاتا ہے جس کو الباب کہتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی گلی ہے اور بعض اچھے اچھے مکان یہاں بنے ہوئے ہیں یہ گلی محلہ شبیکہ تک چلی گئی ہے۔ یہ محلہ سیدھی جانب واقع ہے اور اسکی وجہ تسمیہ

کھیتوں کی آبپاشی ہوتی تھی ۔ سوق الصغیر کو بعض اوقات غلطی سے **مسفلہ** بھی سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ
یہ نام اس محلے کا ہے جو اس سوق کے مشرق و جنوب میں واقع ہے ۔

مسفلہ بھی **شبیکہ** کی طرح اچھا محلہ ہے اور اسمیں بھی کئی نئے مکان ہیں لیکن اسکا وہ حصہ جو
بڑے پہاڑ کی طرف ہے وہ بالکل برباد ہے یہاں عرب اور بدوی سوداگر رہتے ہیں جو صلح کے زمانہ میں یمن
اور خصوصاً **مخا** تک سفر کرتے تھے اور وہاں سے قہوہ غلہ اور سوکھے انگور لاتے تھے یہاں تہتسے عزیز و حبشی
مہاجر بھی رہتے ہیں یہ لوگ اپنے ہموطن حاجیوں کو زمانہ حج میں اپنے مکان کرایہ سے دیدیتے ہیں یہاں کے
اجڑے ہوئے مکانوں میں حبشی حاجی عارضی طور پر سکونت اختیار کر لیتے ہیں بعض انمیں کے **مکے** میں بھی رہ پڑتے
ہیں انکی عورتیں جو سے ایک قسم کا نشہ آور عرق بناتی ہیں جسے **بوزہ** کہتے ہیں یہاں کے کمین لوگ اس کے
پینے کے بڑے شایق ہیں ۔

یہ میں پیشتر کہہ چکا ہوں کہ جدے سے لوٹکر میں بھی **مسفلہ** ہی میں ٹھہرا تھا پہلے مینے ایک مغربی کا
کا مکان لیا تھا پھر اُسے چھوڑکر اسکے قریب ہی ایک یمنی سوداگر کے مکان میں چلا گیا یہ شخص شہر صنعا
علاقہ **یمن** کا ایک مطوف تھا یہ اول اپنے مکان کے ایک کرسی دار قطعہ میں رہتا تھا لیکن میرے زمانہ قیام
میں وہ اس سے نکلکر ایک چھوٹی کوٹھری میں جا رہا اس مکان کے دوسرے حصوں میں بھی اور لوگ رہتے
تھے ایک میں ایک مغربی زمیندار اور اسکی بیوی تھی اور ایک میں مصر کے کسی گاؤں کا شیخ جو کتنے ہی فلاحوں
کو لیکر حج کے لئے آیا تھا ۔ ایک میں ایک غریب افغان تھا اور ایک میں یونانی جزائر کا ایک حاجی رہتا تھا یمنی
سوداگر کے مکان میں میرے ارد گرد مغربی حاجیوں کی پارٹی تھی یہ لوگ بربری قوم کے تھے اور بحری راستے
سے مصر ہو کر یہاں آئے تھے ۔

اس محلے میں بہت کم مکان ایسے ہونگے جنمیں مختلف قوموں کے لوگوں کا عجیب مجموعہ نہو **مسفلہ**
کے جنوبی سرے پر ایک برباد مسافر خانہ ہے جو نئی حالت میں بھی ذلیل عمارت ہوگی اسمیں یمنی حجاج کا ایک
قافلہ اترا ہوا تھا یہ لوگ ساحل سے خشکی کے راستے سے آئے ہیں اور ایک درمینی کاروان کوہستان سے
بھی یہاں آیا ہوا ہے ۔

شہر کے اس حصے کی طرف بڑھتے چلنے سے ہم کو ایک منارہ خانقاہ ملتا ہے ۔ یہ میدان میں کھڑا ہوا ہے
اور ساخت میں ویسا ہی ہے جیسے کہ **جرول** کے دروازے کے پاس والے تھے ۔ یہاں سے ایک چوڑی وادی

جنوب کیطرف موضع **حسینیہ** کو جاتی ہے جو یہاں سے دو تین گھنٹے کا رستہ ہے اور وہاں کھجور کے کچھ درخت ہیں یہاں شریف کا ایک فرحت باغ اور ایک دیہاتی مکان ہے جس میں انہوں نے مصر سے بھینسیں منگا منگا کر رکھی ہیں مگر یہ جانور یہاں پنپتا نہیں **حسینیہ** سے ایک سڑک نکل کر جنوب و مشرق میں پہنچتی ہوئی **عرفات** کو جاتی ہے۔ اسی سڑک پر یہاں سے دو تین گھنٹے کے راستے پر ایک چھوٹی سی زرخیز وادی ہے جسے وادی طرفین کہتے ہیں یہ مقام قبیلہ **عبیدیہ** کا مسکن ہے۔ دامن شہر سے ایک میل پر پرانی آبادی کے کھنڈر دکھائی دیتے ہیں انہیں کئی بڑے بڑے گہرے عمدہ حوض بھی ہیں جو تھوڑی سی مرمت کے بعد اپنی اصلی حالت پر آسکتے ہیں اور ان میں مینہ کا پانی جمع ہو سکتا ہے۔ شہر سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک بڑا سنگین حوض ہے جسے برکتہ **معجن** کہتے ہیں۔ یہ مصری قافلہ کو پانی پہنچانے کے لئے بنایا گیا تھا اسمیں تھوڑا سا پانی میں نے اب بھی دیکھا۔ لیکن یہ آجکل منہدم ہوتا جا رہا ہے۔ اسی حوض کے آگے **مسفلہ** والے کچھ کھیت کرتے ہیں اور ایک آدھ اچھا پانی پڑ جانے کے بعد ترئیاں اور مختلف قسم کی دوسری ترکاریاں بو دیتے ہیں یہاں اس وادی میں قبائل فہلم اور جہادل کی بہت سی جھونپڑیاں پڑی ہوئی ہیں یہ لوگ پہاڑوں میں سے گھاس اور روکھڑیاں **مکے** میں لا کر بیچتے ہیں اور اسطرح اپنی گزر کرتے ہیں۔ گھاس کو موڑ کر یہاں گٹھے بنا دیئے جاتے ہیں اور وہ اونٹ گھوڑے اور گدھوں کے کام آتی ہے لیکن گھاس کی اسقدر قلت ہے اور اتنی مہنگی ہے کہ دن بھر میں ایک گھوڑا سات آٹھ آنہ کی گھاس چٹ کر جاتا ہے۔ یہ بدوی بھیڑیں بھی پالتے ہیں اور اگرچہ یہ بہت ہی غریب ہیں مگر انکا ڈھنگ مکے کے ادنیٰ درجے کے لوگوں سے بالکل جدا ہے یہ ہمیشہ انکو طعنے دیا کرتے ہیں کہ تم لوگ جھوٹے دغا باز ہو گئے۔ انہیں کے بعض بدوی شہر میں پانی بھی بھرتے ہیں۔

وادی طرفین کے مغربی سرے پر مسفلہ کے بالکل سامنے وہابیوں کے حملے سے قبل حضرت عمرؓ کی یادگار میں ایک گنبد بنا ہوا تھا اور اسی وجہ سے اسکا نام مقام **سبیل** ناعمر تھا وہابیوں نے اسکو نیست و نابود کر دیا مسفلہ کے سامنے جو پہاڑ ہے اسکی چوٹی پر ایک بڑا قلعہ بنا ہوا ہے اسکی دیواریں بہت موٹی اور مینار بھی ہیں اس سے شہر کے بہت بڑے حصے کی حفاظت ہو سکتی ہے لیکن کئی چوٹیاں اس سے بھی زیادہ بلند ہیں میں نے سنا کہ یہ قلعہ شریف غالب کے مورث شریف سرور نے بنوایا تھا مگر میرے خیال میں یہ زائد قدیمی عمارت ہے **اصمعی** کا بیان ہے کہ یہ قلعہ چودھویں صدی عیسوی میں موجود تھا مگر یہ نہیں بتایا کہ کسنے بنوایا ہے۔ کوئی

شخص حاکم مکہ کا پروانہ حاصل کئے بغیر اسکے اندر داخل نہیں ہو سکتا مینے علاوہ تکلیف کے بہ نظر احتیاط بھی مناسب نہ سمجھا کہ حاکم کا احسان لوں ۔ غالب نے اسکی مرمت کراکے بہت مضبوط کردیا ہے اور اسپر بھاری بھاری توپیں چڑھا دی ہیں یہ بھی مشہور ہے کہ اُسنے اس قلعہ کے میگزین کو ایسا بنا دیا ہے کہ اگر اس پر گولا بھی پڑے تو کچھ اثر نہ ہو اسکے اندر ایک بڑا حوض اور ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور کوئی ایک ہزار فوج اسمیں آسکتی ہے ہم لوگوں کے نزدیک یہ اچھا قلعہ ہے اور مکے والے بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں ۔ فرنگیوں کے مقابلہ کی بھی یہ تاب لاسکتا ہے ایک تنگ ڈھلوان رستے سے اسکے اوپر چڑھتے ہیں ۔ قلعے کی پہاڑی کے نیچے موجودہ شریف کا محل بنا ہوا ہے اسے بیت السعد کہتے ہیں اسکو بھی سرور نے ہی بنایا تھا لیکن مینے تاریخ اصمعی میں اسکا ذکر دیکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سو برس قبل کا بنا ہوا ہے اسکی دیواریں بھی بہت بلند اور موٹی ہیں اور گویا قلعہ کا یہ بھی ایک حصہ ہے ۔ مکے والے کہتے ہیں کہ اسمیں سے قلعہ تک اندرونی راستہ بھی ہے یہ ایک بے قاعدہ عمارت ہے اسمیں بہت سے بڑے بڑے صحن، دالان اور تیرہ و تاریک کمرے بنے ہوئے ہیں جب شریف غالب دشمن کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر جدے بھاگ گیا تھا اسوقت سے اسمیں کوئی رہتا بھی نہیں ۔ شریف نے اُسوقت آگ لگا کر اسکو تباہ کر دینا چاہا تھا لیکن یہ بڑا مضبوط نکلا جلا نہیں ۔ ترکوں نے محمد علی کے زیر کمان اب اسکو قلعے کا میگزین بنا لیا ہے ۔

اس سے ملا ہوا جو میدان ہے اور جہاں پیشتر شریف کی فوج کی قواعد ہوا کرتی تھی اسمیں مینے چند ساربانوں کے ڈیرے دیکھے یہ لوگ ہفتہ وار جدے یا طائف کا سفر کرتے رہتے ہیں یہاں بعض مفلس حاجیوں نے بھی جو مکان کا کرایہ نہیں دے سکتے لکڑیوں پر چیتھڑے پھیلا کر سڑل ڈیرے بنا لئے ہیں مینے دیکھا کہ اس محل کی شکستہ چھت میں سے سپاہی جلانے کے لئے لکڑیاں گھسیٹ رہے تھے ۔ محل کے شمال کی جانب پہاڑ کے تنگ رستے میں پھوس کی بہت سی چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں پڑی ہیں یہ شریف غالب کے غلاموں کے گھر تھے اور بطور سپاہیوں کے وہ محل کی حفاظت کرتے تھے ۔ شریف کی قید کے بعد انمیں سے بہت سارے بھاگ گئے اور اب یہ چھپر موجودہ شریف یحییٰ کے ملازم عرب سپاہیوں کے بارک بنگئے ہیں ۔ یہاں سے بیت اللہ کی جانب سیدھے ہاتھ کی طرف مڑنے سے ہم ایک اور چھوٹے محلے میں پہنچے یہ محلہ پہاڑ کے دامن میں آباد ہے یہاں بہت سے ٹوٹے پھوٹے مکان ہیں اسکو الجیاد کہتے ہیں بہت سے غریب اور شریف خاندان کے بعض ادنیٰ ملازم یہاں رہتے ہیں اصمعی اس محلے کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتا ہے کہ

کہ جب تبع بادشاہ یمن نے مکے پر حملہ کیا تھا تو یہاں کچھ سواروں نے مقابلہ کیا تھا یہ وہ واقعہ ہے جسمیں دشمن کی فوج کی تباہی مسلمان مورخ بطور معجزے کے ظاہر کرتے ہیں ۔ غالبًا یہ شہر کا سب سے پرانا حصہ ہے ۔ بیت اللہ کے قریب میدان کے دونوں جانب شریف کا ایک محل ہے اسکے شمالی حصے میں دو شاندار مکان ہیں جنمیں شریف یحییٰ رہتا ہے اسکی عورتیں سامنے جنوبی رخ کے مکان میں رہتی ہیں یہ مکان بھی شریف غالب نے بنوایا تھا اور وہ اکثر اسمیں رہا کرتا تھا یہ مکان اُسے بہت پسند تھا کیونکہ یہ بیت اللہ کے نزدیک بھی ہے ۔ شہر کے وسط میں ہے اور اسکا صحن بھی بہت بڑا اور کشادہ ہے ۔

اس جگہ شمال کیطرف چلتے چلتے مسجد (بیت اللہ) کے محاذی ایک اور محلے میں داخل ہوتے ہیں اسے مسعیٰ کہتے ہیں ۔ مسعیٰ تک پہونچنے سے قبل ایک چھوٹی گلی اور آتی ہے جسے محلہ صفا کہتے ہیں اسکا یہ نام کوہ صفا کی وجہ سے پڑ گیا ہے اس محلے کے مکانات نہایت خوشنما ہیں اور یہاں حج کے زمانہ میں سب سے زیادہ مالدار حاجی ٹھہرتے ہیں ۔ یہیں ایک بڑے مکان میں مسجد کے خوجوں کا آغا (سردار) رہتا ہے ۔ اور اسی کے زیر تعلیم و تربیت تمام خوجے لڑکے بھی جوان ہونے تک یہاں رہتے ہیں ۔

اب ہم مسعیٰ میں مڑتے ہیں کہ جسمیں یہ سڑک سب سے زیادہ لمبی سیدھی اور سب سے اچھی بنی ہوئی ہے اسکا یہ نام رسم سعی سے ماخذ ہے ۔ سعی اسی گلی میں کیجاتی ہے جسکا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں ۔ یہ مقام دکانوں سے بھرا ہوا ہے اور سب سے زائد آباد محلہ ہے اور ہر وقت یہاں شور و غل ہوتا رہتا ہے ۔ یہ دکانیں اسی قسم کی ہیں جنکا ذکر جدے کے حالات میں کیا گیا ہے ۔ البتہ یہاں چند ٹین گر زائد ہیں جو چھوٹی بڑی ہر قسم کی ٹین کی کپیاں بنایا کرتے ہیں جنمیں حاجی واپسی وطن کے وقت آب زمزم لیجاتے ہیں یہاں کی دکانیں عمومًا گودام سی ہوتی ہیں جنکے سامنے پتھر کی ایک بنچ رکھدیجاتی ہے اسپر دکاندار بیٹھتے ہیں اور لمبے لمبے بانسوں میں چھپاتی باندھکر سر پر سایہ کر لیتے ہیں ۔ یہ طریقہ تمام حجاز میں ہے ۔ مسعیٰ کے کل مکان ترکی حاجیوں نے کرایہ پر لے رکھے ہیں ۔ جدے میں حاجیوں کے قافلے جو یہاں آتے ہیں چار پانچ مہینے تک ہر روز صبح کو آتے رہتے ہیں انکا سامان بھی پہلے عمومًا اسی گلی میں رکھدیا جاتا ہے پھر وہ بیت اللہ کی زیارت کرتے ہیں اسکے بعد مکان کی تلاش کرتے ہیں اسوجہ سے میںنے اس گلی کو نئے مسافروں اور نئے مطوفوں سے بھرا ہوا دیکھا میرے قیام کے زمانہ میں مسعیٰ قسطنطنیہ کے بازار سے مشابہ تھا بہت سی دکانیں ایشیائے کوچک اور یورپ کے ترکوں نے یہاں لگا رکھی ہیں جنمیں وہ مختلف قسم کا سامان

بِک رہے تھے ۔ یہ مال کچھ تو مُردوں کا تھا اور کچھ ان لوگوں کا جنہوں نے ضرورت کے مارے نکالدیا تھا اسمیں عمدہ تلواریں، خوشنما انگریزی گھڑیاں اور خوشخط قرآن بکثرت تھے ۔ یہ تین چیزیں تُرکی حاجیوں کے سامان میں بیش قیمت ہوتی ہیں اور اکثر یہی بکتی رہتی ہیں ۔ قسطنطنیہ کے حلوائی صبح یہاں حلوے اور دُ مٹھائی بیچتے ہیں دوپہر کو کباب اور شام کو ایک قسم کی میٹھی چٹنی جسے محالبہ کہتے ہیں ۔

ناظرین کو تعجب معلوم ہوگا کہ رات کے وقت یہاں دو کانوں میں شراب بھی علانیہ بکتی ہے اگرچہ دن میں نہیں فروخت کیجاتی لیکن رات میں اسکی خوب گرم بازاری رہتی ہے ۔ ایک قسم کی شراب اُبلی ہوئی کشمش سے بنائی جاتی ہے اور اگرچہ اسمیں بہت سا پانی ملا دیا جاتا ہے مگر پھر بھی اسقدر تیز ہوتی ہے کہ اُس کے چند گلاس نشہ پیدا کر دیتے ہیں دوسری قسم بوزہ ہے اسمیں مسالے ملا دیتے ہیں اور اس کو صبعی کہتے ہیں یہ شربت قاہرہ میں بھی بنتا ہے مگر اتنا تیز نہیں ہوتا ۔

مسعیٰ میں بڑے بڑے مجرموں کو قتل بھی کیا جاتا ہے ۔ میرے قیام کے زمانے میں قاضی کے حکم سے ایک شخص کی گردن اس قصور پر ماری گئی تھی کہ اُس نے کسی ترکی حاجی کے دوسو پونڈ (تین ہزار روپئے) لوٹ لیئے تھے ۔ اگرچہ حج کے دنوں میں مکہ چوروں سے بھر جاتا ہے مگر سزا کی یہی ایک مثال تھی جس کا مجھے علم ہوا ۔ البتہ تاریخ مکہ میں بہت سی نظیریں نہایت بیرحمی کی سزاؤں کی موجود ہیں مثلاً سنہ ۱۶۲۲ء میں دو چوروں کی اسی گلی میں کھال کھینچی گئی تھی ۔ سنہ ۱۶۲۹ء میں یمن کے ایک فوجی افسر کو یہاں کے حکمران شریف نے قید کر کے اُسکے دونوں بازو اور کندھے کئی جگہ سے چھیدے اور جلتے ہوئے چراغ اسکے زخموں پر رکھے پھر ایک پاؤں اسکا اوپر کیطرف موڑ کر اور لوہے کے ہک سے اسکی مشکیں باندھکر معلیٰ کے ایک درخت میں دو روز تک اس کو لٹکا رہنے دیا یہانتک کہ وہ اسی تکلیف میں مر گیا ۔ آنکھیں پھوڑ دینا جو مشرق میں ایک معمولی سزا ہے حجاز کے گورنروں نے کبھی کسی کو نہیں دی ۔

مسعیٰ میں بیت اللہ سے ملحق ایک خوشنما عمارت ہے جو ۸۸۲ھ ہجری میں قائد بے سلطان مصر نے تعمیر کرائی تھی اسمیں بہتر کمرے تھے یہاں اُسنے بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا اور نہایت قیمتی کتب خانہ بھی اسمیں رکھا تھا ۔ مورخ قطب الدین مکی جو اس عمارت کی تعمیر کے سو برس اور یہاں کے کتب خانے کا محافظ تھا بیان کرتا ہے کہ اب صرف تین سو کتابیں رہگئی ہیں باقی سب کتابیں اسکے قبل کے بدنیت محافظوں نے چرالیں ۔ مسعیٰ کے شمالی سرے پر ایک جگہ ہے جسے مروہ کہتے ہیں یہاں سعی ختم ہوتی ہے اسکا ذکر

پیشتر کیا جا چکا ہے یہ ۱۰۰۱ ہجری میں بنائی گئی تھی اسکے پیچھے ایک مکان ہے جو عباسؓ عم رسولؐ کا اصلی مسکن تھا۔ مروہ کے قریب حجاموں کی دکانیں ہیں سعی ختم کرنے کے بعد حاجی یہاں سر منڈاتے ہیں۔ اسی جگہ دو ہراج خانہ بھی ہیں جہاں ہر روز صبح نیلام ہوا کرتا ہے اور کپڑے اور مختلف سامان بڑی بڑی بولیوں پر چھوٹتا ہے ترکی حاجیوں کی خاطر سے اُنکی زبان بھی اس موقعہ پر بولی جاتی ہے۔ مکے میں کوئی کوئی لڑکا بھی مشکل ایسا نکلیگا جسے کم سے کم ترکی زبان کی گنتی نہ آتی ہو یہاں ایک حوض بھی ہے اسے **سلطان سلیمان بن سلیم** نے بنوایا تھا۔ اسمیں مکے کی نہر سے پانی آتا ہے۔ یہ وقف ہے اور اسپر دن بھر ہجوم رہتا ہے۔ حاجی آتے ہیں اور مشکیں بھر لیجاتے ہیں۔

مسعیٰ کے شمالی جانب جہاں اسکی حد مروہ کے پاس ختم ہوتی ہے ایک اور گلی جاتی ہے جسے **سوق** یعنے چھوٹا بازار کہتے ہیں۔ یہ مسجد کی مشرقی سمت کے برابر برابر چلا گیا ہے اور اگرچہ یہ تنگ ہے مگر شہر بھر میں سب سے زیادہ صاف گلی ہے۔ یہاں ہر روز باقاعدہ طور پر جھاڑو دیجاتی ہے اور چھڑکاؤ ہوتا ہے یہ حالت مکے میں کسی اور سڑک کی نہیں ہے۔

یہاں ہندوستان کے مالدار سوداگر کشمیری شالیں اور ململ وغیرہ فروخت کرتے ہیں یہاں بیس پچیس دوکانیں عطاروں کی بھی ہیں جنمیں عطریات، میٹھا تیل، مکے کا روغن بلسان اور اگر وغیرہ بکتا ہے بہت کم حاجی ایسے ہونگے جو اپنے دوستوں اور عزیزوں کے لیئے یہاں سے کچھ نہ کچھ تحفے اور تبرک لیکر نہ لوٹتے ہوں۔ تسبیحیں، عطر، مکے کا خوشبودار مرہم اور عود اکثر لوگ خریدتے ہیں مشرق میں عود کا بہت استعمال ہے جب اسکا ٹکڑا حقے میں جلتے ہوئے تمباکو پر رکھدیا جاتا ہے تو بڑی اچھی خوشبو دیتا ہے۔

بعض دکانوں میں یہاں مونگے کے ہار۔ جھوٹے موتی۔ تسبیحیں، اگر، صندل یا کسی اور خوشبودار لکڑی کے گلے میں پہننے کے چکدار منکے۔ انگوٹھیوں کے نگینے اور مختلف قسم کا چینی کا سامان بکتا ہے یہ سب دکانیں ہندوستانیوں کی ہیں اور ان کا مال بھی ہندوستانی ساخت اور ہندوستانی دساور ہے ان لوگوں سے عرب بہت متنفر ہیں عام خیال یہ ہے کہ یہ لوگ بت پرست ہیں اور محض دکھانے کے لیئے اسلامی عقائد کے پیرو ہیں یہ **اسماعیلیہ** فرقے کے سمجھے جاتے ہیں یعنے وہ باطنی پر اسرار درویش جنکا ذکر مینے سفر لبنان کے حالات میں کیا ہے جنکا نام عرب میں ہندوستانی مشہور ہے اس فرقے کے کوئی بارہ آدمی یہاں ہیں ان کے علاوہ اور بھی سال بسال حج کے لیئے آتے رہتے ہیں یہاں سے یہ لوگ

پرانا سونا چاندی خرید کر سورت لیجاتے ہیں۔ وہیں سے یہ عموماً آتے ہیں بعض بعض انہیں کے مکے میں دس دس
برس سے رہتے ہیں اور بظاہر تمام فرائض مذہبی ادا کرتے ہیں یہ ایک بڑا مکان کرایہ پر لے لیتے ہیں
اور سب ملکر اسمیں رہتے ہیں مزا یہ ہے کہ چاہے اُس مکان کے بہت حصے خالی ہی کیوں نہ پڑے رہیں مگر یہ
کبھی کسی پردیسی کو اُسمیں اترنے دیتے برخلاف دوسرے ہندی مسلمانوں کے یہ لوگ کبھی اپنی عورتوں کو بھی
حج کے لئے نہیں لاتے حالانکہ یہ ذی مقدور ہیں اور اچھی طرح مصارف سفر برداشت کرسکتے ہیں۔ ایک یہ بات
بھی عجیب ہے کہ یہ لوگ خواہ کتنے ہی عرصہ دراز تک مکہ میں رہیں مگر کبھی یہاں شادی نہیں کرتے اور
ہندوستانیوں کی یہ حالت ہے کہ وطن میں بیوی موجود ہوتے ہوئے یہاں بھی شادیاں کرلیتے ہیں مکے
میں انکی نسبت بھی وہی کہانیاں مشہور ہیں جو مینے شام کے اسماعیلیوں کی نسبت سنی تھیں مینے ہر چند
کوشش کی کہ ان کے خفیہ عقائد کا پتہ چلاؤں مگر شام کی طرح یہاں بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا یہ بیان کیا جاتا ہے
کہ اسماعیلیوں کا مستقر ہندوستان میں تھا اور یہ لوگ ہندوستان و شام کے درمیان باقاعدہ خط و کتابت
رکھتے تھے۔ چراغ بجھانے والے فرقے کا وجود عراق و ہندوستان میں بتایا کیا جاتا ہے اور بہت سے
ہی شام و ہندوستان کے اسماعیلی شاید تعلق رکھتے ہوں مگر مکے میں مینے جنکو دیکھا اُن کی صورت بہ نسبت
ہندوستانیوں کے ایرانیوں سے زیادہ ملتی ہوئی تھی سویقہ کے بیچ میں جہاں گلی صرف چھ قدم چوڑی
رہگئی ہے دونوں طرف پتھر کی بنچیں بچھی ہیں یہاں حبشی لونڈی، غلام بکنے کے لئے بیٹھے رہتے ہیں اور چونکہ
خوبصورتی ہمیشہ قدرتی طور پر دلکش ہوتی ہے اسلئے ان بنچوں پر ہر وقت جوان بڈھے حاجی بیٹھے نظر آتے
ہیں اکثر یہ لوگ سوداگروں سے لین دین کے حیلے سے یہاں لونڈیوں کو گھورنے کے لئے آ کھڑے ہوتے ہیں
انہیں سے بہت سارے لونڈی، غلام ترکی شمالی حصوں میں جاتے ہیں سب سے خوبصورت کی قیمت سوا دو سو دو ہی سو
روپیہ تھی۔ سویقہ کے سرے پر گلی ایک اونچی لداؤ کی سنگین چھت سے ڈھکی ہوئی ہے جس کو ہر طرف سے
کئی اونچی اونچی عمارتیں جو مالدار سوداگروں کے گودام ہیں سنبھالی ہوئی ہیں ان عمارتوں کو محمد پاشا
دمشقی نے بنوایا تھا۔ اب یہ مسجد کی ملک ہیں دوپہر کے وقت شہر کا یہ حصہ سب سے زیادہ ٹھنڈا رہتا ہے
اور اس وجہ سے آدمی اسے گھیرے رہتے ہیں سویقہ میں اکثر بھلے آدمی دل بہلانے کے لئے حقہ پیتے
ہوئے صبح شام بیٹھے رہتے ہیں مینے بھی یہاں ایک عطر فروش سے ملاقات پیدا کرلی تھی اور ہر روز
ایک ایک گھنٹہ صبح شام اسکی دوکان پر بیٹھا ہوا مزے سے اپنا ناریل پیا کرتا تھا اور تھوڑے سے اسکی توضع

کرتا تھا۔ یہاں مجھے مختلف خبریں ملجاتی تھیں کہ کونسا بڑا حاجی یہاں آیا ہے۔ قاضی کے روبرو کون کونسے مقدمات پیش ہیں۔ محمد علی کی فوج میں کیا ہو رہا ہے۔ تجارتی کاروبار کا کیا رنگ ڈھنگ ہے۔ بعض وقت یہاں یورپ کی خبروں پر بھی بحث ہونے لگتی۔ مثلاً بونا پارٹ کے حشر پر جو حاجی قسطنطنیہ یا یونان سے یہاں آتے ہیں وہ یورپ کی خبریں بھی ہمیشہ یہاں لاتے ہیں۔

میں عموماً سویرے اندھیرے اور جھٹپٹے کے وقت شہر کے گرد ٹہلا کرتا ہوں قہوہ خانوں میں جاتا ہوں یہاں بدویوں سے ملاقات ہوتی رہتی ہے انکو جہاں قہوے کی ایک پیالی مینے پلادی۔ اور پھر یہ بیچارے سب حالت اپنے ملک کی بیان کر دیتے ہیں۔ رات کا کچھ حصہ میں بیت اللہ میں گزارتا ہوں جہاں ہمیشہ ٹھنڈی ہوا چلتی رہتی ہے۔ یہاں میرا غلام ایک شطرنجی میرے لئے بچھا دیتا ہے اور جب کہ دوسرے حاجی نماز پڑھنے یا طواف میں مصروف رہتے ہیں میں دور دراز ملکوں کی یاد میں محو رہتا ہوں۔

سویقہ کے مشرقی سرے پر گلی کا نام بدل گیا ہے یہاں اسکو شامیہ کہتے ہیں اسکے پاس کی گلیاں جو پہاڑ یا بیت اللہ کو جاتی ہیں انکا بھی یہی نام ہے۔ شامیہ کے آخری چھور پر محلہ شبیکہ اور باب العمرہ شروع ہوجاتا ہے۔

شہر کا یہ حصہ اچھا بنا ہوا ہے اسمیں اکثر مالدار تاجر اور وہ علماء رہتے ہیں جن کا تعلق بیت اللہ سے ہے موسم حج میں تو یہاں بہت سی دکانیں کھل جاتی ہیں لیکن اور دوکانوں میں بھی خاص اس گلی میں کئی دکانیں شامی سوداگروں کی رہتی ہیں جن میں وہ اپنے ملک کی دساور اور پیداوار بیچتے ہیں اور اسی وجہ سے اس محلہ کا نام شامیہ پڑ گیا ہے۔ ان دکانوں میں حلب و دمشق کا ریشمی مال۔ حلب کا سنہری روپہلی کلابتوں۔ دمشق کی ساخت کے رومال جنکو قبا کہتے ہیں۔ لبنان کا ریشم اناطولیہ کے عمدہ قالین، حسا کی عبائیں۔ دمشق کے قمرالدین[1]۔ اور خشک میوے فروخت ہوتے ہیں۔

مکے کے تمام شامیوں میں مجھے ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جس کو میں نے اسکے ملک میں دیکھا ہو البتہ حاکم فلمیرا کا لڑکا مجھے دکھائی دیا تھا مگر وہ مجھ کو پہچانتا نہ تھا یہ دو تین سو اونٹوں کے ساتھ پانچ سے دمشق کے سامان کو پہنچانے کے لئے یہاں آیا تھا۔

---

[1] شفتالو کے رس کو پتوں پر پھیلا کر کاغذ کے طور پر بنا لیتے ہیں اس کو قمرالدین کہتے ہیں ۱۲

شامیہ میں ہو کر جب سویقہ کی طرف لوٹتے ہیں تو ان گلیوں کے شمال کے رخ ایک اور محلہ ملتا ہے
جسے قرارہ کہتے ہیں یہ شہر کا سب سے زیادہ مشہور محلہ ہے اور سب سے اچھا بھی بنا ہوا ہے۔ حجاز کے دو
نامی گرامی تاجر جیلانی اور ثقات برس کے بارہ مہینے قریب قریب یہیں رہتے ہیں اور جدہ سے فراغت
جاتے ہیں یہاں ہندوستانی جہازوں کا بیڑا انکی موجودگی وہاں ضروری خیال کرتا ہے محلہ قرارہ میں
[illegible] بیگمات نے بھی خواجہ سراؤں کی ایک دھاڑ کے ساتھ آجکل قیام کیا ہے۔ یہاں کے مکان
سہ منزلہ و چہار منزلہ ہیں بعض پر نہایت عمدہ رنگ آمیزی و نقاشی کی ہوئی ہے اور ان میں بڑے
بنے ہوئے ہیں۔

یہاں شریف غالب نے بھی ایک محل بنوایا ہے اور اسکے جتنے محل مکے میں ہیں ان میں یہ سب سے اچھا ہے
وہ خود جاڑوں میں یہاں رہا کرتا تھا اب اسمیں بعض فوجی افسر پڑے ہوئے ہیں جس سے یقین ہے کہ
جلد برباد ہو جائے گا۔ یہ مکے کے دوسرے مکانات سے بڑا ضرور ہے اور کھڑکیاں بھی بہت ہیں ورنہ
فن تعمیر کے لحاظ سے اسمیں کوئی خاص خوبی نہیں ہے۔ اس محل کے قریب پہاڑی پر غالب نے ایک قلعہ
بنوایا تھا اس پر مضبوط منیاریں بھی ہیں جب ترک کی فوج حجاز کی طرف بڑھی تھی تو شریف نے اس پر توپیں
چڑھا دی تھیں اور سدیوں خوب بمباری کی تھی مگر اسکے قید ہوتے ہی شہر کی فوج کی طرح قلعہ کی فوج نے بھی
اطاعت قبول کر لی جس پہاڑ پر یہ قلعہ بنا ہوا ہے اسکا نام جبل لعلع ہے اور اکثر شاعر اس پہاڑ کا ذکر
اپنے کلام میں لاتے ہیں۔

اس پہاڑ کے مقابل میں جنوب مشرق کی طرف ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک اور قلعہ بنا ہوا ہے اس کو
بھی غالب نے ہی بنوایا تھا اس پہاڑی کو جبل ہندی کہتے ہیں کسی کشمیری شیخ کا مزار یہاں ہے اس کے
باعث پہاڑی کا یہ نام مشہور ہو گیا ہے۔

آجکل اس قلعہ کے برج میں چند ہندوستانی خاندان رہتے ہیں یہاں ایک حوض ہے جسمیں مینہ کا پانی اکٹھا
ہو جاتا ہے اور یہ لوگ مزے سے پیتے ہیں۔ مکے والے اب اس پہاڑ کو جبل قعیقعان کہتے ہیں۔
ازرقی کا بیان ہے کہ جبل قعیقعان یہاں سے اور آگے شمال کی طرف ہے وہ لکھتا ہے کہ جب یمن کی فوج
نے زیر کمان تبع جبل جیاد پر قبضہ کر رکھا تھا اس وقت مکے کی فوج جبل قعیقعان پر ٹھہری ہوئی تھی
اسکے غل پکار اور ہتھیاروں کی آوازوں کی وجہ سے اس پہاڑ کا یہ نام مشہور ہوا ان دونوں پہاڑوں

بیچ میں کچھ اجڑے مکان ہیں جنہیں نہایت غریب لوگ خصوصاً ہندی مہاجر رہتے ہیں۔

قرارہ سے مشرق کیطرف مڑکر محلہ رکوبہ میں پہونچتے ہیں۔ عمارتوں کے اعتبار سے یہ بھی قرارہ سے مشابہ ہے۔ یہاں سے آگے بڑھکر ہم دوسرے محلے میں پہنچے جسے **مدعیٰ** کہتے ہیں اور پھر **مسعی** ہو کر صفا کے حدود میں داخل ہوئے تاکہ شہر کے مشرق کیطرف کے محلوں کو بھی دیکھ لیں۔

صفا کے قریب سے ایک چوڑی گلی **مدعیٰ** کے برابر برابر چلی جاتی ہے اسے **قشاشیہ** کہتے ہیں یہاں بہت سے چھوٹے چھوٹے مکان ہیں بعض بڑی عمارتیں بھی ہیں کہ قہوہ خانے توپیں بنانے والوں کی دکانیں .... اور ایک حمام بھی ہے۔ حاکم یعنے مہتمم پولس بھی اسی محلہ میں رہتا ہے۔ شہر مکہ کے تحت میں یہ ایک اعلیٰ درجہ کا افسر ہے۔ اسی محلہ کا ایک حصہ جبل قبیس کی جانب ہے اور اسمیں بہت سی تنگ غلیظ گلیاں چلی گئی ہیں **قشاشیہ** حاجیوں کا مرغوب مقام ہے یہ بہت کشادہ اور ہوادار محلہ ہے اور شمال کی ہوا یہاں چلتی ہے۔ رمضان کے آخری دنوں میں جب طائف سے میں مکے آیا تھا تو اسی محلے میں ٹھہرا تھا۔ اسی گلی کا نام آگے چلکر **سوق اللیل** ہو گیا ہے یہ محلہ شہر کا بہت بڑا شہری ... گھیرے ہوئے ہے۔ یہاں مقام **مولد النبی** کی زیارت کیجاتی ہے اور ... یعنے برتن بنانے کا کارخانہ بھی یہیں ہے۔ مولد النبی کے قریب کی گلیاں شعب المولد کہلاتی ہیں۔ یہاں کی زمین ... بلند ہے اور پتھروں سے بھری ہوئی ہے۔

معامل جبل قبیس کے بازو میں واقع ہے اور یہاں کوئی بارہ آوے ہیں جنمیں خاصکر زمزمیا یعنے آب زمزم لیجانے کے گھڑے تیار ہوتے ہیں۔ معامل کے یہ گھڑے اگرچہ خوبصورت بنتے ہیں مگر بہت بھاری ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے مصر صعید و بغداد کے گھڑوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں وہاں کے گھڑے تو ایسے ہلکے ہوتے ہیں کہ خالی گھڑا محض ہوا سے لڑھک جاتا ہے۔ تمام حجاز کے لئے صرف معامل ہی میں برتن تیار ہوتے ہیں علاوہ اسکے بہت سے حاجی بھی اپنے وطن کو یہ گھڑے بطور تحفے کے لیجاتے ہیں۔

سوق اللیل سے آگے محلہ **غزّہ** ہے اور یہی نام یہاں کی دونوں طرف کی گلیوں کا ہے اصل میں یہ محلہ **قشاشیہ** کا ہی سلسلہ ہے اس محلے میں کئی گہرے کنوئے کھاری پانی کے ہیں یہاں کئی دکانیں سامان خانہ داری بیچنے والوں، کفن فروشوں، اور بڑھئیوں کی ہیں یہ لوگ ... بیچتے ہیں

جنہکے والے سوتے ہیں اور یہاں تابوت بھی تیار ہوتے ہیں جنپر مُردوں کو قبرستان لیجاتے ہیں۔

میوہ اور ترکاریاں جو طائف و وادیٔ فاطمہ سے مکے میں آتی ہیں وہ بھی یہاں کے تھوک فروش صبح کے وقت چھوٹے چھوٹے دکانداروں کو اسی محلے میں بیچتے ہیں۔ غزہ کے شمالی سرے پر جہاں گلی بہت زیادہ چوڑی ہوگئی ہے روزانہ اونٹ اور گاڑیوں کی ہاٹ لگتی ہے۔ پہاڑ کے مشرقی جانب محلہ **شعب علی** واقع ہے۔ یہ **شعب المولد** سے ملا ہوا ہے یہاں (حضرت) **علیؓ** کی پیدایش کی جگہ زیارتگاہ عام وخاص ہے۔ یہ دونوں محلے **شعب** کہلاتے ہیں یعنے چٹان۔ شہر کے یہ سب سے قدیمی حصے ہیں یہاں پیشتر قریش رہا کرتے تھے۔ اور اب بھی یہاں خصوصًا شریف رہتے ہیں۔ اس محلے میں دکانیں نہیں ہیں۔ یہاں کے مکانات کشادہ اور ہوادار ہیں۔

مویشی کی ہاٹ سے آگے کچھ سکونتی مکان اور دکانوں اور چھپروں کا سلسلہ گلی کے دونوں طرف چلا گیا ہے۔ اسی محلہ کو **سوق الحدادین** (لوہا منڈی) کہتے ہیں اور لوہار اور قفل بنانے والوں کی دکانیں ہیں۔ اس سے کسیقدر آگے **معلیٰ** ہے جو محلہ **مدعیٰ** کا ایک حصہ ہے اور شہر کے مشرقی و مغربی حصوں کو تقسیم کرتا ہے۔ معلیٰ[1] مسفلہ[2] کی ضد ہے۔ **مدعی** اور **معلیٰ** میں دونوں طرف دکانیں ہیں جن میں بنئے، عطار، غلہ فروش، تمباکو والے، بساطی، پٹوے، موچی، کباڑئے، اور پرانے کپڑے بیچنے والے سوداگر بیٹھتے ہیں۔

مدعیٰ میں غلے کا ایک بڑا گنج ہے پیشتر اسی مکانیں مدرسہ تھا اور معلیٰ میں بھی ایک انبارخانہ ہے جسمیں سے قافلے، ترکی فوج مقیم طائف کے لئے رسد لیجاتے ہیں۔ ہر روز صبح کو یہاں ہراج بھی ہوا کرتا ہے معلیٰ کے شمال میں ایک مارکٹ ہے اسمیں بدوی مختلف مقامات سے بھیڑیں بیچنے کے لئے لاتے ہیں اور قسائیوں کی دکانیں بھی ہیں جنمیں گائے، بکری، اور اونٹ کا گوشت بکتا ہے چونکہ یہاں سے **بیت اللہ** دور ہے اسلئے روز کی نماز کے لئے ایک چھوٹی سی مسجد[3] بھی بنالی ہے لیکن جمعہ کی نماز ہمیشہ بڑی مسجد (**بیت اللہ**) ہی میں ہوتی ہے۔ معلیٰ کے شمالی حصہ میں جہاں وہ سوق الحدادین سے ملگیا ہے۔ سنگین مکان بنے ہیں

---

[1] بلند ۱۲ [2] نیچا ۱۲ [3] مکے کے مورخ شاید اس مسجد کا نام **مسجد الرایت** بتاتے ہیں۔ **ازرقی** کے زمانے میں یہاں اور بھی چار پانچ مسجدیں تھیں ۱۲ (برکہارٹ)

اور انکے نیچے ایک قطار پست دکانوں کی ہے ان میں سے غلہ خریدنے کے لئے مشرقی بدوی مکے آتے ہیں یہاں ایک قہوہ خانہ بھی ہے جو **قهوة الحشاشين** کہلاتا ہے یہاں نشہ اور بھنگ اور گانجہ مرکب بکتا ہے جسے تمباکو کے ساتھ ملا کر پیتے ہیں۔ اس مکان میں شہر بھر کے ذلیل اور بیہودہ لوگ اکٹھے ہوتے ہیں شریف غالب نے حشیش (گانجے) پر بھاری محصول لگا دیا تھا تا کہ لوگ اس حرام چیز کے عادی نہوں۔ **معلیٰ** کو محلہ نقی بھی کہتے ہیں جو **وادی النقی** سے ماخوذ ہے کسی زمانہ میں مکے کے اس حصے کا نام وادی النقی تھا۔

مدعیٰ کے پاس کی گلیوں میں ہندوستانی لکھپتی سوداگر رہتے ہیں اور چونکہ انکو اس قدر غرور ہے کہ سر بازار دکان کھولنا یا گودام رکھنا انکے لئے باعث کسر شان ہے اسلئے وہ مکان پر ہی مال رکھتے ہیں اور بیوپاری وہیں سے خرید لیجاتے ہیں۔ ایک ہندوستانی سورت کا رہنے والا جسکا نام **شمسی** ہے اسی محلے میں رہتا ہے اور حجاز بھر میں سب سے زائد مالدار سمجھا جاتا ہے مگر اسکا کاروبار **جیلانی** اور دوسرے سوداگروں سے کم ہے اگرچہ یہ شخص کئی لاکھ پونڈ کی حیثیت رکھتا ہے مگر مجھسے بذات خود ایک شال کے سودے میں جسکی قیمت دس روپے سے زیادہ نہ تھی کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک جھک جھک جھائیں کرتا رہا۔

زور کی بارش میں جو سیلاب اس طرف سے **بيت الله** کی جانب آتا ہے اسکو روکنے کے لئے حضرت عمر ابن خطاب نے **مدعیٰ** میں وادی کے پار ایک اونچا پشتہ بنوا دیا تھا جسکا دروازہ لوہے کا تھا انکے کچھ آثار چودھویں صدی عیسوی تک باقی تھے جب وہ پشتہ موجود تھا تو حاجی اس کی چوٹی پر چڑھکر یہاں سے **کعبہ** کا پورا منظر دیکھا کرتے تھے اور دعائیں مانگا کرتے تھے اس کے باعث اس جگہ کا نام **مدعیٰ** ہوگیا۔

معلیٰ اور **مدعیٰ** ایک طرف ہیں اور **غزۂ** و **قشاشیہ** دوسری طرف سمجھو ان دونوں کے درمیان کئی محلے ہیں جن میں بڑے بڑے مکان ہیں مگر گلیاں انتہا درجے کی کثیف ہیں۔ کوڑا کرکٹ یہاں سے کبھی نہیں اٹھایا جاتا اور تازہ ہوا کا یہاں کا گزر نہیں ہے **دكاك الصين** یعنے چینی کا بازار بھی ادھر ہی ہے اور سناروں کی دکانیں بھی اسی بازار میں ہیں یہ لوگ اگرچہ بہت بھدا کام کرتے ہیں مگر ہمیشہ کام میں محو دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مردوں عورتوں کے لئے خصوصاً چاندی کے چھلے گڑھتے رہتے ہیں۔

اسی محلے کے جنوب میں **دکاک الحجر** یعنے پتھر کا محلہ ہے ۔ یہاں مولد فاطمہؓ بنت محمدؐ اور مولد (حضرت) خلیفہ رسول ہے ۔ اس محلے کا نام لفظ حجر (پتھر) سے ماخوذ ہے ۔ جب کبھی محمدؐ صلعم کعبے سے لوٹتے وقت اس گلی میں گزرا کرتے تھے تو ایک پتھر انکو یہاں **سلام علیک** کیا کرتا تھا یہ پتھر پیغمبر صاحب کے زمانے سے ابتک خاموش چلا آرہا ہے لیکن اب بھی ایک مکان کی دیوار میں سے نکلا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اسی تقدس کیوجہ سے اس دیوار پر سفیدی کردیگئی ہے ۔

اب ہم محلہ غزہ کے موڑ پر سے معلیٰ کیطرف لوٹتے ہیں ۔ یہاں دکانیں ختم ہوجاتی ہیں اور ایک چوڑا ریتیلا میدان شروع ہوجاتا ہے ۔ یہاں چند معمولی قہوہ خانے ہیں ۔ یہاں شہر کی حد ختم ہوجاتی ہے اور اسکے آگے جو کچھ آبادی ہے اس کو بیرون شہر سمجھنا چاہیے اس میدان میں کچھ دور تک چلتے رہیں تو دونوں طرف بڑے بڑے حوض ملتے ہیں ۔ نہر جو اسطرف سے شہر کو جاتی ہے حاجیوں کے قافلوں کے آرام کے لئے ان حوضوں میں پانی بھر دیا جاتا ہے ۔ انہیں ایک حوض مصری قافلے کے لئے ہے اور دوسرا شامی کے لئے ۔ یہ بالکل سنگین ہیں ۱۲۸ھ میں یہ تعمیر ہوئے تھے اور ابتک نہایت اچھی حالت میں ہیں ۔ ترکی فیاض سلطانوں کی اسی قسم کی یادگاریں حج کی ہر منزل پر مدینے سے دمشق و حلب تک پائی جاتی ہیں ۔ دمشق کے جنوب میں جو حوض مینے دیکھے تھے انہیں کے بعض بہ نسبت مکے کے حوضوں کے ساخت کے لحاظ سے زیادہ مضبوط و پائدار تھے مصری قافلے کے لئے جو حوض مخصوص ہے وہ ایک سو ساٹھ فٹ لمبا چوڑا (مربع) اور تین چیتیس فٹ گہرا ہے جب اسمیں آٹھ دس فیٹ پانی بھر دیا جاتا ہے تو وہ کاروان کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے یہ حوض پورے کبھی نہیں بھرے جاتے چونکہ نہر سے پانی کم ملتا ہے اسوجہ سے مغربی برکہ (حوض) کے قریب کچھ ایکڑ زمین کی آبپاشی کنوے سے کیجاتی ہے اس جگہ ایک مسجد بھی ہے جسے **جامع سلیمانی** کہتے ہیں آجکل یہ اچھی حالت میں نہیں ہے کوئی اس میں نماز نہیں پڑھتا البتہ کچھ ترکی سپاہی یہاں پڑے اینڈا کرتے ہیں ۔ یہ مسجد محلہ **سلیمانیہ** کے متعلق ہے جو مغربی پہاڑوں کے متصل جبل لعلع سے شروع ہوکر سڑکوں سے آگے قبرستان تک چلا گیا ہے اس میں کچھ اچھے مکان نہیں ہیں اس کا نام سلیمانی سے مشتق ہے یہاں وادی کشمیر، افغانستان، قندھار اور اندلس پار کے رہنے والوں کو سلیمانی کہتے ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگ انکی نسل کے اسوقت بھی ہندوستانیوں کے ساتھ ملے جلے اس محلے میں آباد ہیں ۔ قطب الدین کی تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ

سلطان سلیمان نے ۹۸۰ ہجری میں اس مقام پر ایک مسجد بنوائی تھی ممکن ہے کہ مسجد کا یہ نام اُس کے بانی کی وجہ سے ہی مشہور ہوا ہو۔ سلیمانیہ کے باشندے حنفی طریقے کے پابند ہیں اور (حضرت) علیؓ کی نسبت ایرانیوں کا سا عقیدہ نہیں رکھتے۔ انہیں کے بہت سے ہر سال سمندر سے براہ بمبئی و بصرہ حج کے لئے یہاں آتے ہیں بعض خشکی کے رستے سے بعض ایران کے جنوبی صوبوں سے بغداد تک اور شام و عراق میں ہو کر حج کو درویشانہ وضع سے سفر کرتے ہوئے یہاں داخل ہوتے ہیں میں نے بہت سے دیکھے جو اسی رستے سے آئے تھے یہ لوگ بہ نسبت عام ہندوستانیوں کے مجھے زیادہ بہتر اور زیادہ قوی معلوم ہوئے۔

محلہ سلیمانیہ کے مقابل غزہ و شعب علی سے ملا ہوا مشرقی پہاڑ پر ایک ویران نصف اجڑا ہوا محلہ ہے جسے شعب عامر کہتے ہیں اس میں قبیلہ ثقیف و قریش کے بھری والے اطلی بدری آباد ہیں اور شریفوں کے بھی کچھ خاندان بستے ہیں یہاں کئی بڑی بڑی چکیاں ہیں جنہیں ترکی گورنر کیلئے گھوڑوں سے کام لیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں اس سے بڑی چکیاں شہر میں دیکھیں نہیں ہیں مکے میں عموماً ہاتھ سے چلانے کی چکیوں کا دستور ہے جن کو گھر کے غلام یا غریب لوگوں میں عورتیں پیستی ہیں مکے بھر میں بلکہ حجاز بھر میں صرف یہیں ایک ایسا کارخانہ ہے جہاں لباس اور سوتی کپڑوں کو نیل اور زعفران سے رنگتے ہیں اونی کپڑا یہاں نہیں رنگا جاتا۔ چونکہ شعب عامر میں بہت سی بازاری عورتیں رہتی ہیں اس وجہ سے یہ محلہ مکے میں بدنام ہے۔ شریف غالب نے ان عورتوں پر ایک باقاعدہ ٹیکس لگا دیا تھا۔ ان میں سے جو عورتیں حاجیوں کے ساتھ عرفات تک جاتی تھیں اُن سے اور بھی کچھ ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ اس قسم کا ٹیکس قاہرہ اور مصر کے تمام بڑے بڑے شہروں میں بھی ہے۔ بدچلن عورتوں سے مکہ بھرا ہوا ہے اور ان کا شمار حج کے دنوں میں اجنبی ملکوں کے سیاحوں کی وجہ سے اور بھی بڑھ جاتا ہے یہ عورتیں مصر کی طوائفوں سے زیادہ شائستہ ہوتی ہیں اور بغیر برقعے کے کبھی سڑکوں پر نہیں نکلتیں ان میں زیادہ تر حبشی لونڈیاں ہوتی ہیں جن کے پہلے مالک ان کے اس پیشے سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعض مکے والوں کی لونڈیاں بھی ہیں۔ عربی شاعر شعب عامر کے متعلق اکثر اپنے کلام میں تلمیح لاتے ہیں جیسے کہ ابن الفریضیہ کہتا ہے۔

"کیا شعب عامر اب بھی اُسی حالت میں ہے جیسا کہ ہم نے اُسے چھوڑا تھا"

"کیا اب بھی وہاں عاشقوں کے جمگھٹ رہتے ہیں"

برکہ (حوض) سے شمال کی طرف میدان میں آگے بڑھ کر ایک عالیشان مکان دکھائی دیتا ہے شریف کی ملکیت ہے

اسمیں غالب ... کسی زمانہ میں آکر رہا کرتی تھی ۔ اس عمارت کے سامنے سے ایک پختہ سڑک مغرب کی طرف پہاڑوں کو جاتی ہے وہاں ایک شگاف ہے جو مصنوعی معلوم ہوتا ہے ۔ ارزقی نے اس حصے کا نام جبل خزنہ لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ یحییٰ ابن خالد ابن برمک نے یہ سڑک پہاڑ کاٹ کر بنوائی تھی ۔ پہاڑ کی دوسری طرف میدان شیخ محمود کو چلی گئی ہے یہ مقام اس بزرگ کے نام سے مشہور ہے ۔ شامی قافلہ اسی میدان میں ڈیرے ڈالتا ہے شریف غالب نے اس تنگ سڑک کے دونوں جانب پہاڑی پر دو فوجی چوکیاں بنوائی تھیں ۔ اس راستے کے دونوں طرف قبرستان چلا گیا ہے ۔ یہاں شہر کے اکثر باشندوں کی اڑواڑیں ہیں ۔

شریف کے مکان سے ذرا آگے اور معلے کے سرے پر (حضرت) ابی طالب کا مزار ہے یہ آنحضرت کے چچا اور (حضرت) علی کے والد تھے ۔ وہابیوں نے اُس عمارت کو جو انکی قبر پر بنی ہوئی تھی ڈھا کر مٹی کا ڈھیر کردیا اور محمد علی پاشا نے بھی اس کو دوبارہ بنوانا مناسب نہ سمجھا ۔

(حضرت) ابی طالب کو مکے والے اپنے شہر کا سرپرست سمجھتے ہیں اور مکے میں بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ خدا کی قسم توڑ ڈالنا ایک بات سمجھتے ہیں مگر (حضرت) ابوطالب کی جھوٹی قسم کھانے سے ڈرتے ہیں یہ لوگ پردیسیوں کو دھوکا دینے کے لئے بات بات پر بیت اللہ اور کعبہ کی قسم کھا لیتے ہیں لیکن (حضرت) ابوطالب کی قسم سے یہ سمجھتے ہیں کہ اپر پھٹکار ہو جائیگی اور دھوکا دھڑی کے موقعوں پر بھی یہ قسم شاذونادر ہی سننے میں آتی ہے ۔

اس منہدم قبر کے سامنے ایک وقف چشمہ ہے یہ ڈونگان پتھر کا بنا ہوا ہے ۔ پچاس ساٹھ فٹ لمبا ہوگا ہر روز نہر کے پانی سے اس کو بھر دیتے ہیں ۔ اسکے قریب کچھ درخت بھی لگے ہوئے ہیں چشمے سے آگے کوئی عمارت دکھائی نہیں دیتی البتہ شریف کا ایک بڑا محل ہے جسکی اونچی اونچی دیواریں ہیں اور اسپر منارے بنے ہوئے ہیں اسکے اندر بڑا صحن ہے شریف کے زمانے میں اس میں بہت سی فوج رہا کرتی تھی اور وہابیوں کی جنگ کے زمانے میں وہ خود اکثر یہیں رہا کرتا تھا اسمیں یہ مصلحت تھی کہ شہر والوں کو خبر ہوئے بغیر خفیہ طور پر وہ یہاں سے کسی مقام پر اچانک حملہ کرسکتا تھا ۔ اب یہ عمارت ترکی سپاہیوں کے بارک کا کام دیرہی ہے اس محل کے شمال میں محلہ **معابد** واقع ہے ۔ یہاں کچھ بھدے اور نیچے نیچے سنگین مکان ہیں اور کچھ پھوس کی جھونپڑیاں ہیں انمیں تمام بدوی آباد ہیں جو یہاں پوری طرح رہ پڑے ہیں اور یہانسے

غلہ، کھجور، اور مویشی کی تجارت اپنے پڑوسی قبیلوں اور شہر والوں سے کرتے ہیں میں نے انہیں قریش، ہذیل، اور ثقیف قبائل کے بدوی دیکھے اور یہ بھی سنا کہ صلح کے زمانہ میں کبھی ریگستان اور نجد کے تمام بڑے بڑے قبیلوں کے آدمی بھی یہاں پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ یہاں بھی مکے کے دوسرے محلوں میں رہنے والوں کی نسبت اسی حقارت سے گفتگو کرتے ہیں جیسے کہ ریگستان میں انکے مکانوں میں صرف اتنا ہی سامان ہوتا ہے جو کسی امیر بدوی کے خیموں میں رہتا ہے چونکہ یہ لوگ بیت اللہ سے فاصلے پر ہیں اسلئے انہوں نے ایک چاردیوار بنالی ہے جسمیں کچھ لوگ ریگ پر اسی طرح نماز پڑھ لیتے ہیں جیسے کہ ریگستان میں پڑھتے ہیں۔ بدوی بہت کم پابند صوم وصلوٰۃ ہوتے ہیں۔

ترکی حاکم نے یہاں سپاہی متعین کرنا مناسب نہیں سمجھا ہے جسکی وجہ سے شہر کے باہر والے انکے شکور میں معابدہ کچھ تو اپنے موقعہ کے لحاظ سے اور کچھ اپنے باشندوں کیوجہ سے شہر سے اسقدر جدا ہو گیا ہے کہ یہاں والوں کا شہر میں مہینوں جانا نہیں ہوتا۔ ایک عورت نے مجھسے کہا کہ وہ تین سال سے مکے کے اندر نہیں گئی تھی حالانکہ بدویوں کی عورتیں آزادی کے ساتھ چل پھر سکتی ہیں۔

وادی مکہ کے یہاں دو رستے ہیں ایک شمال کیطرف ہے یہ تنگ ہے اور اسکے ادھر ادھر دو فوجی چوکیاں بنی ہیں یہ رستہ وادی فاطمہ کو جاتا ہے۔ معابد کے مشرقی سرے پر شریف کا ایک باغ اور ایک مسرت منزل ہے۔ غالب یہاں اکثر دوپہر گزارا کرتا تھا۔ اس باغ کی دیواریں اونچی ہیں اور اس پر مضبوط منار بنے ہوئے ہیں جسکی وجہ سے شہر کے سامنے یہ قلعے کی سی حیثیت رکھتا ہے اسمیں کھجور اور دوسرے میووں کے درخت ہیں جنکی سبزی اور سایہ بہت پرلطف ہوگا۔ غالب کے زمانے میں اسکا دروازہ کھلا رہتا تھا اور مکے والوں کو عام طور پر اسمیں آنے جانے کی اجازت تھی مکان بعد ا بنا ہوا ہے اور غالب کی تعمیر نہیں ہے۔ وہابیوں نے جنگ کیوقت اسپر قبضہ کر لیا تھا اور اسمیں مقیم ہو کر کئی ہفتے تک مکے والوں سے لڑتے رہتے تھے کیونکہ سپاہی پڑوس کے محل اور بارکوں میں تھے اور وہاں سے سرنگ لگا کر انہوں نے اس مکان کی دیواریں کچھ اڑا دی تھیں جس سے وہابی مجبوراً پسپا ہو گئے۔ بعد میں غالب نے اسکی مرمت کرادی اب اسمیں کچھ ترکی سپاہی رہتے ہیں جنہوں نے اس کو آدھا برباد کر دیا ہے۔ اس باغ میں ایک طرف میٹھے پانی کا ایک حوض اور ایک خوبصورت چھوٹی سی مسجد ہے اور دوسری طرف کھاری پانی کا ایک بڑا کنواں ہے اس قسم کے کنوے معابد میں بہت ہیں مکے کی مشرقی سڑک جو عرفات وطائف کو جاتی ہے اسی

مکان کے پاس سے گزرتی ہے۔ اس سے ذرا فاصلہ پر وادی چوڑی ہو گئی ہے اور مصری قافلۂ حج یہاں ٹھہرتا ہے
اسکا ایک حصہ میدان میں برکہ (حوض) تک پھیلا ہوا ہے۔ پیشتر شامی قافلہ بھی اسی جگہ ڈیرے لگایا کرتا تھا
باغ اور محل کے بیچ میں مکے کی نہر کوئی سو قدم تک زمین سے اوپر ایک سنگین نالی کی شکل میں چلی گئی ہے اسکے
اندر چونہ گچی کردی گئی ہے اور زمین سے کوئی چار فیٹ اونچی ہے۔

وادیٔ مکہ میں صرف یہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں نہر اوپر دکھائی دیتی ہے۔

جب مکے کی اس حد تک پہنچ جاتے ہیں تو دیگر ریگستان کا سماں نظر آنے لگتا ہے۔ کیونکہ یہاں سے نہ تو باغ
دکھائی دیتا ہے اور نہ مسرت منزل بلکہ ہر طرف بنجر خشک ریتلی وادیاں اور سوکھے پہاڑ ہی پہاڑ نظر آتے
ہیں اگر کوئی اجنبی آدمی **طائف** کی بڑی سڑک کے موڑ پر اس جگہ کھڑا ہو جہاں شریف کا مسرت منزل ہے
تو وہ یہ سمجھے گا کہ انسانی آبادی سے کہیں دور نکل آیا ہے۔ اور صحرائے نوبہ میں اسکا گزر ہوا ہے لیکن اسکی
ساری وجہ یہاں کے باشندوں کی لاپروائی اور زراعت سے ناواقفی ہے۔ شہر میں جو بیشمار کنوئے ہیں
انسے ثابت ہے کہ تیس فٹ کی گہرائی پر یہاں آسانی سے پانی نکل آتا ہے۔ عرب میں جہاں زمین کنوؤں سے
سیراب ہوسکتی ہے وہاں ریت بہت جلد قابل زراعت بن سکتی ہے اور چند برس کی محنت سے مکہ اور اسکے
گرد و نواح اپنے باغوں اور زراعت کے اعتبار سے ویسے ہی مشہور ہوسکتے ہیں جیسے کہ آجکل بحیرین
میں مشہورہ آفاق ہیں۔

ازرقی نے اس وادی کے حالات میں بہت سے باغوں چشموں اور کنوؤں کا ذکر کیا ہے جو اب
موجود نہیں ہیں غالباً ندی کے سیلابوں نے سب کو نیست و نابود کردیا۔ **الفصیح** کا بھی بیان ہے کہ اسکے زمانہ
میں شہر میں اٹھارہ کنوؤں سے کم نہ تھے لیکن عرب کی قدیم تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ زمین بنجر
تھی اور قرآن بھی اسکو وادی غیر ذی زرع کہتا ہے۔ ازرقی کا بیان ہے کہ **قصی** کے مکانات بنانے سے
قبل اس وادی میں مختلف قسم کے خاردار درخت کثرت سے تھے۔

مشرقی شہروں کی مردم شماری کا اندازہ کرنے سے بڑھکر کوئی بات مشکل نہیں ہے کیونکہ یہاں کوئی رجسٹر
تو کبھی رکھے ہی نہیں جاتے اب رہی مکانوں کی گنتی اسکا بھی کچھ اعتبار نہیں ہے ظاہری حالت دیکھکر اگر
اندازہ کرلیا جائے اور یورپ کے شہروں پر جانکی مردم شماری مشہور ہے قیاس کرلیا جائے تو بڑا دھوکا
ہوگا۔ مشرقی شہروں کی آبادی عموماً ایک منزلہ مکانوں میں ہوتی ہے اور اسوجہ سے انہیں بمقابلہ یورپ کے شہروں

بہت کم آدمی رہ سکتے ہیں برخلاف اسکے مشرقی شہروں کی گلیاں بہت تنگ ہوتی ہیں اور ان میں بڑے بڑے
مارکیٹ یا عام لوگوں کی سیر و تفریح کے مقام بھی نہیں ہوتے اور گرد و نواح کے گلی کوچے بمقابلہ شہر کے
خاص محلوں کے زیادہ گنجان آباد ہوتے ہیں اسوجہ سے مسافروں کو دھوکا ہوجاتا ہے اور وہ شہر کے
خاص خاص بازاروں پر جہاں دن بھر آدمیوں کا بڑا مجمع رہتا ہے آبادی کا قیاس کرلیتے ہیں یہی وجہ ہے
کہ اس زمانہ کے معتبر لوگوں نے حلب کی آبادی دو لاکھ۔ دمشق کی چار لاکھ اور قاہرہ کی تین لاکھ بتائی ہے
میرا اندازہ یہ ہے کہ دمشق کی آبادی ڈھائی لاکھ، حمص کوئی ساٹھ ہزار یا ایک لاکھ، حلب کی اسّی نوّے
ہزار اور قاہرہ کی دو لاکھ ہوگی۔ چونکہ مکے کو میں نے حج سے قبل اور حج کے بعد دونوں حالتوں میں دیکھا ہے اسلئے
میں کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کے مستقل باشندے پچیس تیس ہزار ہونگے انمیں شہر والے اور بیرون شہر والے سب آگئے
انکے علاوہ تین چار ہزار حبشی لونڈی غلام ہونگے اسکی آبادی ایسی ہے کہ اسکے لحاظ سے یہاں تگنے آدمی
سما سکتے ہیں۔

قطب الدین کا بیان ہے کہ ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم اول کے حکم سے غلہ تقسیم کرکے مکے والوں کی مردم شماری
کیگئی تھی۔ عورت، مرد، بچے، سب ملاکر بارہ ہزار نکلے۔ اسی مورخ کا یہ بھی بیان ہے کہ اگلے زمانہ میں
یہاں کی آبادی بہت زائد تھی اور جب ابو طاہر قرامطہ کے حاکم نے ۳۱۷ھ میں مکہ تسخیر کیا تھا تو
اسکے ہمراہی سپاہیوں نے تیس ہزار آدمی قتل کئے تھے۔

بیت اللہ یا مکے کی بڑی مسجد کے حالات

شہر میں جہاں وادی زیادہ چوڑی ہے۔ یہ مسجد واقع ہے اسکو بیت اللہ یا بیت الحرام کہتے ہیں اسکی ساری
شہرت کعبہ کیوجہ سے ہے جسکے گرد یہ بنی ہوئی ہے ورنہ اسلامی شہروں میں اکثر مسجدیں ایسی ہیں جو اسکے
برابر ہیں اور خوبصورتی میں تو بہت سی اس سے بھی بڑھی ہوئی ہیں کعبہ کوئی دو سو پچاس قدم لمبا اور
دو سو قدم چوڑا ایک بیقاعدہ مستطیل ہے اسکا کوئی بھی ضلع بالکل سیدھا نہیں ہے اگرچہ بادی النظر
میں وہ باقاعدہ معلوم ہوتا ہے مگر فی الحقیقت ایسا نہیں ہے یہ کھلی ہوئی چار دیواری دالانوں سے

گھری ہوئی ہے اور ان کے گرد اگرد ستونوں کی قطاریں چلی گئی ہیں چار چار ستونوں کے اوپر ایک ایک چھوٹا سا گنبد بنا ہوا ہے اور نیچے نکیلی محرابیں ہیں۔ باہر کے رخ سفید کی ہوئی ہے۔

قطب الدین کا بیان ہے کہ کل ایک سو باون گنبد ہیں تمام دالانوں کی محرابوں میں چاروں طرف قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں انہیں سے بعض ہر روز روشن ہوتی ہیں اور کل رمضان کے مہینے میں ستون بیس فیٹ سے زائد بلند ہیں اور عموماً ڈیڑھ پونے دو فیٹ قطر میں ہیں مگر انہیں سب یکساں نہیں ہیں بعض سفید سنگ مرمر کے ہیں بعض سنگ خارا کے لیکن زیادہ تعداد مکے کے پہاڑوں کے عام پتھروں کی ہے۔ الفضیح نے انکی تعداد پانسو نواسی بیان کی ہے وہ کہتا ہے کہ سوائے ایک سو چھبیس کے جو معمولی پتھر کے ہیں باقی سب کے سب سنگ مرمر کے ہیں اور ہر ستون کے تین تین حصے ہیں۔ قطب الدین انکی تعداد پانسو چھبیس بتاتا ہے جنہیں تین سو گیارہ سنگ مرمر کے ہیں اور باقی آس پاس کے پہاڑوں کے پتھر سے بنائے گئے ہیں۔

لیکن ان مورخوں میں سے اُسوقت کوئی بھی زندہ نہ تھا جبکہ ۱۶۲۶ء کے آخری سیلاب کی تباہی کے بعد مسجد کی تعمیر ہوئی۔

تین چار ستونوں کے بعد کوئی چار فٹ موٹا ایک ہشت پہل ستون ہے مشرق کیطرف دو ستون سرخی مائل بھورے پتھر کے ایک ہی ٹکڑے کے ہیں اور ایک عمدہ سفید سنگ سماق کا ستون ہے۔ شمال کیطرف ایک ستون سرخ سنگ مرمر کا ہے اور ایک عمدہ سرخ سماق کا۔ غالباً یہ وہ ستون ہیں جنکی نسبت قطب الدین لکھتا ہے کہ مصر سے لائے گئے ہیں۔ خلیفۃ المہدی نے ۱۶۳ھ ہجری میں جب بیت اللہ کو وسیع کیا تھا اُسوقت یہ لگائے گئے تھے ان ساڑھے چار سو پانسو ستونوں میں سے مینے کسی ایک ستون کا بھی بیچ کا یا نیچے کا حصہ یکساں نہیں پایا۔ ستونوں کے بیچ کے حصے میں مشرقی وضع کا کام بعض اینٹ کے جو پہلی عمارت میں بھی لگے ہوئے تھے معماروں کی غلطی سے الٹے لگائے گئے ہیں یعنے نیچے کا حصہ اوپر۔ اوپر کا نیچے مینے کوئی چھ ستون سنگ مرمر کے ایسے بھی دیکھے جنپر یونانی کاریگروں نے عمدہ کام کیا تھا بعض بعض ستونوں پر عربی یا کوفی خط میں کچھ کتبے بھی تھے جنمیں ۸۶۴ھ یا ۸۶۲ھ ہجری کندہ تھا۔ مشرق کی طرف کے ایک ستون پر بہت قدیمی کوفی کتبہ ہے یہ کسیقدر مٹ گیا ہے اور اسوجہ سے میں اسے نہ پڑھ سکا اور نہ لکھ سکا وہ ستون جو مکے کے پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور خصوصاً اس پہاڑ سے کاٹے گئے ہیں جو محلہ شبیکہ کے نزدیک ہے یہ ستون تین ٹکڑوں کے ہیں لیکن سنگ مرمر کے ستون ایک ہی ڈھال کے ہیں بعض بعض ستونوں کو لوہے کے حلقوں اور

اور بندوں سے مضبوط کر دیا گیا ہے۔ پہلے یہ ستون ۸۰۲ھ ہجری میں جبکہ مسجد آگ سے برباد ہو جانے کے
بعد ابن طاہر برقوق بادشاہ مصر نے تعمیر کرائی تھی یہاں لگائے گئے تھے بیت اللہ اسقدر مرتبہ برباد ہوا ہے
اور اتنی مرتبہ اسکی تعمیر ہوئی ہے کہ قدیم عمارت کے اب کوئی آثار بھی نہیں پائے جاتے۔ دالان کی بڑی دیوار پر
اندر کیطرف ایک عربی کتبہ بھی بڑے بڑے حرفوں میں دیکھنے میں آیا لیکن اسپر محمد (صلعم) اور آپکے چاروں
خلفاء کے نام تھے۔ اللہ بھی موٹے موٹے حرفوں میں اکثر جگہہ کندہ ہے۔ باہر کیجانب دروازوں پر خط
ثلث میں بڑے بڑے کتبے ہیں انمیں اُن لوگوں کے نام لکھے ہیں جنھوں نے یہ دروازے بنوائے ہیں مکے کے مورخ
نے انکی پوری تفصیل بتائی ہے جنوب کی طرف کا کتبہ جو باب ابراہیم پر ہے سب سے زیادہ واضح اور نمودار
ہے۔ اسطرف کا کل حصہ سلطان الغوری مصری نے ۹۰۶ھ ہجری میں بنوایا تھا باب علی و باب عباس
پر بھی خط ثلث میں ایک بڑا کتبہ ہے یہ ۹۸۴ھ ہجری میں سلطان مراد ابن سلیمان نے کل عمارت کو از سر نو تعمیر
کر چکنے کے بعد نصب کرایا تھا قطب الدین نے اپنی تاریخ میں اس کتبے کی پوری نقل کی ہے یہ کئی صفحوں میں آیا ہے،
اور اسکی تاریخ اور اس سلطان کی عظمت و شان کی ایک یادگار ہے ۱۶۲۶ء کے طوفان میں یہ حصہ بالکل بچ گیا تھا
اور اسوجہ سے اس کتبے کو بھی کوئی صدمہ نہ پہنچا۔

دیواروں پر بعض بعض جگہہ زرد سرخ اور نیلی دھاریاں بھی کردیگئی ہیں اور مناریں بھی رنگی ہوئی ہیں
مسلمانی وضع کی گلکاری یہاں کسی جگہہ نہیں دیکھی گئی۔ دالانوں کا فرش بھدی طرح جوڑا گیا ہے۔ کعبہ
دالانوں کے بیچ میں ہے اور دالانوں سے کعبے تک سات سڑکیں کنکر کی بنی ہوئی جاتی ہیں۔ یہ سڑکیں
اسقدر چوڑی ہیں کہ چار پانچ آدمی بازو سے بازو ملا کر بآسانی چل سکتے ہیں اور یہ زمین سے کوئی نو انچہ
اونچی ہیں۔ ان راستوں میں کہیں کہیں گھاس بھی اُگی ہوئی دیکھی۔ زمزم کے پانی سے بھرے ہوئے گھڑوں کی
قطاریں زمین پر دن میں رکھی رہتی ہیں انمیں سے رس رسکر پانی بہتا ہے اور اسی سے یہ گھاس اُگ
گئی ہے بہ نسبت آس پاس کے محلوں کے بیت اللہ کسی قدر نشیب میں ہے۔ شمال کیطرف کے دالان کے چھوٹے
دروازوں کے پاس آٹھ دس سیڑھیاں ہیں۔ جنوب کی طرف بھی تین چار سیڑھیاں ہیں چار دیواری
کے بیچ میں کعبہ بنا ہوا ہے۔ یہ شمالی دالان سے ایک سو پندرہ قدم ہے۔ اور جنوبی سے اٹھاسی قدم
اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کعبہ حرم شریف سے پیشتر کا بنا ہوا ہے کعبہ ایک مستطیل شکل کی عمارت ہے
یہ اٹھارہ قدم لمبی چودہ قدم چوڑی اور ۳۵ ، ۴۰ فٹ بلند ہے۔ یہ مکے کے بھورے پتھر کا بنا ہے

اسمیں بڑے بڑے ٹول اور مختلف ناپ کے ٹکڑے بہت ہی بھدے طریقے سے بُرے مسالے میں جوڑ کر لگائے گئے ہیں یہ کامل طور پر جیسا کہ اب ہے سنہ ۱۶۲۶ء میں تعمیر ہوا تھا۔ سیل نے اس سے ایک برس قبل اسکی تین سمتوں کو منہدم کر دیا تھا اور اصمعی کا بیان ہے کہ اسکی جدید تعمیر سے قبل علما و فقہا سے اس امر کا فتوے لیکر کہ "آیا اس متبرک عمارت کا کوئی حصہ بلا کفر کے مرتکب ہوئے گرایا جا سکتا ہے یا نہیں" اسکی چوتھی سمت بھی ڈھائی گئی تھی کعبے کی کرسی دو فیٹ بلند ہے اسکی چھت چپٹی ہے اور دور سے وہ مکعب نظر آتا ہے اسکا صرف ایک ہی دروازہ ہے جسمیں ہو کر اندر داخل ہو سکتے ہیں یہ شمال کی جانب ہے اور سال میں دو تین مرتبہ کھلتا ہے چونکہ زمین سے یہ دروازہ سات فٹ اونچا ہے اسلئے اسمیں داخل ہونے کے لئے لکڑی کی سیڑھیاں لگائی جاتی ہیں جنکا ذکر میں پھر کرونگا۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں جب ابن زبیر (حضرت) عائشہ کے بھانجے حاکم مکہ نے اسے تعمیر کرایا تھا تو اسوقت کعبے کے دو دروازے تھے اور حرم شریف کے صحن کے برابر تھے موجودہ دروازے کی نسبت ازرقی کا بیان ہے کہ یہ سنہ ۱۶۳۳ء میں قسطنطنیہ سے لایا گیا تھا یہ بالکل چاندی کے پتروں سے منڈھا ہوا ہے اور کہیں کہیں خوبصورتی کے خیال سے ملمع بھی کر دیا گیا ہے اسکی چوکھٹ پر ہر روز رات کو چھوٹی چھوٹی موم بتیاں روشن کر دیجاتی ہیں اور عود سوز رکھدئے جاتے ہیں اگر۔ عود اور مشک وغیرہ کی لپٹیں آتی رہتی ہیں۔

حجر اسود

کعبے کے جنوب و مشرق کے گوشے میں دروازے کے قریب زمین سے کوئی چار پانچ فٹ بلندی پر مشہور حجر اسود لگا ہوا ہے یہ ایک بیقاعدہ بیضوی شکل کا پتھر ہے اسکا قطر کوئی سات انچ ہوگا اس کی سطح ناہموار ہے اور اسمیں مختلف شکل اور مختلف قد و قامت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو خفیف سے مسالے سے اچھی طرح جوڑ دئے گئے ہیں اور کامل طور پر صاف اور چکنے کر دئے گئے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کسی زبردست ضرب سے ٹوٹ کر اسکے بہت سے ٹکڑے ہو گئے تھے اس پتھر کی موجودہ حالت جو لکھوکھا آدمیوں کے چھونے اور چومنے سے پیدا ہو گئی ہے اسکے لحاظ سے اسکی نوعیت کا پورے طور پر پہچاننا بہت دشوار ہے یہ مجھکو لاوا معلوم ہوتا ہے جس میں زردی و سفیدی مائل جوہر کے کئی چھوٹے چھوٹے بیرونی ذرے شامل ہو گئے ہیں اسکا رنگ گہرا سرخی مائل بھورا ہے جو سیاہی تک پہنچ گیا ہے اسکے سب طرف کسی قدر بھورے رنگ کے مسالے کا حاشیہ لگا ہوا ہے میرے خیال میں یہ مسالہ رال اور کنکر کا مرکب ہے۔ اس حاشیہ سے حجر اسود کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے سنبھلے ہوئے ہیں یہ دو تین انچ چوڑا ہے اور پتھر کی سطح سے کسی قدر

اونچا ہے ۔ سنگ اسود اور یہ حاشیہ دونوں ایک چاندی کے حلقے میں جڑے ہیں جو بہ نسبت اوپر کے نیچے زیادہ چوڑا ہے اور دو طرف یہ حلقہ اسقدر لٹک پڑا ہے کہ تھوڑا سا حصہ پتھر کا اسکے اندر چھپ گیا ہے حاشیہ کے نیچے کے حصے میں چاندی کی کیلیں نصب ہیں۔

رکن یمانی کعبے کے جنوب و مشرق کے گوشے میں جسے عرب **رکن یمانی** کہتے ہیں زمین سے کوئی پانچ فٹ بلند کے کا ایک معمولی پتھر اور لگا ہوا ہے ۔ یہ ڈیڑھ فٹ لمبا اور دو انچہ چوڑا ہے اور بالکل سیدھا رکھا ہوا ہے طواف کے وقت اسکو سیدھے ہاتھ سے صرف چھو لیتے ہیں چومتے ہیں۔

معجن کعبے کے شمال کی طرف دروازے کے پاس دیوار سے ملی ہوئی تھوڑی سی کھلی زمین ہے جسپر سنگ مرمر لگا دیا گیا ہے ۔ یہ اتنی بڑی ہے کہ تین آدمی اسپر بیٹھ سکتے ہیں یہاں نماز پڑھنا بہت فضیلت رکھتا ہے ۔ اس جگہ کو **معجن** کہتے ہیں ۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل نے تعمیر کعبہ کے وقت اس تغار میں چونے اور مٹی کا گارا بنایا تھا اور اسکے قریب ایک پتھر رکھا تھا جسپر کھڑے ہو کر وہ معماری کرتے تھے اس جگہ کا نام معجن ہے ۔ اسکے بالکل اوپر کعبے کی بنیاد پر ایک قدیمی کوفی کتبہ ہے یہ مجھ سے پڑھا نہ گیا اور اسکی نقل لکھنا بھی کوئی موقع نہ ملا یہ کتبہ کسی تاریخ میں میری نظر سے نہیں گزرا۔

میزاب کعبے کے مغرب کیطرف اسکی چھت سے کوئی دو فٹ نیچے مشہور **میزاب** ہے یعنے پرنالہ اس سے مینہ کا پانی جو چھت پر اکٹھا ہو جاتا ہے بہکر زمین پر گرتا ہے ۔ نیچے سے یہ مجھ کو کوئی چار فٹ لمبا اور چھ انچہ چوڑا دکھائی دیا ۔ اسکے کنارے بھی کوئی چھ چھ انچہ اونچے ہونگے ۔ اسکے منہ پر ایک ٹونٹی لٹکتی ہے میزاب کی داڑھی کہتے ہیں ۔ ملمع کیا ہوا ایک پترہ ہے جسپر پانی گرتا ہے میزاب ٩٨١ھ ہجری میں قسطنطنیہ سے یہاں بھیجا گیا اور خالص سونے کا بیان کیا جاتا ہے۔

میزاب کے نیچے کا فرش ١٠٢٦ھ ہجری میں کرایا گیا تھا اسمیں مختلف رنگ کے پتھر لگائے ہیں اور اعلیٰ درجے کی پچیکاری کا نمونہ دکھایا ہے ۔ اس فرش کے بیچ میں دو بڑے چوکے عمدہ سبز رنگ کے پتھر کے ہیں ۔ **مقریزی** کا بیان ہے کہ یہ ٢٤١ھ میں قاہرہ سے آئے تھے ۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حسب روایت اسلام (حضرت) اسمٰعیل اور اُن کی والدہ دفن ہیں ۔ یہاں دو رکعت نماز نفل پڑھی جاتی ہے۔

حطیم میزاب کے مغرب کی طرف نصف دائرہ کے شکل کی ایک دیوار ہے ۔ اسکے دونوں سرے خانہ کعبہ کی

ایک دیوار کے سامنے تین چار فٹ کے فاصلہ پر ہیں اس جگہ ایک تہ خانہ ہے جسمیں حضرت اسمٰعیلؑ دفن ہیں اس
دیوار کو حطیم کہتے ہیں اور جس قدر زمین اس دیوار کے اندر ہے اس کو حِجر یا حجر اسمٰعیل کہتے ہیں اور
کعبے سے علٰحدہ ہونے کی وجہ سے اس دیوار کو بھی بعض لوگ اسی نام سے پکارتے ہیں۔ مورخین حطیم اُس
جگہ کو بتاتے ہیں جو دیوار کعبہ اور زمزم اور مقام ابراہیم کے بیچ میں ہے۔ موجودہ کمے والے
دیوار کو بھی حطیم کہتے ہیں۔

روایت ہے کہ کعبہ کسی زمانہ میں حطیم تک تھا اور ایک تبہ حج کے زمانہ ہی میں یہ دیوار گر گئی تھی تو یہ
حیلہ کیا گیا کہ سرکاری روپیہ ایسے متبرک کام میں لگانا جائز نہیں ہے اسکی مرمت کے لئے حاجیوں سے
رقم وصول کی گئی تھی مگر جتنا روپیہ جمع ہوا تھا وہ ناکافی ثابت ہوا حالانکہ اُسوقت صرف اتنا ہی کام تھا کہ
ایک دیوار کھڑی کر دیجائے یہ روایت صرف مطوفوں میں مشہور ہے تاریخوں میں یہ ہے کہ بنی قریش نے
کعبہ کی سمتوں کو چھوٹا کر کے حجر بنایا تھا جسکو حجاج نے کعبے کی عمارت سے ملا دیا اور اس کو ابن زبیر نے جدا کر دیا
فضیح کہتا ہے کہ حجر کا حصہ جو اب موجود ہے کبھی کعبے سے نہیں ملایا گیا۔ مگر مذہباً حجر کعبے کا ایک جزو سمجھا جاتا ہے
اور حجر میں نماز پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کعبے میں بلکہ جو حاجی کعبے میں داخل نہ ہو سکے اور حطیم میں نماز پڑھ لے
تو وہ قسم کھا کر کہہ سکتا ہے کہ اُسنے کعبے ہی میں نماز پڑھی ہے۔ یہ دیوار (حطیم) پتھر کی ہے کوئی پانچ فٹ بلند
اور چار فٹ چوڑی ہوگی اسکے اوپر سب طرف سنگ مرمر لگا ہوا ہے جسپر دعائیں اور نہایت صفائی سے موجود
رسم الخط میں کندہ ہیں یہ اور سنگ مرمر کا کام مصری سلطان الغوری نے ۹۱۷ھ ہجری میں بنوایا تھا
کعبے کا طواف دیوار کے باہر سے کرتے ہیں اور جسقدر اسکے قریب سے کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ کعبے
کے چاروں طرف سیاہ[1] غلاف لٹکتا رہتا ہے اور چھت اوپر سے خالی رہتی ہے۔ اس پردہ یا برقع کو کسوت غلافِ کعبہ
کہتے ہیں یہ سرکاری اخراجات سے قاہرہ میں تیار ہوتی ہے اور ہر سال کعبے پر ڈالی جاتی ہے اس پر
سیاہ رنگ کے تاگے سے مختلف آیتیں بنی رہتی ہیں اسوجہ سے ان کا پڑھنا بہت مشکل ہے کسوت کے
بیچ کے حصے کے اوپر عمارت کے چاروں طرف ایک ایک فٹ سنہری کلابتون کے لفظوں کی رہتی ہے۔ غلاف کا وہ
حصہ جو کعبے کے دروازے پر پڑا رہتا ہے اسپر نہایت سیدھا روپہلی کارچوبی کام ہوتا ہے۔

---

[1] وہابیوں نے اپنی حکومت مکہ کے پہلے سال کعبہ پر سرخ کسوت ڈالی تھی۔ یہ حسا میں تیار ہوئی تھی اور اسی کپڑے کی تھی جس کی عبا ہوتی ہیں۔

حجر اسود اور دوسرے پتھر کے لئے جو جنوب و مشرق کے گوشے میں ہے سوراخ چھوڑ دئیے جاتے ہیں
کسوۃ ہمیشہ ایک ہی وضع اور ایک ہی نمونہ کی تیار کیجاتی ہے ۔ پہلے ہی پہل جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا
تو مینے پرانی کسوت دیکھی تھی جو بالکل بوسیدہ ہو گئی تھی اور سوراخوں سے بھری ہوئی تھی ۲۵ ذیقعدہ کو
کسوت اتار دیجاتی ہے اور پندرہ دن تک کعبہ بغیر کسی غلاف کے رہتا ہے اس حالت میں کہتے ہیں کہ
کعبہ نے احرام باندھا ہے یہ حالت دسویں ذیحجہ تک رہتی ہے جو عرفات سے وادی منیٰ میں حاجیوں کے
لوٹنے کا دن ہے شروع میں کچھ دن تک نئی کسوت کو چھت کی ڈوریوں سے اس ترکیب سے باندھ دیتے
کہ کعبے کا نیچے کا حصہ کھلا رہتا ہے پھر کسوت کو چھوڑ دیتے ہیں جس سے کل عمارت ڈھک جاتی ہے اور
کسوت کو پیتل کے مضبوط چھلوں سے جو کعبے کی دیوار کی جڑ میں لگے ہوئے ہیں باندھ دیتے ہیں پرانی کسوت
کے اتارنے میں بڑا طوفان بے تمیزی برپا ہوا تھا ۔ حاجیوں اور مکے والوں میں بڑی لپاڈکی ہوئی اور
جوان بڈہے بچے ذرا ذرا سی دھجیوں کے لئے خوب لڑے ۔

حاجی اس سٹی تک کو اکٹھا کر لیتے ہیں جو کسوت کے نیچے کعبے کی دیوار و نیز جمع ہو جاتی ہے اور
واپس پہنچ کر بطور تبرک اس کو فروخت کرتے ہیں ۔

جس وقت کعبہ غلاف سے ڈھک دیا جاتا ہے یا جبکہ بالکل عریاں رہتا ہے تو عورتوں کے غول کے غول اسکے
گرد جمع ہو جاتے ہیں اور خوشی سے گلکاریاں لگاتے ہیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک بڑی چار دیواری میں ایک بڑی مکعب عمارت کا سیاہ رنگ کے غلاف سے ڈھکا ہوا
دکھائی دینا پہلے پہل ایک عجیب منظر معلوم ہوتا ہے اور دل پر ایک خاص اثر کرتا ہے چونکہ غلاف ڈھیلا ڈھیلا
باندھتے ہیں اسوجہ سے ہوا کا ذرا سا جھونکا بھی اسمیں لہریں پیدا کر دیتا ہے اور اسوقت حاجیوں کا مجمع جو
کعبے کے گرد رہتا ہے دعائیں مانگتا ہے اور نعرہ ہائے خوشی بلند کرتا ہے ۔ یہ ان فرشتوں کی موجودگی کی
علامت سمجھی جاتی ہے جو کعبے کے محافظ ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ انکے پروں کی ہوا سے غلاف ہل
رہا ہے ۔ مسلمانوں کی روایت ہے کہ ستر ہزار فرشتے کعبے کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے ہیں اور انکو
حکم ہے کہ جس وقت صور پھونکا جائے تو اس کو بہشت میں پہنچا دیں ۔

کعبے پر غلاف ڈالنے کی رسم زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بھی تھی ازرقی کہتا ہے کہ پہلی کسوت کعبہ کی
اسعد تبع حمیری بادشاہ یمن نے چڑھائی تھی اسلام سے قبل اسکے دو غلاف ہوا کرتے تھے ایک جاڑے

اور ایک گرہ کا ۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں کبھی سرخ اور کبھی سفید غلاف رہتا تھا اور اعلیٰ درجہ کے دیبا کا بنایا جاتا تھا۔[1]

باوقات مختلف سلاطین بغداد اور مصر و یمن میں سے جب او جس وقت جسکا اثر مکے پر ہوا وہ غلاف بھیجتے رہے ۔ کیونکہ کعبے کو غلاف پہنانا حجاز پر حکومت کی دلیل سمجھا جاتا ہے ۔ سلطان قلاؤن مصری اور اسکے جانشینوں نے بلا شرکت غیرے یہ حق اپنے لئے محفوظ کر لیا تھا اور انسے سلطان روم کو پہونچا ۔ قلاؤن نے مصر کے دو گاؤں بلبیوس اور سندبلیں کی آمدنی کسوت کے لئے وقف کر دی تھی سلطان سلیمان ابن سلیم نے اور بھی کئی گاؤں اسکے لئے وقف کر دئے تھے مگر اب مدت سے نہیں ہے۔[2] (قطب الدین اصمعی)

فرش اطراف کعبہ

کعبے کے گرد سنگ مرمر کا نہایت عمدہ فرش ہے یہ بیت اللہ کی سطح سے کوئی آٹھ انچ نیچا ہوگا اس بے قاعدہ ایک بیضوی شکل بنگئی ہے یہ ۹۸۱ھ ہجری میں سلطان کے حکم سے تیار کیا گیا تھا اسکے گرد ملمع کئے ہوئے پیتل کے تپلے مینی ستون ہیں اور ہر دو دو ستونوں کے بیچ میں سات سات بلوری فانوس لٹکے ہوئے ہیں یہ مغرب کے بعد ہمیشہ روشن کر دئے جاتے ہیں ان ستونوں کے بعد کوئی آٹھ قدم چوڑا ایک دوسرا فرش ہے یہ پہلے فرش سے کسی قدر اونچا ہے مگر اسکا کام بھدا ہے ۔ اسکے بعد اٹھارہ انچ چوڑا اور کوئی چھ انچ اونچا ایک تیسرا فرش اور ہے جسپر کئی چھوٹی چھوٹی عمارتیں بنی ہوئی ہیں اس فرش کے آگے کنکریلی زمین ہے اور گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ حرم سے کعبے تک پہنچنے کے لئے چوڑی چوڑی دو سیڑھیاں ہیں یہ چھوٹی عمارتیں ۔ منبر

چاروں مصلے

باب السلام ۔ چاہ زمزم اور چاروں مقام ہیں کعبے کی چاروں سمت کے مقابل چار عمارتیں چار مقام کہلاتی ہیں ۔ یہاں سنی مسلمانوں کے چاروں فرقے حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی کے امام کھڑے ہو کر اپنے اپنے مقتدیوں کو نماز جماعت پڑھاتے ہیں۔

مقام مالکی جنوب میں ہے اور حنبلی حجر اسود کے سامنے ہے ۔ یہ چھوٹی چھوٹی چوکھنڈیاں ہیں سب طرف سے

---

[1] اسلام کی پہلی صدی میں کسوت اتاری نہ جاتی تھی یہاں تک کہ مکہ والوں نے کعبے کی دیواروں کے ٹوٹ جانے کے خیال سے اسکی اطلاع المہدی ابو عبد اللہ کو دی جسنے ۱۶۰ھ ہجری میں تمام پرانی کسوتوں کو جدا کرنے کا حکم دیا ۱۲

[2] غلاف کعبہ کی مکمل تاریخ مضطر کے رسالہ "غلاف کعبہ" میں ملاحظہ فرمائی جائے ۱۲

کھلی ہوئی اور چار پتلے پتلے ستونوں پر استادہ ہیں انکی چھتیں چاروں طرف سے ڈھلوان ہیں اور بیچوں بیچ میں ایک نوک ہے جیسے کہ ہندوستانی مٹھ ہوتے ہیں۔ مقام حنفی جو سب سے بڑا ہے پندرہ قدم لمبا آٹھ قدم چوڑا ہے۔ یہ بھی سب طرف سے کھلا ہوا ہے اور چھوٹے چھوٹے بارہ ستونوں پر استادہ ہے اسکی اوپر منزل بھی کھلی ہوئی ہے یہاں مؤذن کھڑا ہو کر اذان دیتا ہے۔ پہلی مرتبہ اسکو سلطان سلیم نے ۹۲۳ھ ہجری میں بنوایا تھا۔ پھر ۹۲۳ھ میں حاکم جدہ نے اسکو تعمیر کرایا لیکن قطب الدین واصمی کا بیان ہے کہ چاروں مقام کی موجودہ عمارت ۱۰۷۴ھ کی ہے۔ مقام شافعی چاہ زمزم کے اوپر ہے جو پہر یہ بطور بالاخانے کے کام دیتا ہے۔

عورتوں کی نماز کی جگہ:

نماز کیوقت چاروں اماموں کے مقلد اپنے مقام پر بیٹھ جاتے ہیں میرے قیام مکہ کے زمانہ میں ہمیشہ حنفیوں کی نماز پہلے ہوتی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے رواج کے مطابق اس مسجد میں پہلے شافعیوں کی نماز ہونی چاہیے پھر حنفی۔ مالکی اور آخر میں حنبلی طریق والوں کی۔ مغرب کی نماز مستثنیٰ ہے اسوقت سب مل جلکر پڑھ لیتے ہیں۔ مقام حنبلی ایسی جگہ ہے جہاں نماز کے وقت سرکاری عہدہ دار۔ بڑے بڑے آدمی شریف مکہ و پاشا بیٹھتے ہیں اور انکی عدم موجودگی میں مسجد کے مجاہد سر آ جمتے ہیں یہ لوگ اس مقام کی اندر کی جگہ سامنے سے گھیر لیتے ہیں اور انکے پیچھے حاجی عورتیں جو بیت اللہ کی زیارت کے لئے آتی ہیں بیٹھتی ہیں عورتیں یہاں خصوصاً مغرب و عشا کی نماز کے لئے آتی ہیں باقی تین وقتوں کی نمازیں بہت کم عورتیں مسجد میں دکھائی دیتی ہیں وہ طواف بھی کرتی ہیں لیکن عموماً رات کو اگرچہ دن میں بھی مردوں کے درمیان انکو طواف کرتے دیکھنا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔

زمزم کی موجودہ عمارت مقام حنبلی کے نزدیک ہے اور ۱۰۷۲ھ ہجری میں تعمیر ہوئی ہے یہ چوکھونٹی شکل کی ہے اور بہت مضبوط و مستحکم ہے شمال کے رخ اسکا دروازہ ہے جس کو کھولکر اس کمرے میں داخل ہوتے ہیں جہاں چاہ زمزم ہے اس حجرے میں مختلف رنگ کے سنگ مرمر خوبصورتی کے ساتھ لگائے گئے ہیں اس کمرے سے ملا ہوا ایک اور چھوٹا حجرہ ہے لیکن اسکا دروازہ دوسرا ہے اسمیں سنگین حوض بنا ہوا ہے جو ہمیشہ زمزم کے پانی سے بھرا رہتا ہے یہاں حاجی بغیر کمرے میں داخل ہوئے ایک لوہے کے جنگلے کے اندر سے جو کھڑکی کے طور پر حوض کے اوپر ہے اپنا ہاتھ ڈالکر پیالے سے پانی بھر کے پی سکتے ہیں۔

چاہ زمزم کے گرد منہ پر کوئی پانچ فٹ اونچی دیوار بنی ہوئی ہے کنوئیں کا قطر دس فٹ کا ہوگا

دیوار کے پاس کھڑے ہو کر لوگ چمڑے کے ڈولوں سے پانی بھرتے ہیں۔ پنگھٹ کے پاس ایک لوہے کا جنگلہ
اسطرح لگا دیا ہے کہ پانی کنوئیں کے اندر نہیں گرتا۔ فصیح کے زمانہ میں اس حجرے کے اندر وضو کے واسطے
سنگ مرمر کے آٹھ حوض تھے۔ صبح سویرے منہ اندھیرے سے آدھی رات تک کنوئیں کا کمرہ حاجیوں سے مسلسل بھرا
رہتا ہے یوں تو ہر شخص کو اجازت ہے کہ اپنے لئے خود پانی کھینچ لے یہ محنت وہ لوگ کرتے ہیں جو یہاں اس
کام پر متعین ہیں اور مسجد سے تنخواہ پاتے ہیں یہ لوگ اگرچہ اپنے منہ سے کبھی نہیں مانگتے مگر جو یہاں پانی پینے
آتے ہیں اُن سے انعام کی امید رکھتے ہیں کئی مرتبہ اس حجرے کے اندر میں گیا لیکن آدمیوں کا ایسا ہجوم
تھا کہ پاؤ پاؤ گھنٹے تک انتظار کے بعد پانی نصیب ہوا بہت سے حاجی ثواب کے خیال سے اکثر اس حجرے
کی دیوار پر چڑھ جاتے ہیں اور گھنٹوں تک ڈول کھینچتے رہتے ہیں وہابیوں کے حملے سے قبل چاہ زمزم شریفوں کی
ملکیت تھا اسکے پانی کا تعہد (ٹھیکہ) ہو جاتا تھا اور بڑی بڑی رقموں پر فروخت کیا جاتا تھا لیکن
سعود نے مکے میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا حکم یہ دیا کہ یہ تجارت موقوف کر دیجائے اور اب یہ
متبرک پانی مفت ملجاتا ہے۔ باوجودیکہ متواتر صبح سے آدھی رات تک کھچائی ہوتی رہتی ہے مگر اس
کنوئیں کا پانی کبھی کم نہیں پڑتا۔ ترک اِس کو ایک معجزہ سمجھتے ہیں میں نے بھی بہت غور سے دیکھا کہ جس قدر
رسی صبح کو پانی کی تہ تک جاتی ہے اتنی ہی رات کو جاتی ہے جس سے مجھ کو ثابت ہوا کہ فی الحقیقت
پانی میں کمی نہیں ہوتی وہابیوں کے زمانے میں ایک شخص عمارت کی کچھ درستی کے لئے کنوئیں کے اندر
اترا تھا اس سے میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ تہ کے پاس اسکا پانی بہتا رہتا ہے اور اس طرح
چاہ زمزم کو کسی زمین کے اندر بہنے والے چشمے سے پانی کی مدد پہنچتی رہتی ہے۔ زمزم کا پانی مزے
میں بھاری ہے اور بعض وقت رنگ میں دودھ سے مشابہ ہو جاتا ہے لیکن وہ میٹھا ہے اور اُن کھاری
کنوؤں سے مختلف ہے جو شہر میں پھیلے ہوئے ہیں جس وقت کھینچا جاتا ہے تو کسی قدر گنگنا ہوتا ہے اور
اس اعتبار سے حجاز کے اکثر چشموں سے مشابہ ہے۔ زمزم سے تمام شہر کو پانی پہنچتا ہے اور یہاں مشکل سے
کوئی ایسا گھر نکلیگا جہاں دن میں کم سے کم ایک گھڑا بھی اسکا نہ جاتا ہو لیکن یہ پانی صرف پیا جاتا ہے
اور وضو کے کام میں لایا جاتا ہے معمولی موقعوں پر یا ادنیٰ کاموں میں اس کو استعمال کرنا شرعاً منع
ہے جو لوگ بہشتی کا پیشہ کرتے ہیں وہ تقریباً ہر حاجی کو جب وہ مغرب کی نماز کے وقت مسجد میں آتا ہے
ایک زمزمی بھر کر اسکے سامنے رکھدیتے ہیں سقے تھوڑی سی قیمت لیکر پیاسوں کو مسجد میں بھی پانی

پلا دیتے ہیں ۔ یہ لوگ بڑے بڑے گھڑے اپنی پیٹھ پر لئے پھرتے ہیں اکثر مالدار فیاض حاجی نماز سے
قبل یا بعد انکو کچھ دیکر غریبوں کو پانی پلوا دیتے ہیں ۔ یہ پانی تمام بیماریوں کے لئے تیر بہدف علاج سمجھا جاتا
ہے اور عابد و متقی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جسقدر یہ پانی پئیں گے اتنی ہی انکی صحت اچھی رہے گی
اور انکی عبادت خدا کے نزدیک مقبول ہوگی بعض بعض لوگوں کو میں نے کنوئے پر جسقدر پانی پیتے ہوئے
دیکھا ہے کہ اتنا پینا ناممکن سمجھتا تھا ایک شخص جو اسی مکان میں رہتا تھا جس میں میں تھا اس کو باری کا بخار
آتا تھا یہ ہر روز شام کو زمزم پر جاتا اور اسقدر پانی پیتا کہ پیتے پیتے قریب قریب بیہوش ہو جاتا ۔
اسکے بعد کعبے کے قریب کئی گھنٹے تک زمین پر چت پڑا رہتا جب ذرا ہوش آتا تو پھر پانی پینے کے لئے پہنچتا
آخر اس عادت سے جب وہ قریب المرگ ہو گیا تو اس نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ " میں پوری طرح پی نہ سکا
اور اسی وجہ سے میری بیماری بڑھ گئی " بعض حاجی صرف پینے پر ہی قناعت نہ کر کے حجرے میں کپڑے اتار کر
پانی کے ڈول اپنے اوپر ڈلواتے ہیں اس سے وہ خیال کرتے ہیں کہ دل کے علاوہ انکا جسم بھی پاک ہو جاتا ہے
بہت کم حاجی ایسے ہونگے جو یہاں سے واپس ہوتے وقت یہ پانی ٹین یا تانبے کی زمزمیوں میں بطور
تبرک اپنے ساتھ نہ لیجاتے ہوں اسکو وہ بیماری میں استعمال کرتے ہیں اور مرنے کے بعد اس سے غسل بھی دیدیا
جاتا ہے میں نے بھی آب زمزم کی چار کپیاں اس غرض سے اپنے ساتھ رکھ لی تھیں کہ حبشیوں کے ملک میں
جا کر مسلمان بادشاہوں کو تحفہ دیدونگا بہت سے حاجیوں کو میں نے سوئز میں دیکھا کہ مکے سے واپسی کیوقت
وہ یہاں یہ پانی بیچ رہے تھے تین چار آنے میں ایک پیالی بھر پانی دیتے تھے زمزم کا عہدہ دار مکے
کے علما میں سے ایک شخص ہے ۔ ناظرین کو اب اس بات کی یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ زمزم وہ
چشمہ ہے جو ریگستان میں ہاجرہ کو اس وقت ملا تھا جبکہ اس کا لڑکا اسمٰعیل پیاس کے مارے زمین پر
تڑپ تڑپ کر ایڑیاں رگڑ رہا تھا ۔

یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ شہر مکہ کی بنیاد ہی اس کنوئے کی وجہ سے ہی پڑی ہو ۔ کیونکہ یہاں کئی
کئی میل تک میٹھا پانی نہیں ملتا اور نہ اس ملک کے قرب و جوار میں کوئی ایسا کنواں موجود ہے جس میں
اس کثرت سے پانی ہو ۔

زمزم کے شمال مشرق کے گوشے میں دو عمارتیں ہیں قطب الدین کہتا ہے کہ ان پر گنبد بنے ہوئے ہیں — شین قبۃ العزا
اور ان پر رنگ بھی اسی طرح کیا گیا ہے جیسا کہ مسجد پر ۔ ان میں بوسے ۔ شطرنجیاں ۔ پانی کے گھڑے اور اسی

قسم کا سامان مسجد کے استعمال کے لئے رکھا گیا ہے۔

ان دونوں بھدی عمارتوں نے بیت اللہ کی شان کو بٹہ لگا رکھا ہے انکی بھاری بھاری شکلیں چاروں مقاموں کی ہلکی اور ہموار عمارتوں سے بالکل جدا ہے میں نے کئی یونانی حاجیوں کو جو مذاق سلیم رکھتے ہیں یہ کہتے سنا کہ قبتین نے تو مسجد کی خوشنمائی کو بھی صدمہ پہنچا دیا ہے۔ انکا سامان مسجد کی کسی اور عمارت میں بھی رکھا جا سکتا ہے یہاں نہ تو کوئی نماز ہوتی ہے اور نہ کوئی اور مذہبی رسم انسے متعلق ہے یہ قبے گو برجدہ زیست ۹۴۲ھ ہجری میں بنائے تھے انہیں سے ایک قبۃ العباس کہلاتا تھا یہ اُس حوض کے متصل ہے جو (حضرت) عباس عم رسول اللہ (صلعم) نے تعمیر کرایا تھا۔ زمزم سے چند قدم ہٹ کر مغرب کیطرف کو

سیڑھی

بیت کے دروازے کے بالکل سامنے ایک سیڑھی ماکھی ہوئی ہے یہ کعبے کی دیوار تک ہٹائی جا سکتی ہے جب دروازہ کعبہ کھلتا ہے حاجی اس پر چڑھ کے اندر داخل ہوتے ہیں یہ سیڑھی لکڑی کی ہے اور اس پر کچھ منبت کاری بھی ہے اسکے نیچے چھوٹے چھوٹے پہئے لگے ہوئے ہیں جنکی وجہ سے یہ آسانی کیساتھ ادہر سے ادہر ہٹائی جا سکتی ہے اس سیڑھی کی چوڑائی اسقدر ہے کہ چار آدمی ملکر ایک ہی وقت میں اس پر چڑھ سکتے ہیں پہلی سیڑھی مصر کے بادشاہ موید ابو نصر نے ۸۱۸ھ ہجری میں بھجوائی تھی۔ یہاں حجاز میں تو کم کاریگروں کا اسقدر قحط ہے کہ جب کبھی تعمیر کی ضرورت ہوتی ہے تو قاہرہ یا قسطنطنیہ سے کاریگر بلوائے جاتے ہیں۔

باب السلام

سیڑھی کے قریب ایک ہلکی مدور محراب بنی ہوئی ہے اسے باب السلام کہتے ہیں۔ مسجد کا ایک بڑا دروازہ بھی اسی نام کا ہے وہ جدا ہے جو لوگ پہلی مرتبہ بیت اللہ میں داخل ہوتے ہیں وہ باہر اور اندر کے باب السلام پر پہنچکر وہ یہ دعا پڑھتے ہیں "یا اللہ یہ داخلہ مبارک ہو" مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ محراب کسنے بنوائی ہے مگر زمانہ حال کی ہے۔

مقام ابراہیم

کعبے کے متصل باب السلام کے سامنے مقام ابراہیم ہے۔ یہ چھوٹی سی عمارت کوئی آٹھ فیٹ بلند چھ ستونوں پر قائم ہے انمیں کے چار ستون اوپر سے نیچے تک لوہے کے ایک عمدہ جنگلے سے گھرے ہوئے ہیں اور پیچھے کے دو ستون کھلے رکھے ہیں جنگلے کے اندر کوئی پانچ فٹ لمبا پانچ فٹ چوڑا ایک چبوترہ ہے جس کی بلندی تخمیناً دو فٹ ہے اسمیں وہ پتھر رکھا ہوا ہے جسپر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیمؑ کعبہ تعمیر کرتے تھے۔ یہ پتھر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کی مدد سے اس جگہ سے نکالا ہے جو معجن کہلاتی ہے اس پتھر پر حضرت

براہیمؑ کے قدم کا نشان موجود ہے کہتے ہیں کہ نبی کے بوجھ سے پتھر نرم پڑ گیا تھا ۔ چونکہ اس پتھر کے اوپر کا چوکٹا سرخ ریشمی کارچوبی کے غلاف سے ڈھکا رہتا ہے اسوجہ سے کوئی حاجی اس پتھر کو دیکھ نہیں سکتا ۔ اکثر آدمی جو کٹے کے پاس کھڑے حضرت ابراہیمؑ پر فاتحہ پڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ طواف ختم ہو جانے کے بعد اس مقام پر ایک چھوٹی سی دعا بھی مانگی جاتی ہے بیان کیا جاتا ہے کہ پیغمبر صاحب کے بہت سے صحابی زمزم و مقام کے بیچ میں جگہ ہے وہاں دفن ہوئے ہیں اسوجہ یہ جگہہ قبولیت دعا کی ہے ۔ خلیفہ سلیمان ابن عبدالملک نے جو ولید کا بھائی تھا اس مقام پر ایک عمدہ حوض بنوایا تھا لیکن مکے والوں نے اس کی وفات کے بعد اس حیلے سے اس کو توڑ ڈالا کہ زمزم کا پانی افضل ہے ۔

منبر

مقام ابراہیم کے قریب کعبے کے سامنے سفید سنگ مرمر کا ایک منبر رکھا ہوا ہے جو اعلیٰ درجے کی پچکاری کیگئی ہے ۹۶۹ ہجری میں سلطان سلیمان ابن سلیم نے اسے بطور تحفہ یہاں بھیجا تھا ۔ یہ منبر ایک سیدھا تنگ زینہ جس جگہہ اسپر خطیب بیٹھتا ہے وہاں ملمع کیا ہوا ایک مخروطی کثیر الاضلاع گنبد سا بنا ہوا ہے جمعہ کو اور عیدوں میں خطیب اسپر بیٹھکر خطبہ پڑھتا ہے ۔ وہابیوں کے حملے سے قبل سلطان اور شریف کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا لیکن سعود نے اسکی ممانعت کردی تھی ۔ محمد علی کی فتوحات کے بعد پھر وہی طریقہ جاری ہو گیا اور اب محمد علی و شریف یحییٰ کا نام ہر جمعہ کو اور نماز مغرب کے بعد روزانہ خطبہ میں لیا جاتا ہے ۔

اس منبر پر خطبہ پڑھنے والا مکے کے اول درجے کے علماء میں سے انتخاب کیا جاتا ہے اور وہ عموماً بہت معمر بھی ہوتا ہے ابتداء اسلام میں جب کبھی محمد صلعم یا خلفاء مکے کو آتے تھے تو وہ خود منبر پر بیٹھکر خطبہ پڑھا کرتے تھے اور سامعین کو نصیحت کیا کرتے تھے ۔

خطیب منبر پر ایک سفید لباس پہنکر بیٹھتا ہے جس سے اسکا سر و جسم سب ڈھک جاتا ہے اور ہاتھ میں ایک عصا بھی رکھتا ہے ۔ یہ طریقہ مصر و شام میں بھی دیکھا گیا گویا اسلام کے قرن اولیٰ کی یہ ایک یادگار ہے کیونکہ اس وقت خطیبوں کو مسلح رہنا ضرور تھا تاکہ کوئی ان پر یکایک حملہ نہ کر بیٹھے ۔ اسیطرح دوسری مسجدوں میں خطبے کے دوران منبر دو سبز جھنڈیاں لگا دیجاتی ہیں ۔

جوتے رکھنے کا انتظام

منبر کے قریب کعبے کے زائر (حاجی) اپنے جوتے رکھدیتے ہیں کیونکہ کعبے میں نہ تو کوئی جوتا پہنکر چل سکتا ہے اور نہ ہاتھ میں لیکر جیسے دوسری مسجدوں میں پھرتے ہیں بہت سے آدمی جوتوں کی نگرانی کے لئے یہاں بیٹھے رہتے ہیں جسکے عوض میں انکو کچھہ دینا پڑتا ہے لیکن اس مسجد میں جوتے چرانے والوں کی بڑی کمی نہیں ہے ۔ تین نئے

جوڑے تو میرے ہی تابڑ توڑ کھو گئے۔ اور یہی حالت دوسرے حاجیوں کی بھی ہوئی۔

بیتِ مسجد کے اندر کی کل عمارتوں کا اب بیان کر دیا۔ کنکریلی زمین اور کعبے کے آس پاس فرش پر شام کی نمازوں کے وقت شطرنجیوں کی جانمازیں بچھا دی جاتی ہیں۔ یہ صفیں کوئی ساٹھ ساٹھ اسی اسی فٹ لمبی اور کوئی چار چار فٹ چوڑی ہوتی ہیں اور بہت سی نظر آتی ہیں۔ نماز کے بعد ان کو لپیٹ دیتے ہیں بہت سے حاجی اپنی جانمازیں بھی لاتے ہیں۔ حرم کے دور کے حصے پر اور ستونوں کے نیچے سوا کن کی بنی ہوئی سیتل پاٹیاں (حصیر) بچھا دیتے ہیں اس جگہ عموماً ظہر و عصر کی نماز پڑھتے ہیں۔ بہت سے حصیر حاجیوں نے مسجد کے لئے وقف کر دئے ہیں ان پر بڑے بڑے حرفوں میں ان کا نام بھی لکھ دیا جاتا ہے جسے دیکھ دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہیں۔

نماز مغرب

یہاں نماز مغرب کے اوقات میں جو نمازی ہوتے ہیں نمازی مختلف بڑے بڑے حلقوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں بعض اوقات کعبے کے گرد میر تک پھیل جاتے ہیں اور کعبہ سب کا مرکز رہتا ہے اور ہر شخص اسی کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔ اسی بنا پر مسلمان علماء کہتے ہیں کہ مکہ ہی دنیا بھر میں صرف ایک ایسا مقام ہے جہاں مسلمان نماز پڑھتے وقت قطب نما کے کسی نقطے کی طرف بھی نہ کر سکتے ہیں امام کعبے کے دروازے کے پاس کھڑا ہوتا ہے اور تمام مجمع اسی اقتدا کرتا ہے۔

شام کا سماں

دنیا کے دور دراز مختلف ملکوں کے سات آٹھ ہزار آدمی کا ایک ساتھ رکوع و سجود کرنا مردہ دل سے مردہ دل شخص پر بھی ایک خاص ہیبت طاری کر دیتا ہے۔ رات کے وقت جب چراغ روشن ہو جاتے ہیں بیشمار حاجیوں کا طواف کرنا، عبادت گزاروں کا درود و وظائف میں مصروف ہونا، مطوفوں کا با آواز بلند دعائیں پڑھنا، بہت سے بیکار آدمیوں کا چلا چلا کر باتیں کرنا اور بچوں کا دوڑنا، ہنسنا، اور کھیلنا ایک عجیب منظر ہوتا ہے۔ اس وقت بیت اللہ ایک عام سیرگاہ معلوم ہوتی ہے نو بجے رات کو لوگ مسجد سے چلے جاتے۔ یہ ہجوم نہیں رہتا اور اس وقت بیت اللہ ایک خاموش عبادت خانہ بنجاتا ہے اور تھوڑے سے حاجی بلا کسی نمود و نمائش یا رسم و رواج کے خیال کے محض اپنے سچے عقیدے سے عبادت کے لئے وہاں رہجاتے ہیں۔

بیت اللہ کی معجزنما وسعت

مکے میں یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے اور یہ ایک حدیث پر مبنی ہے کہ بیت اللہ میں خواہ کتنے ہی مسلمان آجائیں سب سما سکتے ہیں حتیٰ کہ اگر ایک ہی وقت تمام دنیا کے مسلمان اس میں داخل ہو جائیں تو ان سب کو نماز کے لئے یہاں جگہ مل سکتی ہے فرشتے جو اسکے محافظ ہیں فوراً بیت اللہ کا عرض و طول بڑھا دیتے ہیں اور آدمیوں کا جسم چھوٹا کر دیتے ہیں۔

مسجد میں نمازیوں کی تعداد

حقیقت یہ ہے کہ اس مسجد میں تیس ہزار سے زائد آدمی نہیں سما سکتے اور مجھے یقین ہے کہ بڑے سے بڑے مجموں میں بھی مسجد کبھی آدمی بھی نہیں بھرتی۔ جمعہ کے دن بہت سے مکے والے خلاف شرع اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور بہت سے حاجی بھی انہیں کی تقلید کرتے ہیں۔

بیت اللہ میں حاجیوں کا بسنا

مینے مسجد میں ایک مرتبہ کبھی دس ہزار سے زیادہ آدمی شمار نہیں کئے حتیٰ اکہ عرفات سے واپس آنے کے بعد بھی جبکہ روئے زمین کے تمام حاجی چند روز کے لئے شہر میں اکٹھے ہو گئے تھے دن میں ہر وقت بہت سے لوگ یہاں دالانوں میں قرآن شریف اور دوسری مذہبی کتابیں پڑھا کرتے ہیں بہت سے غریب ہندوستانی و حبشی اپنا بستر بھی یہاں جما دیتے ہیں اور اپنا قیام مکہ کا تمام زمانہ یہاں گزار دیتے ہیں یہ لوگ کھاتے بھی یہیں ہیں اور سوتے بھی یہیں البتہ پکانے کی یہاں اجازت نہیں ہے دوپہر کے وقت بہت سے آدمی سایہ دار دالانوں میں آرام لینے کے لئے آجاتے ہیں یہ رسم صرف عرب و مصر کی قدیم مسجدوں ہی میں نہیں پائی جاتی بلکہ قدیم مصریوں کے مندروں میں بھی بڑے بڑے دالان ہوتے تھے جنہیں وہاں کے بت پرست باشندے دوپہر کو گرمی سے پناہ لینے کے لئے آجایا کرتے تھے۔

ان ملکوں کی بڑی بڑی مسجدیں صرف نماز کے اوقات میں ہی عبادتگاہ معلوم ہوتی ہیں مینے قاہرہ کی سب سے بڑی مسجد الازہر میں دیکھا کہ لڑکے چلا چلا کر پوریاں بیچتے پھرتے ہیں۔ نائی اپنے گاہکوں کے سر مونڈتے ہیں بہت سے غریب غربا کھانا وہیں کھاتے ہیں لیکن نماز کے وقت خفیف سی بھی حرکت اور کانا پھوسی نہیں ہونے پاتی۔

بیت اللہ میں آمد و رفت کھیل ناشائستہ حرکات

مکے میں بھی نماز کے درمیان سوائے امام کی آواز کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی لیکن دوسرے اوقات میں یہ مسجد کاروباری آدمیوں کے ملنے کی بھی جگہ ہے۔ جہاں وہ اپنے معاملات کے متعلق بات چیت کرتے ہیں بعض اوقات غریب حاجیوں اور بیماروں سے مسجد بھر جاتی ہے اور یہ لوگ دالانوں میں اپنے مصیبت زدہ سامان کے بیچ میں اسطرح پڑے رہتے ہیں کہ بیت اللہ بجائے مسجد کے شفاخانہ سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتا ہے حرم میں لڑکے کھیلتے ہیں اور مزدور سامان کے گٹھر اسی میں ہو کر لیجاتے ہیں تاکہ ایک محلے سے دوسرے محلے کو پاس کے راستے سے نکلجائیں۔ ان باتوں میں مکے کی مسجد اسلامی ملکوں کی دوسری مسجدوں سے مشابہ ہے لیکن بہ نسبت دوسری مسجدوں کے بیت اللہ میں ناشائستہ اور بیہودہ حرکات زیادہ بے خصوصیت کیساتھ دکھائی دیتی ہیں اور لطف یہ ہے کہ ایسی حرکتیں کچھ چھپا چوری بھی نہیں کیجاتیں بلکہ کھلے خزانے اکثر ایسا ہوا کہ جو مکروہ باتیں

دیکھکر مجھے طیش آگیا دوسرے لوگ اپنے صرف ہنس دیئے یا خفیف سی سرزنش کردی۔

بیت اللہ کے مدرسے

بیت اللہ کے دالانوں میں کئی جگہ مدرسے ہیں۔ یہاں چھوٹے چھوٹے بچے پڑھتے ہیں یہ بڑی غل مچانے والی جماعتیں ہیں اور مولویصاحب کی چھڑی تو ہر وقت چلتی ہی رہتی ہے۔

بیت اللہ کے واعظ

مکے کے بعض علماء تیسرے پہر کو دالانوں میں وعظ بھی بیان کرتے ہیں لیکن سامعین کی تعداد شاذ و نادر ہی زیادہ ہوتی ہے۔ جمعے کے جمعے نماز کے بعد ترکی علماء قرآن کی کچھ آیتیں اپنے ہموطنوں کے سامنے پڑھتے ہیں جسکے بعد حاضرین واعظ کا ہاتھ چومتے ہیں اور اسکی ٹوپی میں روپے پیسے ڈالتے ہیں میں ان علماء میں خصوصیت کے ساتھ ایک کی فصاحت کی تعریف کرتا ہوں اگرچہ اسکا وعظ سمجھا نہیں کیونکہ وہ ترکی میں بیان کررہا تھا لیکن اسکا طرز بیان اور حرکات و سکنات بے انتہا موثر تھیں۔ یہ شخص ناٹک کے ایکٹر کی طرح ایک ہی منٹ میں ہنس بھی دیتا تھا اور رو بھی دیتا تھا اور اعلیٰ درجے کی قابلیت کے ساتھ جیسا موقع ہوتا ویسی ہی اپنی صورت بھی بنا لیتا تھا یہ عالم بروسہ کا رہنے والا تھا۔ اسنے روپیہ بھی بہت اکٹھا کیا۔

کاتب و قبالہ نویس عامل

مسجد کے دروازہ باب السلام کے پاس کئی عرب شیخ کاغذ قلم دوات لئے روزانہ بیٹھے رہتے ہیں اور درخواستیں خط، حساب کتاب، اقرارنامے اور دستاویزیں لکھتے رہتے ہیں یہ لوگ گنڈے تعویذ بھی کرتے ہیں جیسے کہ حبشیوں کے ملک میں ہوتا ہے۔ اور تعویذ حب جن کو سالک محبت و قبول کہتے ہیں لوگوں کو دیتے ہیں ان سے بدوی بہت کم کام لیتے ہیں اور کاتب بھی ان سے بڑی بڑی اجرت طلب کرتے ہیں۔

زمزم سے دھوئے ہوئے کفن

کفن اور دوسرے کپڑے زمزم کے پانی سے دھوئے ہوئے ہمیشہ بیت اللہ کے ستونوں کے بیچ میں سوکھنے کے لئے لٹکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بہت سے حاجی مکے میں اپنے لئے کفن خرید لیتے ہیں اور اس کو وہ خود زمزم کے پانی سے دھو لیتے ہیں انکا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس متبرک پانی کے دھوئے ہوئے کپڑے میں کفنایا جاتا ہے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ بعض حاجی اسی کا دھندا کرنے لگتے ہیں اور کفن بیچ بیچ کر دام کھرے کرتے ہیں۔

جنگلی کبوتر

عموماً مکہ اور خصوصاً بیت اللہ شریف جنگلی کبوتروں سے بھرا ہوا ہے۔ جھنڈ کے جھنڈ اور ٹکڑیاں کی ٹکڑیاں اڑتی پھرتی ہیں یہ بیت اللہ کے کبوتر کہلاتے ہیں اور مسجد کی لازوال ملک سمجھے جاتے ہیں ان کو کبھی کوئی نہیں مارتا یہاں تک کہ لوگوں کے گھروں میں یہ گھس جاتے ہیں اور وہاں بھی ان کو کوئی نہیں چھیڑتا۔ مسجد کے حرم میں پتھر کی بہت سی کنالیاں پانی سے بھری ہوئی ان کے لئے رکھی رہتی ہیں جنمیں سے

بعض بازاری عورتوں کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی نمائش کا یہی طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ وہ ان متبرک کبوتروں کے لئے حاجیوں کے ہاتھ اناج بیچتی ہیں اور اسی آڑ میں حاجیوں سے اپنا سودا کرتی ہیں۔

مسجد کے دروازے تعداد میں انیس ہیں اور بلا کسی ترتیب کے یہ مسجد کے گرد تقسیم ہیں۔ طوفوں نے انکے نام چھوٹی چھوٹی تختیوں پر لکھدئے ہیں۔ میں انکی تفصیل بیان کرتا ہوں اور ان ناموں کے سامنے وہ نام بھی لکھتا ہوں جنسے یہ زمانہ قدیم میں مشہور تھے۔

موجودہ نام	قدیمی نام	موجودہ نام	قدیمی نام
باب السلام	باب بنی شیبہ	باب النبی	باب الجنازہ
باب العباس	باب شریفات	باب علی	باب بنی ہاشم
باب الزیت / باب العشرہ	باب بیزن	باب البغلہ	
باب الصفا	باب بنی مخزوم	باب الشریف	باب الجیاد
باب المجاهد	باب الدمشق	باب زلیخا	باب شریف عجیلان
باب امهانی		باب الوداع	باب الحزورہ
باب ابراهیم		باب العمرہ	باب القطان یا باب الجمعہ
باب عتیق	باب عمرو ابن العاص یا باب السدر	باب قطبی	باب عجلہ
باب زیادہ	باب الزیدہ - دار الندوہ		

ان دروازوں میں شمال کیجانب خاص دروازے یہ ہیں۔ باب السلام جس میں ہو کر ہر ایک حاجی مسجد میں داخل ہوتا ہے باب عباس۔ باب النبی جس میں ہو کر ہمیشہ آنحضرت تشریف لاتے تھے۔ اور باب علی مشرق کی طرف یہ دروازے ہیں۔ باب الزیت یا باب العشرہ جس میں ہو کر عشرہ مبشرہ صحابہ داخل ہوتے تھے۔

باب الصفا۔ دو دروازوں کو باب الشریف کہتے ہیں یہ شریف کے محل کے سامنے ہیں۔ جنوب میں باب ابراهیم جہاں دالانوں کی قطار ستونوں کی سیدھی لائن سے آگے بڑھ گئی ہے اور ایک چھوٹا سا برج بنا ہے باب العمرہ جس میں ہو کر عمرہ کی زیارت کے وقت گزرنا ہوتا ہے باب الزیادہ یہاں بھی شامل باب ابراهیم

کے ایک مربع بنتا ہے لیکن اس سے کسیقدر بڑا۔ ان میں سے بہت سے دروازوں پر اونچی نکیلی محرابیں بنی ہوئی ہیں بعض محرابیں گول بھی دیکھیں جو حجاز کی محرابوں کے مثل نصف دائرے کی ہیں سوائے بیرونی کتبوں کے جو اپنے بانیوں کی نام کی یادگار ہیں ان محرابوں پر اور کوئی خوشنما چیز نہیں بنی ہے یہ سب چودہویں صدی عیسوی کے بعد کے ہیں چونکہ ہر دروازے میں دو دو تین تین محرابیں بھی ہیں اسلئے اگر ان کو دروازوں کے ساتھ گنا جائے تو کل تعداد انتالیس ہوتی ہے ان دروازوں میں پھاٹک نہیں ہے۔ مسجد ہر وقت کھلی رہتی ہے میں نے تمام رات لوگوں کو اسمیں سے گزرتے۔ نمازیں پڑھتے اور چلتے پھرتے دیکھا۔

بیت اللہ کے گرد کے مکان

مسجد کی بیرونی دیواریں گویا ان مکانوں کی دیواریں ہیں جو مسجد کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ مکان اصل میں مسجد ہی کی ملک ہے مگر اب مختلف لوگوں کے ہیں جنہوں نے انکو خرید لیا ہے۔ یہ مالدار حاجیوں کو بڑے بڑے کرایہ پر دیئے جاتے ہیں یہانتک کہ حج کے زمانہ میں بعض بعض عمدہ مکانوں کا کرایہ جن کی کھڑکیاں مسجد میں کھلتی ہیں پانسو یا پانسو بیاستر یعنے سو سو روپیہ ہو جاتا ہے اسی وجہ سے ان دیواروں میں جابجا کھڑکیاں ہیں یہ گلی کی سطح کے برابر اور دالانوں کے فرش سے اونچی ہیں جو حاجی ان مکانوں میں رہتے ہیں انکو جمعے کی نماز اپنے گھر میں پڑھ لینے کی اجازت ہے چونکہ کھڑکیوں میں سے کعبہ نظر آتا رہتا ہے اس وجہ سے یہ لوگ مسجد کے اندر ہی خیال کئے جاتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو لوگ مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے اکٹھے ہوئے ہیں یہ بھی انکے ساتھ نماز میں شریک ہیں۔ دالانوں کے اندر چھوٹے چھوٹے حجرے بھی ہیں ان کے دروازے دالانوں کی دیواروں میں ہیں۔ یہ قیدخانوں کے مشابہ ہیں اور صرف یہی مسجد کی ملک رہگئے ہیں باقی اونچے اونچے مکان سب عام لوگوں کے ہیں ان حجروں کو زمزم کے گھڑے رکھنے کے لئے یا تو سستے کرایہ پہ لیتے ہیں یا وہ غریب حاجی جو مسجد میں ہی رہنا چاہتے ہیں پڑوس کے بعض بعض مکان اب بھی مسجد کی ملک ہیں۔ یہ سابق میں مدرسے تھے جیسا کہ انکے نام سے ظاہر ہے لیکن اب یہ حاجیوں کو کرایہ پہ دیئے جاتے ہیں انہیں سے ایک مکان میں جو سب سے بڑا ہے محمد علی پاشا رہتا تھا اور ایک دوسرے میں حسن پاشا۔[1]

---

[1] ان میں کا سب سے عمدہ مدرسہ جو سلطان قائد بے مصری نے ۸۸۸ھ ہجری میں تعمیر کرایا تھا اور جو مسجد کے پاس مسعیٰ کی گلی میں واقع ہے اب پرائیویٹ عمارت بنگئی ہے اور اپنے متولیوں کی خیانت کے باعث اپنی کل آمدنی سے محروم ہو گیا ہے۔ علاوہ مدرسوں کے یہاں اور بھی بعض عمارتیں تھیں جو سلاطین مصر و قسطنطنیہ نے بنوائی تھیں انکو رباط کہتے تھے اور غریب حاجی انہیں ٹھہرا کرتے تھے لیکن انکا بھی وہی حشر ہوا اور اب وہ یا تو گرکے والوں کی جائداد بنگئی ہیں یا بیت اللہ کی جانب سے طولی و طویل مدت کے پٹوں پر لوگوں کو دیدی گئی ہیں اور اسوقت بطور عام مکانات کے کام میں لائی جاتی ہیں ۱۲

(برکہارٹ)

باب ابراہیم کے پاس ایک بڑا مدرسہ ہے جو یہاں کے مشہور تاجر سید عقیل نامی کی ملک ہے اور اسکے گودام کا دروازہ مسجد کے اندر کھلتا ہے۔ یہ شخص بہت معمر ہے اور اپنے تقدس کے باعث بڑی شہرت رکھتا ہے اسکی ایک یہ کرامات مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شریف غالب نے اس سے کچھ قرض مانگا تھا اور جب اس نے انکار کر دیا تو شریف نے اسکا گریبان پکڑنا چاہا مگر فوراً شریف کے ہاتھ کو فالج مار گیا۔ ہر روز شام کو اسکے ہاں بڑا مجمع رہتا ہے دینیات کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں حدیث و فقہ کا درس ہوتا رہتا ہے اور مذہبی بحث و مباحثے ہوتے ہیں [1]

بیت اللہ کے گرد جو عمارتیں ہیں انمیں ایک محکمہ یعنے عدالت بھی ہے۔ یہ باب الزید کے نزدیک ہے اسکی عمارت نہایت مضبوط ہے اسکے بیچ میں بڑے بڑے بلند دالان ہیں اور اسکی اونچی اونچی بہت ساری کھڑکیاں مسجد کیطرف کھلتی ہیں اس مکان میں قاضی رہتا ہے اسکے متصل ایک بڑا مدرسہ ہے **مدرسۂ سلیمانیہ** کہتے ہیں اسے سلطان سلیمان اور انکے بیٹے سلیم نے ۹۷۳ ہجری میں بنوایا تھا۔ یہ عمارت بھی قاضی کے قبضے میں ہے اور قاضی کے ملاقاتی ترکی حاجیوں سے ہمیشہ بھری رہتی ہے۔

بیت اللہ کے منارے

بیت اللہ کے باہر سات بلند مینارے ہیں جو بقاعدہ طور پر کل عمارت کے گرد تقسیم ہیں انکے نام یہ ہیں۔ منارہ باب العمرہ۔ باب السلام۔ باب العلی۔ باب الوداع۔ منارہ مدرسۂ قائدبیہ۔ منارہ باب الزید۔ منارہ مدرسۂ سلیمانیہ۔ یہ چوکھونٹی یا گول مینارے ہیں مسجد کے مختلف حصوں میں سے انمیں دروازے ہیں جن میں ہو کر اوپر چڑھ سکتے ہیں شمالی مینار پر چڑھنے سے نہایت خوشنما منظر حاجیوں کے مجمع کا دکھائی دیتا ہے۔

---

[1] اسکا بھتیجا سید محمد الفضیل مشہور بحری قزاق ہے اسنے بحر احمر میں بہت سے یوروپین جہازوں پر بڑے بڑے مظالم توڑے ہیں اور انگریزی جھنڈے کو بھی نیچا دکھا چکا ہے ۱۸۱۴ء میں یہ خیال کر کے کہ سید محمد امین کی نسبت کچھ مخالفت کا ارادہ رکھتا ہے [illegible] نے اس کو جدے میں طلب کر کے کچھ خدمات پیش کیں اور اس امید میں کہ یا تو وہ پاشا کی ملازمت اختیار کر لیگا یا اس [illegible] بجائیگا پاشا نے اسکو بڑے بڑے تحفے تحائف بھی دئے لیکن قزاق نے انکی تمہیدوں سے اختلاف کیا اور بڑی دولت پیدا کی ہے بحر احمر کے ہر بندرگاہ میں اسکے مکانات ہیں اسکے علاوہ [illegible] اسکی فیاضی کے باعث [illegible] شناخاں ہیں اور یہ بھی مشہور ہے کہ یہ شخص بھی اپنے چچا کی طرح غیر معمولی تصرفات اور کرامات رکھتا ہے ۱۲

بیت اللہ کی دوسری مسجدوں سے مشابہت

بیان مذکورۂ بالا سے یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ مکے کی مسجد۔ ایشیا کی دوسری بڑی بڑی مسجدوں سے اپنی تعمیر و ساخت کے لحاظ سے بہت کم مختلف ہے۔ ذکریا مسجد حلب میں مسجد اموی دمشق میں اور قاہرہ کی بہت سی بڑی بڑی مسجدیں بالکل اسی نقشے پر بنائی گئی ہیں یعنے ایک کھلی ہوئی چار دیواری کے گرد انیں بھی دالان بنے ہیں۔

قاہرہ کی مسجد طولون سے بڑھکر کوئی مسجد بیت اللہ کے مشابہ نہوگی یہ ۲۶۳ھ ہجری میں تعمیر ہوئی تھی۔ مسجد عمرو بھی علیٰ ہذا اسی شکل کی ہے۔ یہ فتح مصر کے پہلے سال میں عمروؓ ابن العاص نے قاہرہ قدیم و قاہرہ جدید کے درمیان بنوائی تھی فرق یہ ہے کہ مکے میں خانہ کعبہ ہے اور اس مسجد کے بیچوں بیچ میں ایک محرابدار حوض ہے اور بیت اللہ اس سے تگنا بڑا ہے۔

زمانۂ قدیم میں بیت اللہ مختصر تھا۔ بیت اللہ میں درخت بھی تھے

بیت اللہ کی تاریخ لکھنے میں بہت سے عربوں نے زور قلم دکھایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں مسجد کی توسیع کیگئی ہے۔ کسی زمانہ میں حرم میں بہت سے درخت بھی تھے مگر پچھلے لوگوں نے افسوس ہے کہ اسکا خیال نہ کیا۔

بیت اللہ کے ملازم

مسجد کی ملازمت میں بہت سے آدمی لگے ہوئے ہیں۔ خطیب، امام، مفتی، زمزمی۔ مؤذن۔ علماء، واعظ، روشنی کرنے والے اور خدمتی سب بیت اللہ میں ملازم ہیں ان کو باقاعدہ مسجد سے تنخواہیں ملتی ہیں اور حاجیوں سے جو انعام و اکرام ملتا ہے وہ جدا ہے۔ انعام کے سوا اور رقم جو حاجی دیتے ہیں وہ مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے محفوظ رکھی جاتی ہے اگرچہ بیت اللہ کی آمدنی کے بڑے بڑے ذریعے مفقود ہوگئے ہیں۔ مگر پھر بھی اسکی آمدنی بہت کثیر ہے سلطنت عثمانیہ میں بہت کم شہر و قصبے ایسے ہونگے جہاں اس مسجد کی جائداد و املاک نہو لیکن ان کی سالانہ آمدنی یا تو گورنر خود ہی ہضم کرلیتے ہیں یا جن لوگوں کے ہاتھ میں ہوکر وہ رقم گزرتی ہے وہ اس کو گھٹا گھٹا کر اور اصل سے بہت کم کرکے بھیجتے ہیں۔

اسحاقی اپنی تاریخ مصر میں کہتا ہے کہ سلطان احمد بن سلطان محمد جو ۸۲۷ھ ہجری میں فوت ہوا دو سو چھیانوے تھیلیاں اور اڑتالیس ہزار اردب یعنے (ایک لاکھ بانوے ہزار من) غلہ بالخصوص مسجد کے اخراجات کے لئے سالانہ مکے بھیجا کرتا تھا۔

سلطان بایزید ابن سلطان محمد خاں نے ۹۱۲ھ میں مکہ و مدینہ کے لئے روپیہ وغیرہ قسطنطنیہ سے بھیجنا لازمی کردیا۔ اور اگلے بادشاہ جو بھیجتے چلے آئے تھے اسمیں سالانہ چودہ ہزار دینار کا اضافہ کردیا۔ سلطان سلیمان

رقم سالانہ جو اسکے باپ سلیم نے مقرر کی تہی .... ابن سلیم اول نے بہی مکے کی اور بڑہا دی یعنے سات ہزار اردب (اٹھائیس ہزار من) غلہ کی بجائے چالیس ہزار من بھیجنے لگا۔ بیس ہزار من مدینے والوں کے لئے اسکے علاوہ تھا۔[1] اسی سلطان نے قسطنطنیہ سے صرے بھیجنا بھی مقرر کیا جن میں اکیس ہزار دینار سالانہ بھیجے جاتے تھے [1]

مصر سے جو آمدنی یہاں آتی تہی اس کو کچھہ تو مملوکوں نے غصب کیا اور جو رہی سہی تہی اس پر محمد علی نے قبضہ کر لیا۔

یمن سے بیت اللہ کے لئے کچھہ رقم آتی ہے جسے **وقف الحماو** کہتے ہیں اور یہ سال کے سال قافلۂ حجاج کے ساتھہ بہیجی جاتی ہے۔ مگر موجودہ حالت کے لحاظ سے تو مسجد مکہ بمقابلہ سابق کے غریب ہوگئی ہے۔[2] اگرچہ یہاں کے خزانے کے متعلق قصے بہت مشہور ہیں مگر سوائے چند زرین فانوسوں کے یہاں کوئی خزانہ نہیں ہے اور مجھے خود قاضی سے معلوم ہوا کہ آجکل سلطان صرف چار سو تھیلیاں سالانہ بہیجتا ہے اسمیں سے کچھہ تو مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف ہوتی ہے اور کچھہ ملازمین مسجد کو تقسیم کر دیجاتی ہے۔

بیت اللہ کی اس آمدنی کو اُس آمدنی کے ساتھہ ملا دینا چاہیئے جو مکے والوں کو سلطنت عثمانیہ کی دوسری سرکاروں، جاگیرداروں، امیروں، رئیسوں سے ملتی رہتی ہے وہ اس سے الگ ہے۔ صرف حاجیوں کے عطیئے ہی بقدر کثیر ہوتے ہیں کہ اُنسے ملازمین مسجد کو بے انتہا مدد پہونچتی رہتی ہے اور جب تک حج رہتا ہے یہاں والوں کی ضروریات و خواہش کسی نہ کسی طرح پوری ہوتی ہی رہتی ہے اور ان کا کوئی کام رکا نہیں رہتا۔[3]

بیت اللہ کے ملازم

مسجد کا سب سے بڑا عہدہ دار **نائب الحرم** یا **حارث الحرم** ہے اسی کے پاس کعبے کی کنجی رہتی ہے[4] اور وہ تمام رقمیں جو مسجد کے لئے دیجاتی ہیں وہ بہی اُسی کے پاس جمع رہتی ہیں اور ان سے قاضی کے

---

[1] تاریخ مکہ مولفۂ قطب الدین مکی ۱۲

[2] یہ صرے یا تھیلیاں محمدؐ ابن سلطان یلدرم نے ۸۱۶ھ میں مقرر کی تہیں۔

[3] ہندوستان کے بادشاہوں نے بہی اکثر مسجد مکہ میں روپیہ صرف کر کے اپنی عظمت و شان کا ثبوت دیا ہے ۷۹۰ھ میں سلطان بنگال نے بڑے بڑے نقد نذرانے اور بیش بہا تحفے بہیجے تہے خصوصاً بنگال کے فرمانرواؤں کو فاسی نے بہت فیاض لکھا ہے۔

[4] کعبے کی کلید برداری بڑی فائدہ کی چیز ہے اور اسپر قدیم عرب اقوام میں اکثر جھگڑے ہوتے رہے ہیں ۱۲

مشورے کے ساتھ مسجد کی مرمت ہوتی ہے اور باقی آپس میں تقسیم کرلیجاتی ہیں میں نے ایسا سنا ہے اگرچہ میں کچھ نہیں سکتا کہ کہاں تک صحیح ہے کہ نائب الحرم کے سالانہ حسابات جن پر قاضی و شریف دونوں کے دستخط ہوتے ہیں قسطنطنیہ بھیجدئیے جاتے ہیں۔

تین سو تھیلیاں مسجد کی ضروری مرمت، روشنی، جانمازوں اور خوجوں کی تنخواہوں میں صرف ہوجاتی ہیں
نائب الحرم قبیلہ بنی قریش کے اُن سربرآوردہ لوگوں میں سے ہے جو آجکل مکے میں رہتے ہیں۔ اسکے بعد مرتبہ میں دوسرا عہدہ دار آغا ہے یعنے خواجہ سراؤں کا سردار اسے **اغاۃ الطواشیہ** کہتے ہیں بیت اللہ کے عام عہدہ دار خوجے ہی ہیں۔ مسجد میں خوجے غلام مقرر کرنے کا طریقہ بہت قدیم ہے۔ **معاویہ بن ابی سفیان** نے پہلے پہل کعبے کی خدمت کے لئے خوجے مامور کئے تھے (تاریخ الفضیح)

یہ لوگ مسجد میں ہر طرح کا انتظام رکھتے ہیں۔ غل غپاڑہ اور گڑبڑ نہیں ہونے دیتے اور کعبے کے گرد جو فرش ہے اُسکو روزانہ بڑی بڑی جھاڑوؤں سے دہوتے ہیں۔

مینہ برستے وقت مینے دیکھا کہ پانی فرش پر ایک ایک فٹ کھڑا رہتا ہے ایسے موقعوں پر حاجی بھی خوجوں کے ساتھ پانی نکالنے میں مدد دیتے ہیں یہ پانی فرش کے سوراخوں میں ہوکر اُن بڑے بڑے گنبدوں میں چلا جاتا ہے جو کعبے کے نیچے بیان کئے جاتے ہیں۔ مگر مکے کے مورخوں نے اس کے متعلق کچھ لکھا نہیں ہے

خواجہ سرا

خوجے گھیر دار عبائیں پہنتے ہیں اوپر سے پٹکے باندھتے ہیں اور ہاتھ میں ایک لمبی لکڑی رکھتے ہیں آجکل انکی تعداد چالیس ہے۔ پاشا اور دوسرے امیر امراء ان میں اور بھی بھرتی کرتے رہتے ہیں اور ان کو بچپن ہی میں مسجد کی نذر کردیتے ہیں ہر ایک کے ساتھ ایک سو ڈالر (دو سو روپیہ) بھی بطور زادراہ کے بھیجدیتے ہیں محمد علی پاشا نے دس خوجے مسجد میں چڑھائے ہیں فی الحال دس جوان اور بیس لڑکے ہیں خوجے لڑکے تعلیم و تربیت کے لئے اولاً ایک ہی مکان میں اکھٹے رکھے جاتے ہیں پھر بڑے خوجوں کے سپرد کردئیے جاتے ہیں اور چند سال انکے ساتھ کام کرتے ہیں اسکے بعد اپنا انتظام آپ کرلیتے ہیں۔

خوجوں کی شادی

اگرچہ یہ بات تعجب خیز ہے مگر سب جوان خوجوں کی حبشی لونڈیوں کے ساتھ شادیاں بھی کردیجاتی ہیں اور یہ لوگ بہت سے لونڈی غلام بھی اپنے ہاں رکھتے ہیں۔ خوجوں کا اثر بہت رعب ہوتا ہے اور جب کبھی انمیں کھٹ پٹ ہوجاتی ہے تو خوجے لکڑی سے خوب انکی خبر لیتے ہیں مکے میں لوگ انکی بہت تعظیم کرتے ہیں اور ادنیٰ طبقے والے انکے ہاتھ چومتے ہیں انکا سردار یا آغا جسکو یہ اپنے ہی گروہ میں سے انتخاب کرلیتے ہیں

بڑا معزز شخص ہوتا ہے اور پاشا و شریف کے سامنے بیٹھ سکتا ہے۔ مسجد کی رقوم اور حاجیوں کے انعام و اکرام سے خوجوں کی بڑی بڑی آمدنیاں ہوتی ہیں ان کو قسطنطنیہ سے باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے اور تجارت بھی کرتے تھے جسطرح کے والے کم و بیش تجارت میں مصروف ہیں ایسے ہی یہ بھی کسی نہ کسی دھندے میں لگے ہوئے ہیں بہ نسبت انکے فرائض منصبی کے تجارتی کاروبار میں انکی دلچسپی بہت بڑھی ہوئی ہے البتہ مالدار حاجیوں سے انعام حاصل کرنے کی وجہ سے ان فرائض کی سرگرمی بھی تجارت کی برابر ہو گئی ہے۔

بہت سے خوجے یا طواشی حبشی ہیں۔ بعض سانولے رنگ کے ہندوستانی۔ کبھی کبھی کوئی حبشی خوجہ کعبے کے لئے چندہ وصول کرنے کے لئے سوڈان کے علاقہ میں بھی بھیجدیا جاتا ہے کچھ برس قبل کا ذکر ہے کہ ایک خوجہ یہاں اپنا عیوضی مقرر کرکے سوڈان گیا اور دارفور کے مغرب میں مقام بارگو پہونچکر ایک صوبہ کا طاقتور گورنر ہو گیا۔ جب کبھی حبشی حاجی مکے آتے ہیں تو وہ طواشی کے دربار میں بھی ضرور حاضر ہوتے ہیں کوئی طواشی ایک مرتبہ بیت اللہ میں ملازم ہو کر (جسکے بعد اُس کو طواشی النبی کہنے لگتے ہیں) کبھی کوئی دوسری ملازمت نہیں کرتا۔

رمضان کا سماں

رمضان کے مہینے میں مسجد خصوصیت کیساتھ بہت ہی بارونق ہو جاتی ہے۔ آجکل تمازت کی گرمی پڑ رہی ہے۔ حاجی تین وقت کی نمازیں تو عموماً اپنے گھروں میں ہی پڑھتے ہیں۔ لیکن مغرب کی نماز کے لئے غول کے غول مسجد میں جمع ہوتے ہیں ہر شخص اپنے رومال میں کچھ کھجوریں تھوڑی سی روٹی اور پنیر یا انگور لاتا ہے اور اس افطاری کو اپنے سامنے رکھکر اذان کا منتظر رہتا ہے اس بیکاری کے وقت میں اکثر حاجی خوش اخلاقی سے اپنے آس پاس والوں کو اپنی افطاری میں سے کچھ دیتے ہیں اور اسکے بدلے میں ان سے بھی کچھ لے لیتے ہیں۔ بعض حاجی فیاض مشہور ہونے کے لئے آدمی آدمی کو بانٹتے ہیں اور اپنی افطاری میں سے ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا دیتے ہیں انکے پیچھے پیچھے بہت سے فقیر بھی ہیں وہ۔ ہمیں دوکھتے ہوئے مانگتے چلتے ہیں بہت سے حاجی بھی انکو اپنا حصہ دیدیتے ہیں۔ ہر شخص کے آگے زمزم کے پانی کی صراحی افطار کے لئے دھری رہتی ہے جوں ہی کہ امام چاہ زمزم کی چھت پر کھڑا ہو کر صدائے اللہ اکبر بلند کرتا ہے...

...... حاجی پانی پر ٹوٹتے ہیں اور افطاری کھا کر نماز میں شریک ہوتے ہیں۔

نماز پڑھ چکنے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو کھانا کھانے کے لئے چلے جاتے ہیں اور پھر تراویح پڑھنے کے لئے واپس آتے ہیں اس زمانے میں تمام حرم اور دالان ہزارہا چراغوں سے جگمگاتے ہیں

انکے علاوہ بہت سے حاجی بھی اپنے ساتھ لالٹین لاکر اپنے سامنے رکھ لیتے ہیں اس وقت کا سماں اور حرم کی ٹھنڈی ہوا ایسی پر لطف ہوتی ہے کہ آدھی آدھی رات تک حاجی حرم میں ہی پڑے رہتے ہیں۔

حرم شہر بھر میں ایک ہی سب سے بڑی چار دیواری ہے اسکے تمام دروازں سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے مکے والے کہتے ہیں کہ یہ سرد ہوا ان فرشتوں کے پروں کی ہے جو کعبے کی حفاظت کرتے ہیں۔

مینے دار فور کے ایک حاجی کا عجیب و غریب جوش دیکھا۔ یہ کل رات کو ہی مکے میں آیا تھا۔ بنجر اور خشک ریگستانوں کے لمبے چوڑے سفر طے کرنے کے بعد جب وہ اس نورانی مسجد میں داخل ہوا تو یہاں کا سماں دیکھکر ششدر رہگیا اور سیاہ کعبے سے اسپر کچھ ایسا خوف چھایا کہ دھڑام سے سجدے میں گر گیا اور دیر تک پڑا رہا اسکے بعد کھڑا ہوا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا اور بجائے معمولی دعائیں پڑھنے کے وہ وجد میں آکر کہنے لگا

"یا اللہ اب میری جان لے لے اب میں بہشت میں آ پہونچا"

حج کے بعد کعبہ کا سماں

حج ختم ہوجانے کے بعد کعبے کا منظر اور ہی ہوجاتا ہے۔ سفر کی صعوبت اور نیلے کپڑے کا احرام بیماری و موت کو بڑھا دیتا ہے اور مکے کے مضر صحت مکان۔ یہاں کی ناگوار آب و ہوا فقر و فاقہ مسجد کو لاشوں سے بھر دیتا ہے۔ جنازے پر جنازے یہاں نماز کے لئے لائے جاتے ہیں مرتے اور سسکتے بیمار حرم کے دالانوں میں لاکر ڈالدئے جاتے ہیں تاکہ کعبہ کی برکت سے یا تو تندرست ہوجائیں یا کم سے کم مرتے وقت اس مقدس مکان کا تصور اپنے دلمیں کرکے اطمینان سے مریں۔ غریب حاجی بیماری اور بھوک کے ٹوٹے ہوئے دالانوں میں اپنے دبلے دبلے جسموں کو گھسیٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جب ان میں اتنی بھی سکت باقی نہیں رہتی کہ کسی سے ہاتھ اٹھا کر بھیک بھی مانگ سکیں تو وہ زمین پر پڑ جاتے ہیں اور اپنے پاس ایک پیالہ رکھ لیتے ہیں تاکہ آتے جاتے کوئی اسمیں خیرات ڈالدے۔ جب ان کو آخری وقت آتا ہوا معلوم ہوتا ہے تو وہ اپنے تئیں پھٹے کپڑوں میں لپیٹ لیتے ہیں اور ٹھنڈے ہوکر رہجاتے ہیں اکثر دن دن بھر گزر جاتا ہے اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ مرے پڑے ہیں یا زندہ ہیں۔ حج کے خاتمے پر ایک مہینے تک مینے تقریباً ہر روز صبح کو مسجد میں حاجیوں کی لاشیں پڑی ہوئی دیکھیں۔ ایک مرتبہ مینے اور ایک یونانی حاجی نے ایک غریب مغربی حاجی کی آنکھیں بند کیں یہ بیچارہ مرنے کے لئے رینگتے رینگتے کعبے کے قریب جا پہنچا تھا تاکہ جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں" اپنا آخری سانس فرشتوں کی گود، اور پیغمبر صاحب کی آغوش مبارک میں" اسنے اشارہ سے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ اسکے منہ میں زمزم کا پانی چوادیں۔ ادہر ہمنے اسکی

پانی پلایا اور پھر اسکی روح پرواز کرگئی اور آدھے گھنٹے کے بعد دفن کردیا گیا۔ مسجد میں کئی آدمی اسی خدمت پر مامور ہیں کہ جہاں مسجد میں کوئی مرے اس جگہ کو اچھی طرح دھو ڈالیں اور تمام بے یار و یاور غریب الوطن حاجیوں کو جو مکے میں مریں دفن کریں۔

کعبہ کے متعلق کچھ تاریخی واقعات

ماخوذ از تاریخ ازرقی و فصیح و قطب الدین و اصمعی مورخین مکہ معظمہ

مسلمانوں کی کتب دینیات میں لکھا ہے کہ آفرینش عالم سے دو ہزار برس قبل کعبہ جنت میں بنا ہوا تھا وہاں فرشتے اسکا طواف کرتے تھے اور عبادت الٰہی میں مصروف تھے حضرت آدمؑ نے جو سب سے پہلے مسلمان تھے ٹھیک اسی مقام کے نیچے جہاں آسمان پر کعبہ تھا زمین پر کعبہ تیار کیا اور اسکے لئے کوہ لبنان۔ طور سینا۔ جودی حرا یا جبل نور۔ اور طور زیت پانچ پہاڑوں کے پتھر لئے۔ اس عمارت کو حادثات سے محفوظ رکھنے کے لئے دس ہزار فرشتے مامور تھے لیکن تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی میں غفلت کی ہے۔

فرزندان آدمؑ نے بھی کعبے کی مرمت کی طوفان کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو جنھوں نے آبا و اجداد کی بت پرستی ترک کردی تھی حکم ہوا کہ کعبہ تعمیر کریں حضرت ابراہیمؑ اس حکم کی تعمیل کے لئے شام سے یہاں آئے اور انکے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ نے بھی جو اپنی ماں ہاجرہ کے ساتھ مکے کے قرب و جوار میں رہتے تھے کعبے کی تعمیر میں مدد کی تھوڑا سا کھودنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو اس کعبے کی بنیاد ملی جو حضرت آدمؑ نے بنایا تھا۔ اسکے بعد حضرت اسمٰعیلؑ ایک ایسے پتھر کی تلاش میں نکلے جسکو کعبے کے کونے میں لگا کر اس سے طواف شروع کیا جا سکے۔ جبل ابو قبیس کے پاس ان کو حضرت جبرئیلؑ حجر اسود لئے ہوئے ملے۔ اسوقت یہ پتھر چمکدار رنگ کا تھا لیکن ازرقی کا بیان ہے کہ اسلام سے قبل و بعد کئی مرتبہ جو کعبے میں آگ لگی اس سے یہ کالا ہوگیا۔ دوسرے مورخ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس کو چھوا ہے انکے گناہوں کے باعث اسکا رنگ بدلگیا ہے۔ جنہوں نے اس کو صدق دل سے چھوا ہے ان سب کی نسبت یہ قیامت کے دن گواہی دیگا اور اس وقت اللہ تعالیٰ اسکو طاقت گویائی عطا کردے گا۔

زمزم کے ظاہر ہونے کے بعد اور تعمیر کعبہ سے قبل قبیلہ بنی جرہم کے عرب جو عمالقہ کی ایک شاخ ہیں
حضرت اسمٰعیل اور انکی والدہ کی اجازت سے یہاں رہا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ ہی یہ دونوں
بھی رہتے تھے اور حضرت اسمٰعیل زمزم کو اپنی ملک سمجھتے تھے۔ حضرت اسمٰعیل نے قبیلہ بنی جرہم میں شادی کرلی تھی
اسلئے ان کی وفات کے بعد بنی جرہم زمزم و کعبے پر قابض ہوگئے اور انہوں نے از سر نو کعبہ بنایا۔ لیکن
سیلاب کی وجہ سے کنواں بند ہوگیا تھا اور تخمیناً ایک ہزار برس تک بند رہا اسکے بعد قبیلہ خزاعہ نے کعبے
پر قبضہ کرلیا اور کوئی تین سو برس تک کعبہ انکے قبضہ میں رہا اور انکے جانشین قصی بن کلاب نے کعبہ پھر
بنایا۔ چونکہ سیلاب کی وجہ سے اسکو نقصان پہنچتا رہتا تھا اسلئے مرمت کی اکثر ضرورت ہوتی رہی ایک
کعبہ اوپر سے کھلا ہوا تھا انہوں نے اسکی چھت پاٹی اسکے بعد سے کعبے کی تاریخ جھوٹی کہانیوں اور ناقابل
یقین واقعات سے خالی پائی جاتی ہے۔

قبیلہ قصی کے ایک شخص جسکا نام عمر ابن الحی تھا سب سے پہلے اپنے ملک والوں میں بت پرستی پھیلائی
وہ ایک بت جسے ھبل کہتے تھے حیط (واقع عراق) سے لایا اور اسکو کعبے میں رکھا اسکے بعد بہت جلد
بت پرستی پھیل گئی اور قبیلے قبیلے نے ایک ایک خدا مقرر کرلیا لیکن کعبے کو سب سے زائد مقدس سمجھکر اسکا حج
کرتے رہے۔

ازرقی کا بیان ہے کہ قبیلہ بنی خزاعہ ایک کھجور کے درخت کی پوجا کیا کرتا تھا جسکا نام عزیٰ تھا۔ بنی
ثقیف اس پتھر کو پوجتے تھے جس کو لات کہتے ہیں۔ قریش ایک بڑے درخت کی جسکا نام ذات عرق
تھا پرستش کرتے تھے۔ منیٰ۔ صفا اور مروہ میں بھی چھوٹے چھوٹے دیوتا الگ الگ تھے اور
انکے علاوہ مورخین ایک اور بھی چوڑی فہرست دیوتاؤں کی بیان کرتے ہیں۔ بتوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی
تھی کہ مکے کے ہر گھر اور ہر خیمے میں ایک ایک بت موجود تھا کعبہ تین سو ساٹھ بتوں سے آراستہ تھا جو غالباً
سال کے دنوں کی تعداد کے لحاظ سے رکھے گئے تھے۔

کعبے کے گرد سب سے پہلے بنی قصی نے مکان بنوائے وہ دن کے وقت ان مکانوں میں رہا کرتے تھے
اور رات کو اپنے ڈیروں میں لوٹ جایا کرتے تھے جو انہوں نے آس پاس کے پہاڑوں میں لگا رکھے تھے۔ مکے
میں بنی قصی کے جانشین بنی قریش ہوئے۔ انکے زمانے میں کعبہ آگ سے تباہ ہوگیا تھا اسلئے انہوں نے
اسکو دوبارہ لکڑی سے بنایا اور بہ نسبت قصی کے تعمیر کردہ کعبے کے کسی قدر چھوٹا رکھا۔ لیکن حجر اسود کو

دیوار میں اُسکی پہلی ہی جگہ پر لگا یا۔ کعبے کی چھت اندر سے چھہ ستونوں پر استادہ کیگئی ہبل کا بت اس کنوئے پر رکھدیا جو اس زمانے میں کعبے کے اندر تہا اور دوسرے تمام بت بہی نئی عمارت میں رکھدیے گئے یہ واقعہ محمد صلعم کے بچپن کا ہے۔

ایک عجیب واقعہ جسکا اب تک پتہ نہ لگا تہا ازرقی نے معتبر راویوں سے نقل کیا ہے وہ کہتا ہے کہ کعبے میں حضرت مریم کا ایک بت بہی تہا جسمیں وہ حضرت عیسیٰؑ کو گود میں لی ہوئی تہیں یہاں موجود تہا اور کعبے کے اندر دروازے کے پاس ستون کے قریب کہا ہوا تہا۔

کعبے کے جلنے سے کچہہ دن قبل آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب ابن ہاشم نے زمزم کو پہر کہود کر نکالا تہا۔

آنحضرتؐ کا بحیثیت فاتح کعبے میں داخلہ

جب آنحضرتؐ بحیثیت فاتح کے اپنے آبا و اجداد کے شہر مکے میں داخل ہوئے تو آپنے کعبے کے تمام بُت توڑ ڈالے اپنے ہموطنوں کی بُت پرستی موقوف کر دی اور کعبے کی چھت پر کھڑے ہو کر آپکے حبشی موذن حضرت بلالؓ نے اذان دیکر مسلمانوں کو خدا کی عبادت کے لئے بلایا۔

قریش نے کعبے کے گرد ایک چھوٹا سا شہر بسایا تہا وہ کعبے کی اسقدر تعظیم کرتے تہے کہ کوئی شخص اپنے مکان کی دیواریں کعبے کی دیواروں سے اونچی نہیں رکھتا تھا۔ اس مقدس معبد کی زیارت جو زمانہ جاہلیت کے عرب کرتے تھے اسکو اسلام نے بھی جائز رکھا۔

سب سے پہلے حضرت عمرؓ ابن خطاب نے ۱۷ھ میں کعبے کے آس پاس جو چھوٹے چھوٹے مکان تھے وہ قریش سے خرید کر ایک مسجد بنوائی اور اسکے گرد چار دیواری کھینچدی۔

۲۶ھ میں حضرت عثمانؓ ابن عفان نے حرم کو اور بڑہا یا۔

۶۳ھ میں جب یزید ملعون کے مقابلہ میں عبداللہ ابن زبیر جو حضرت عائشہ کے بھانجے تھے کعبے میں محصور ہوئے تو کعبہ جل گیا بعض کہتے ہیں یہ حادثہ اتفاقیہ پیش آیا تہا بعض کا بیان ہے کہ اس منجنیق کی آگ سے جلا جو یزید کے سپہ سالار نے جبل ابو قبیس پر نصب کی تہی فوج یزید کے پسپا ہونے کے بعد ابن زبیر نے مکے والوں کے کچہہ مکانات خرید کر حرم کو اور بڑہا دیا اور کعبے کی تعمیر وسیع پیمانہ پر کی۔ اسوقت کعبے کے دو دروازے بنائے۔ دوہری چھت رکھی اور بجائے چھہ ستونوں کے تین ستون پر اس کو قائم کیا۔ کعبے کے اندر ایک اندھا کنواں بہی تہا اسکو بیر اخسف کہتے تہے اسمیں خزانہ اور خصوصاً سونے کے برتن جو کعبہ میں چڑہائے گئے تہے محفوظ رکھے جاتے تہے اسی زمانہ میں اس عمارت کا نام کعبہ رکھا گیا جو کعب بمعنی

قریب سے شق ہے اور اسی شکل پر آج تک قایم ہے ۔ اسکا پہلا نام بیت اللہ تھا جو اب بھی بولا جاتا ہے ۔

اس واقعے کے بیس برس بعد حجاج بن یوسف نے جو اُسوقت مکے کا حاکم تھا کعبے کی توسیع نامناسب سمجھکر اسی پیمایش پر گھٹا دیا جو قریش کے زمانے میں تھی اور وہ دیوار بھی پھر بنوا دی جو حجر کہلاتی تھی اور جس کو ابن زبیر نے کعبے میں شامل کر دیا تھا ۔ موجودہ کعبے کی یہی پیمایش ہے جو حجاج نے رکھی تھی ۔

پہلی صدی ہجری کے آخر میں ولید بن عبدالملک نے بیت اللہ میں ستون لگائے اپر سونے چاندی کے پتر چڑھائے اور اسکی آرایش میں بہت روپیہ صرف کیا ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تمام سامان آرائش جو اُس نے کعبے کو نذر چڑھایا وہ علاقہ اسپین سے بھیجا گیا تھا اور افریقہ و عرب کی راہ سے خچروں پر یہاں پہنچایا گیا تھا ۔

ابو جعفر منصور نے ۱۳۹ھ میں مسجد کی شمالی و جنوبی سمت بڑھائی اور جتنی پیشتر تھی اس سے دوگنی کر دی ۔ اس نے زمزم کے قریب زمین پر سنگ مرمر کا فرش بھی کرایا ۔

خلیفہ المہدی نے بھی دو مرتبہ مسجد میں توسیع کی ۔ آخری توسیع ۱۶۳ھ میں ہوئی اسوقت خلیفہ نے مکے والوں کو ایک ایک گز زمین کے لئے پچیس پچیس دینار دئے یہی خلیفہ مصر سے یہاں ستون بھی لایا ۔ جو ترقیاں اسنے شروع کی تھیں وہ اسکے بیٹے ہادی نے تمام کیں یعنے دالانوں کی چھت ساج کی لکڑی سے بنائی گئی ۔

ستون جو مصر سے لائے گئے تھے وہ جدے کے شمال میں ایک دن کی راہ پر اتارے گئے تھے مگر کچھہ ایسے موقعے پیش آئے کہ وہ سب مکے نہ پہنچ سکے اور کچھہ ستون ساحل کے قریب ریتی پر پڑے رہگئے میں نے یہ واقعہ اس لئے بیان کیا ہے کہ آئندہ سیاح جو ادھر سے گزریں وہ ان ستونوں کو دیکھکر اس علاقہ کو مصر یا یونان کی کوئی نوآبادی خیال نہ کریں ۔

مکے کے مورخ حیرت کیساتھہ اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اگرچہ کئی حج کئے مگر کعبے میں سوا ایک منبر کے اور کوئی چیز نہ بڑھائی ۔

سنہ ۲۲۹ھ میں خلیفہ معتصم باللہ کے زمانے میں زمزم کو اوپر سے ڈہک دیا گیا اسکے گرد دیوار تو پہلے ہی بنی ہوئی تھی مگر چھت ابتک نہ تھی ۔

سنہ ۲۸۱ھ میں حجر[1] اور کعبہ کے درمیان زمین پر عمدہ سنگ مرمر کا فرش ہوا اس زمانہ میں یہاں ایک دروازہ

[1] یعنے حطیم ۱۲

بھی تھا جس میں ہو کر اس جگہ پہنچتے تھے جہاں حطیم ہے۔

خلیفہ معتضد نے سنہ ۲۸۱ھ میں تمام مسجد کی از سر نو تعمیر و ترمیم کرائی اسلئے دیواریں دوبارہ بنوا دیں نئے دروازے بنوائے انکے نئے نام رکھے مغرب کیطرف عمارت کو بڑھا دیا اور اسمیں وہ جگہ بھی شامل کر دی جسے دارالندوہ کہتے تھے یہ مکے کی ایک قدیم عمارت تھی زمانہ جاہلیت میں بہت مشہور تھی مکے کے سر برآوردہ اور بااثر آدمی یہاں پنچایت کیا کرتے تھے۔ یہ عمارت اس جگہ بنی ہوئی تھی جہاں اب مقام حنفی ہے۔

سنہ ۳۱۷ھ میں اور بقول بعض سنہ ۳۱۹ھ میں مکہ و کعبہ کو بڑا صدمہ پہنچا یعنے قرامطہ[1] کی فوج نے بسر کردگی ابو طاہر حجاز پر حملہ کیا اور مکہ فتح کر کے کعبہ و مکہ کا تمام ساز و سامان لوٹ کھسوٹ لیا اس ہنگامہ میں مکے کے پچاس ہزار باشندے قتل ہوئے اکیس دن کے قیام کے بعد ابو طاہر یہاں سے منہ کالا کر گیا مگر اپنے ساتھ مکے کا سب سے بڑا ہیرا یعنے حجر اسود لیگیا۔

ابن زبیر کے زمانے میں کعبے میں جو آگ لگ گئی تھی اسکی سخت گرمی کے باعث اس پتھر کے تین ٹکڑے ہو گئے تھے ان کو جوڑ کر انکے گرداگرد چاندی کا حلقہ لگا دیا گیا تھا۔ ہارون الرشید نے اس حلقے کو دوبارہ مضبوط و مستحکم کر دیا۔

کعبہ پر قرامطہ کا حملہ

قرامطہ حجر اسود کو مقام ہجر میں لیگئے تھے یہ زرخیز شہر مدینے کے شمال میں شامی قافلے کے رستے پر واقع ہے۔ اصمعی کا بیان ہے کہ حجر اسود الحساء کو لیگئے تھے یہ مقام خلیج فارس کے نزدیک ہے سفرنامہ ابن بطوطہ میں صوبہ الحساء میں ایک شہر کا نام ہجر لکھا ہے۔

قرامطہ یہ سمجھے تھے کہ تمام مسلمان حجر اسود کی زیارت کے لئے انکے ملک میں جایا کرینگے اور اسطرح دنیا بھر کی دولت جو مکے میں پہنچتی ہے وہ اُن کو ملا کریگی اسی امید پر ابو طاہر نے پچاس ہزار دینار لینے سے بھی انکار کر دیا تھا جو مکے والے حجر اسود کے معاوضہ میں اسکو دے رہے تھے۔ ابو طاہر کے واصل جہنم ہونے پر سنہ ۳۳۹ھ میں قرامطہ نے حجر اسود واپس کر دیا ان کو تجربہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بہت کم مسلمان وہاں اس کی زیارت کے لئے گئے بلکہ کوئی گیا ہی نہیں مکے کی لوٹ کے وقت کسی قرامطہ نے ضرب ماری تھی جس سے اسکے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔

حاکم بامراللہ کا حجر اسود کو توڑنے کا خبط

حجر اسود کو اپنی اصلی جگہ پر واپس آنے کے ستر برس بعد ایک اور مصیبت کا سامنا ہوا یعنے مصر کے دیوانے

---

[1] ایک بیدین ملعون فرقہ ہے ۱۲

بادشاہ حاکم بامر اللہ نے جس نے کچھ پیغمبری کے سے دعوے کئے تھے ۴۱۳ھ میں حجر اسود کو توڑ ڈالنے کے لئے قافلہ حجاج کے ساتھ ایک مصری کو بھیجا یہ شخص لوہے کا ایک لٹھہ اپنے کپڑوں میں چھپا کر چلا اور مکے پہنچکر حجر اسود کے سامنے کھڑے ہوکر یوں کہنے لگا " کب تک اس پتھر کی تعظیم ہوگی اور لوگ کہاں تک اسے چومیں گے اب نہ محمدؐ ہیں اور نہ علیؓ جو مجھ کو اس ارادے سے روک سکیں اور آج میں اسکو توڑ ڈالونگا " یہ کہکر اسنے تین مرتبہ اپنا لٹھہ حجر اسود پر مارا ۔ سواروں کا ایک رسالہ جو مصری قافلہ کیساتھ آیا تھا اس مردود کی مدد کے لئے بیت اللہ کے دروازے کے پاس کھڑا رہا لیکن وہ اس ملعون کو مسلمانوں کے غیظ و غضب سے بچا نہ سکا یمن کے ایک باشندے نے فی الفور خنجر سے اسکا کام تمام کردیا اور تمام مصری قافلہ لوٹ لیا گیا دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس ضرب سے باریک باریک تین ٹکڑے آدمی کے ناخن کے برابر ہوئے تھے انکو پیسکر اور اُن کی خاک کا سیمنٹ (جوڑنیکا مسالہ) بنا کر جہاں جہاں خراش آئی تھی بھر دیا ۔

کسی ملعون کا حجر اسود کو غلیظ کرنا

۹۹۰ھ میں ایک دن صبح دیکھا گیا کہ حجر اسود اور کعبے کے دروازے کو کسی نے غلیظ کردیا ہے جو شخص اس کو چومنے کے لئے جاتا وہ داغدار چہرہ لیکر واپس آتا ۔ اس مسخرہ پن کی حرکت کرنیوالے کو بہت تلاش کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا ۔ شبہ ایرانیوں پر ہوا تھا ۔ اصمعی نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ۔

حجر اسود کی تعظیم کے متعلق حضرت عمرؓ کو شبہ ہوچکا ہے ازرقی نے راویوں کے حوالہ سے اسکا ذکر کیا ہے

۳۰۶ھ میں خلیفہ المقتدر نے مسجد کے باب ابراہیم کے قریب ایک دہلیز بنوائی اور دونوں قدیمی دروازوں یعنی باب الجمعہ و باب القطان سے اس کو ملا دیا اسکے بعد عرصہ دراز تک کوئی تعمیر نہوئی ۔

۸۰۲ھ میں آگ لگ جانے سے مسجد کے شمال و مغرب کی عمارت بالکل تباہ ہوگئی تھی اس کو دو برس کے بعد الناصر فرج ابن برقوق سلطان مصر نے تعمیر کیا ۔ لکڑی جو یہاں کام میں لائی گئی وہ کچھ تو مصر سے اور کچھ طائف سے آئی تھی ۔

۹۰۶ھ میں سلطان قنصل غوری مصری نے باب ابراہیم کی جانب کا ایک بڑا حصہ دوبارہ بنوایا

۹۵۹ھ میں سلطان سلیمان ابن سلیم نے کعبے کی چھت دوبارہ بنوائی ۔

۹۸۰ھ میں سلطان سلیمان ابن سلیم اول نے مسعیٰ کی گلی کی جانب مسجد کی مرمت کرائی اور دالانوں کی چھتوں پر گنبد بنوائے اس نے وہ عمدہ فرش بھی کرایا جو اب کعبہ کے گرد ہے اور تمام دالانوں میں بھی فرش کرادیا ۔

سنہ ۹۸۴ھ میں سلطان مراد ابن سلیمان نے باقی سمتوں کی مرمت کرائی اور کچھ نئی تعمیر بھی ہوئی۔

سیلاب سے کعبہ کا نقصان

سنہ ۱۰۳۹ھ میں جبل نور سے ایک سیل شہر میں داخل ہوئی جس سے بیت اللہ میں یکایک پانی بھر گیا اور جتنے آدمی اسوقت وہاں موجود تھے سب کے سب ڈوب گئے بہت سی کتابیں اور قرآن کے عمدہ نسخے جو حجروں اور دالانوں میں رکھے تھے سب غارت ہو گئے۔ کعبے کے سامنے کی دیوار جسے حجر (حطیم) کہتے ہیں اور کعبے کی تین سمت بھیگئے شہر کے پانسو آدمی مرے۔

سنہ ۱۰۴۰ھ میں اس نقصان کی تلافی کیگئی۔ کعبے کے وہ حصے جو سیلاب زدہ ہو کر بیٹھ گئے تھے ڈھا کر کعبے کی مرمت ہوئی۔

سنہ ۱۰۷۲ھ میں زمزم کی موجودہ عمارت تعمیر کیگئی۔

سنہ ۱۰۷۲ھ میں چاروں مقام از سر نو تعمیر ہوئے اس زمانہ کے بعد سے مورخ مسجد کی تعمیر و تغیر و تبدل کی نسبت کچھ بیان نہیں کرتے اور میرا خیال ہے کہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں کچھ تغیر بھی نہیں ہوا اور اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیت اللہ کی موجودہ عمارت سلاطین مصر و قسطنطنیہ کی عظمت کی یادگار ہے۔

وہابیوں نے جو اس ملک کے مقبروں اور مکہ و مدینہ کی مسجدوں کو نقصان پہنچایا تھا اُس کی درستی کے لئے سنہ ۱۸۱۶ء میں کچھ کاریگر قسطنطنیہ سے حجاز بھیجے گئے تھے۔

مکّے کے متبرک مقامات

وہابیوں کے زمانے میں جان جوکھوں بغیر ان مقامات کی زیارت کیلئے کوئی شخص جرأت نہیں کرسکتا تھا ان زیارتگاہوں میں سے بعض کو تو وہابیوں نے بالکل ہی ڈھا دیا اور بعض کے گنبد توڑ ڈالے تھے۔

شہر کی زیارتگاہیں یہ ہیں:—

مولد النبی

یعنے پیغمبر صاحب کی جائے ولادت۔ یہ اسی نام کے محلے میں واقع ہے فصیح کے زمانے میں یہاں ایک مسجد بنی ہوئی تھی جسے **مسجد المجتبےٰ** کہتے تھے۔ میرے قیام کے زمانہ میں کاریگر بڑی چھوٹی سے یہاں اس عمارت کے بنانے میں مصروف تھے جو مولد پر بنی ہوئی تھی اور اسی شکل کی بنا رہے تھے جیسی (بنی ہوئی تھی)

اسمیں ایک جنگلہ ہے جو گلی کی سطح سے پچیس فٹ نیچا ہے اسمیں اُترنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہیں۔ یہاں ایک ذرا سی جگہ دکھائی گئی ہے جہاں آنحضرت تولد ہوئے تھے۔ یہ حضرت کے والد عبداللہ کا مکان بتایا جاتا ہے۔

مولد فاطمہؓ مولد سیدتنا فاطمہ یعنی حضرت کی بیٹی کی جائے ولادت۔ یہ ایک عمدہ سنگین عمارت میں ہے جو اُن کی والدہ حضرۃ خدیجہ کا مکان کہلاتا ہے اور محلہ دکاک الحجر میں واقع ہے اس عمارت کے صحن تک پہونچنے کے لئے کئی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اور مثل مولد النبیؐ کے گلی کی سطح سے یہ بھی نیچی ہے اس چھوٹی عمارت میں دو متبرک مقام ہیں ایک تو وہ جگہ جہاں حضرۃ فاطمہ پیدا ہوئی تھیں دوسری وہ جگہ جہاں وہ چکی پیسا کرتی تھیں اسکے قریب ایک حجرے میں وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت تشریف فرما رہتے تھے یہاں وحی نازل ہوتی تھی۔ اسی کو قبۃ الوحی کہتے ہیں۔

مولد علیؓ محلہ شعب علیؓ میں مولد حضرت علیؓ واقع ہے یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے اسکے صحن میں ایک سوراخ ہے جہاں حضرت علیؓ پیدا ہوئے تھے۔

مولد ابوبکرؓ مولد حضرت ابوبکرؓ ایک چھوٹی سی مسجد ہے یہ اس پتھر کے بالکل سامنے ہے جو آنحضرتؐ کو سلام کیا کرتا تھا یہاں کوئی متبرک جگہ خاص طور پر نہیں بنی ہوئی ہے مگر بہت عمدہ ایرانی قالین بچھے ہوئے ہیں۔

وہابیوں کے چلے جانے کے بعد ان سب مولدوں کو درست کر دیا گیا ہے البتہ مولد النبیؐ کی مرمت ہنوز جاری ہے۔

ان مقامات کے متولی کچھ شریف ہیں جو باری باری سے اپنے ملازموں کو لیکر یہاں رہتے ہیں ان زیارتگاہوں کے ہر کونے پر سفید رومال یا چھوٹے چھوٹے قالین بچھے ہوئے جنپر زائروں کو روپیہ پیسہ کچھ ڈالنا پڑتا ہے دروازوں پر عورتوں کی قطاریں کی قطاریں بیٹھی رہتی ہیں ان کو بھی کچھ دیا جاتا ہے بارہ آنے کے پیسے اگر ان مولدوں پر تقسیم کر دئے جائیں تو ان حریص اُمیدواروں کے لئے کافی ہے

مولد حضرۃ ابو طالب مولد حضرت ابو طالب جو معلیٰ میں ہے بالکل برباد کر دیا گیا اور اب وہ غالباً بنایا بھی نہ جائیگا جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں۔

قبر حضرۃ خدیجہؓ قبر حضرۃ سیدتنا خدیجہ جو آنحضرت صلعم کی بیوی تھیں معلی کے بڑے قبرستان میں مغربی سلسلہ کوہی کے نشیب میں ہے۔ حاجی خصوصاً جمعہ کے دن صبح باقاعدہ طور پر اسکی زیارت کرتے ہیں اسکے گرد چار دیواری کھنچی ہوئی ہے اسمیں سوائے لوح قبر کے جسپر خط کوفی میں آیۃ الکرسی کندہ ہے اور کوئی دستکاری قابل دید نہیں ہے اس کتبہ کا رسم الخط قدیمی کوفی وضع کا نہیں ہے جس سے مجھے شبہ ہوا کہ یہ پتھر اس قبر کا نہیں ہے

کتبہ پر کوئی تاریخ بھی نہ تھی۔ شریف شہر ور نے مرتے وقت اپنے لوگوں کو یہ وصیت کی تھی کہ اسکو حضرۃ خدیجہ رضہ کی قبر کے پاس اسی چار دیواری میں دفن کریں۔ چنانچہ اسکی قبر بھی موجود ہے

حضرۃ آمنہ رضہ کی قبر

اس سے تھوڑی دور پر حضرۃ آمنہ والدۂ آنحضرت صلعم کی قبر ہے اس پر سنگ مرمر کی عمدہ لوح نصب ہے اور خط کوفی میں کتبہ کندہ ہے لیکن اسکا رسم الخط سابق کے کتبے سے جدا گانہ تھا۔ وہابیوں نے اس لوح کو بھی توڑ کر دو ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ اور ان ٹکڑوں کو بھی یہاں سے علیحدہ کر دیا تھا۔ یہ لوگ زیارت قبور کو ایک قسم کی بت پرستی سمجھتے ہیں اس لئے قبروں کو توڑ پھوڑ کر انہوں نے اپنی نفرت کا ثبوت دیا تھا یہاں بھی رومال پھیلائے ہوئے بہت سی عورتیں بیٹھی تھیں اور ہر ایک زائر سے خیرات مانگ رہی تھیں۔

اس وسیع قبرستان میں پھر کر مینے بہت سی قبریں دیکھیں جنپر کوفی کتبے تھے مگر انمیں کوئی کتبہ چھٹی صدی ہجری سے قبل کا نہ تھا اور انمیں بھی دعائیں زیادہ کندہ تھیں۔ متوفی کا نام و تاریخ وفات کچھ نہ تھی یہاں عموماً چار بڑے بڑے پتھروں سے مستطیل شکل کی قبریں بناتے ہیں اور ایک چوڑا پتھر سرہانے کھڑا کر دیتے ہیں جسپر کتبہ ہوتا ہے یہاں مینے بڑی بڑی قبریں یا دستاری شکل کے کٹے ہوئے پتھر یا اس قسم کی آرائشیں نہیں دیکھیں جیسی کہ ایشیا کے اکثر شہروں میں پائی جاتی ہیں۔ اس قبرستان میں مکے کے امیر آدمیوں نے چند چھوٹی چھوٹی عمارتیں اپنے رشتہ داروں کی قبروں کو محدود کرنے کے لئے بنا دی ہیں۔ انکے اندر فرش بھی ہے کہیں چھت نہیں ہے اور بہت سیدھی سادھی بنی ہیں۔ دو تین عمارتوں میں مینے درخت بھی دیکھے جن کو اُن حوضوں کے پانی سے سیراب کرتے ہیں جو احاطوں کے اندر مینہ کا پانی اکٹھا ہونے کے لئے بنا دئیے ہیں یہاں بعض اوقات وہ لوگ جنکی یہ عمارتیں ہیں دن بھر گزار لینے کے لئے چلے آتے ہیں۔

بہت سی عمارتیں جنمیں مشہور علماء دفن تھے انکے گنبد وہابیوں نے توڑ ڈالے یہ متعصب قبروں کو کبھی ہاتھ نہیں لگاتے اور مردوں کی ہڈیوں کی بےحرمتی نہیں کرتے۔

اس قبرستان میں شام و مصر کے بعض پاشاؤں کی بھی قبریں ہیں کیونکہ اُنپر بھی کوئی آرائش نہیں ہے تقریباً ہر قبر کے سرہانے کتبے کے مقابل میں نے گھیگوار کا درخت بھی دیکھا یہ ہمیشہ سرسبز رہتا ہے اور اسے پانی کی بھی بہت کم ضرورت ہے۔ اسکا عربی نام صبار ہے اور یہ قبروں پر اس لئے لگایا جاتا ہے کہ میت قیامت کے آنے کا صبر کے ساتھ انتظار کریں۔

خلاصہ یہ کہ وہابیوں کی دستبرد سے یہ قبرستان ویران ہوگیا ہے۔ علاوہ اسکے میرا یہ بھی خیال ہے کہ

مکے والے اپنے دوستوں اور عزیزوں کی قبروں کی زیادہ خبر گیری بھی نہیں کرتے۔

شہر کے باہر کی زیارت گاہیں

جبل ابو قبیس

جبل ابو قبیس۔ شہر کے قرب وجوار میں یہ سب سے بلند پہاڑ ہے۔ یہ شہر کے مشرق میں ہے مسلمانوں کی روایت ہے کہ یہ سب سے پہلا پہاڑ ہے جو زمین پر پیدا کیا گیا۔ اسکا نام عربی کی تاریخ اور شاعروں کے کلام میں پایا جاتا ہے حاجی اسی پہاڑ پر دو مختلف مقامات کی زیارتیں کرتے ہیں۔ ایک مکان الحجر کہلاتا ہے۔ اسلام کے پہلے سال جبکہ قریش اور مکے والے زیادہ تر بت پرست تھے حضرت عمرؓ لوگوں کو نماز کے لیئے یہاں بلایا کرتے تھے یہاں ایک غار ہے جو چھوٹی سی قبر سے مشابہ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے کعبہ بنانے سے بہت قبل فرشتے حجر اسود کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

طوفان کے وقت اللہ تعالٰے نے فرشتوں کو حکم دیا کہ حجر اسود کو اس غار میں رکھدیں اور اسکی حفاظت کریں کہ پانی اسے نہ چھوئے طوفان کے بعد جبرئیلؑ نے چٹان کو ہٹا کر حجر اسود کو کعبہ میں لیجا کر رکھدیا۔

مکان الحجر سے تھوڑے فاصلے پر دوسری زیارت گاہ ہے اس کو مکان شق القمر کہتے ہیں یعنے چاند کے شق ہونے کی جگہ جو پیغمبر صاحب کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ اسکا قصہ مکے والے مختلف طور پر بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ محمد صلعم یہاں نماز ظہر پڑھ رہے تھے کفار قریش آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انمیں سے ایک شخص نے عرض کیا یا حضرت آپ اسوقت کوئی معجزہ دکھایئے تاکہ ہم کو ثابت ہو جائے کہ آپ فی الحقیقت سچے نبی ہیں۔ آپنے فرمایا تم کیا چاہتے ہو اور کیا معجزہ دیکھکر تم ایمان لاؤ گے؟ مشرکین نے جواب دیا سورج غروب ہو جائے چاند تارے نکل آئیں چاند اس پہاڑ پر اترے اور آپ کی جیب میں آ کر آستین میں سے نکل جائے اور پھر دن ہو جائے آپ نے دعا کی اور معجزہ پورا ہو گیا۔ سب مشرکین ایمان لائے۔ یہ اور اسی قسم کے اور معجزے حاجیوں سے روپئے اینٹھنے کے لیئے مکے والے ان مقامات پر بیان کرتے ہیں مگر احادیث معتبرہ سے انکا ثبوت نہیں ملتا۔ مکے والے رمضان شریف کا چاند بھی اسی پہاڑ پر چڑھ کر دیکھتے ہیں۔ اسی پہاڑ پر ان دونو متبرک مقامات کے بیچ میں کسی قدر

مشرق کی جانب ایک بڑی عمارت کے کھنڈر ہیں جو اب چند دیواریں رہ گئی ہیں بیان کرتے ہیں کہ شریف مکہ کا یہ سرکاری جیل خانہ تھا اسمیں کئی قیدخانے مثل مینار کے بنے ہوئے ہیں اور یہ غالبًا وہ قلعہ تھا جو مختار ہاشمی نے بنوایا تھا یہ شخص مکہ کا ایک سردار تھا جو ۳۰۰ھ یا ۵۰۰ھ میں گزرا ہے ان مناروں کی نسبت یہ بھی شبہ ہوا تھا کہ شاید مسجد ابراہیم کے کھنڈر ہوں ۔ ازرقی کہتا ہے کہ یہ مسجد ساتویں صدی عیسوی تک یہاں قائم تھی مکے کے عام لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جو شخص جبل ابوقبیس پر بیٹھ کر بھنی ہوئی سری کھاتا ہے اسکے ہر قسم کے درد سر کو آرام ہوجاتا ہے ۔

جبل نور

جبل نور ۔ یہ پہاڑ شہر کے شمال میں ہے ۔ شریف کے باغ سے گزر کر عرفات کی سڑک کی طرف کسی قدر آگے ہم ایک وادی میں داخل ہوئے جو شمال و مشرق کی جانب چلی گئی ہے اور اس مخروطی پہاڑ سے محدود ہے پیشتر جبل نور پر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں بنا دی گئی تھیں جو سب ٹوٹ پھوٹ گئیں اور آپ پون گھنٹے میں بڑی تکان کے بعد اوپر پہنچتے ہیں ۔ پہاڑ پر ایک چھوٹی سی سنگین عمارت ہے جس کو وہابیوں نے اجاڑ دیا ہے ایک پتھر میں آدمی کے قد کے برابر لمبا چوڑا ایک شگاف ہے جسکی زیارت کیجاتی ہے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے دشمنوں اور مشرکی ساتھیوں کے طعنوں سے تنگ آکر جو یہ کہتے تھے کہ خدا نے آپ کو چھوڑ دیا ہے اس پہاڑ پر تشریف لائے اور اس شگاف میں معتکف ہوکر عالم بالا کی مدد کے منتظر ہوئے آخر جبرئیل آئے اور سورہ **الم نشرح لک صدرک** نازل ہوئی اس سے قبل کی سورہ بھی آپکے رنج کی حالت کو ظاہر کرتی ہے اس جگہ سے ذرا نیچے سخت پتھر کا ایک چھوٹا سا غار ہے جس کو **مغارۃ الحرا**[1] کہتے ہیں ۔ یہاں اور بھی چند آیتیں نازل ہوئی تھیں جو اکثر اس جگہ کی زیارت کرتے وقت پڑھتے ہیں مگر موجودہ آدمیوں میں کسی نے بھی مجھے یہ نہ بتایا کہ وہ کونسی آیتیں ہیں ان دونوں جگہوں کے مجاور قبیلہ **بنی لحیان** کے بدوی ہیں ۔

غار حرا

میں رات کے وقت حاجیوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ جبل نور کی زیارت کو روانہ ہوا تھا عموماً شنبہ کے روز یہاں کی زیارت کیجاتی ہے ہم دن نکلنے تک اسکی چوٹی پر رہے جب سورج نکل آیا تو شمال و مغرب کی طرف بہت دور تک کا سماں ہمیں نظر آنے لگا دوسرے دو جانب پہاڑوں کے حائل ہوجانے کے باعث دکھائی نہ دئے ہمارے سامنے کا منظر بہت ہی خشک تھا کوئی ذرا سی بھی سبز جگہ نظر نہ آرہی تھی صرف بنجر سیاہ اور بھوری پہاڑیاں اور سفید ریتلی وادیاں ہمارے سامنے تھیں ۔

---

[1] زمانہ جاہلیت میں اسکو جبل حرا کہتے ہیں ۔ حجاز کے اکثر پہاڑوں اور وادیوں کے نام بدلگئے ہیں ۱۲

پہاڑ کی ڈھال پر چوٹی سے تھوڑی دور ایک چھوٹا سا پتھر کا حوض ہے جو زائروں کی آسائش کیلئے بنا دیا گیا ہے۔ اس وقت یہ سوکھا پڑا تھا اور بالکل بے مرمت تھا۔

جبلِ ثور

جبلِ ثور۔ مکے کے جنوب میں کوئی ڈیڑھ گھنٹے کے راستے پر موضع حسینی کے بائیں جانب جبلِ ثور واقع ہے۔ یہ جبلِ نور سے زیادہ بلند مشہور ہے اسکی چوٹی پر ایک غار ہے جہاں آنحضرتؐ اور انکے ساتھی ابوبکرؓ نے ہجرت سے قبل پناہ لی تھی۔ اس غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا جس کو دیکھکر انکے پیچھا کرنے والوں نے یہ خیال کیا کہ وہ یہاں نہیں چھپے۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن کے نویں پارے میں ہے میں نے یہ جگہ نہیں دیکھی۔

عمرہ

العمرہ۔ اس عمارت کا میں پیشتر ذکر کر چکا ہوں۔ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس میں ایک الان ہے یہ عمارت وادی فاطمہ کی سڑک پر واقع ہے۔ ہر ایک حاجی کو بھی اسکی زیارت کرنی پڑتی ہے لیکن بمقابلہ عمارات مذکورہ کے یہ اپنی حالت پر چھوڑ دیگئی ہے۔ عمرہ کے پاس کئی آبادیوں کے کھنڈر ہیں ایک بڑا کنواں ہے جس میں بکثرت پانی ہے اور زراعت کے کچھ آثار بھی پائے جاتے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ وہ کنواں ہے جسے بعض **تنعیم** کہتے ہیں۔

مسجد اہلیلجہ

الازرقی کا بیان ہے کہ اسلام کے اوائل زمانہ میں یہاں ایک مسجد بھی بنی ہوئی تھی جسے مسجد اہلیلجہ کہتے تھے۔ میں اب مکے کے بیان کو داخلی کعبہ پر ختم کرتا ہوں اس کا مجھے اندیشہ تھا کہ بیت اللہ کے حالات کے ساتھ کہیں مخلوط نہ ہو جائے۔

داخلی کعبہ

کعبہ سال میں تین مرتبہ کھلتا ہے۔ بیسویں رمضان کو۔ ذیقعدہ کی پندرھویں کو اور محرم کی دسویں کو۔ کعبہ کا دروازہ سورج نکلنے کے ایک گھنٹے بعد کھول دیا جاتا ہے اور اسوقت سیڑھیوں اور دروازے پر آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے ہیں۔ جوں ہی کہ کھولنے والے دیوار کو چھوتے ہیں بیشمار آدمی اندر جھپٹ پڑتے ہیں اور ایک لمحہ میں کعبہ کا تمام اندرونی حصہ بھر جاتا ہے۔ سیڑھیوں پر خوجے بیٹھے بیفائدہ خواہ مخواہ انتظام کرتے رہتے ہیں انکی لکڑیاں ان لوگوں پر جو انکی مٹھی گرم نہیں کرتے زور زور سے پڑتی رہتی ہیں۔ بہت سے آدمی اس دھکا پیلی میں بری طرح کچل بھی جاتے ہیں۔

کعبے کے اندر ہر حاجی کو آٹھ آٹھ رکعت نماز پڑھنی ہوتی ہے یعنی ہر کونے میں دو دو رکعت لیکن جسطرح یہ نماز پڑھی جاتی ہے اسکا اندازہ آسانی سے ہو سکتا ہے بس یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک سجدہ کر رہا ہے

دوسرا اسکے اوپر سے چلا جا رہا ہے نماز ختم ہونے کے بعد حاجی کعبے کی دیوار سے لپٹ کر اور اپنا منہ اُس سے ملکر دعائیں مانگتے ہیں رونے اور سسکیوں کی آوازوں سے کعبہ گونجنے لگتا ہے ....

مینے بہت سے حاجیوں میں بے انتہا خشوع و خضوع دیکھا وہ رو رو کر توبہ کر رہے تھے اور گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے بہت سے چہرے آنسوؤں سے تر تھے اور میرے چاروں طرف اس قسم کی دعائیں مجھے سنائی دیرہی تھیں "یا اللہ اے بیت اللہ کے خدا مجھے بخشدے میرے والدین کو بخشدے اور میرے بچوں کو بخشدے۔ یا اللہ مجھے جنت نصیب کر۔ یا اللہ ہم کو آتش دوزخ سے بچا۔ یا اللہ تو بیت العتیق کا خدا ہے" میں یہاں پانچ سے زیادہ نہ ٹھہر سکا گرمی کے مارے میں بیہوش ہوئے جا رہا تھا۔ بہت سے آدمی بالکل غشی کی حالت میں بمشکل تمام یہاں سے باہر نکالے گئے۔

کلید کعبہ

دروازے پر ایک شریف بیٹھا ہے اسکے ہاتھ میں کعبے کی چاندی کی کنجی رہتی ہے اسے یہ حاجیوں کے سامنے چھونے اور چومنے کے لئے پیش کرتا ہے اور اسکے معاوضہ میں حاجی باہر آکر اسکو کچھ دیتے ہیں ایک خوجہ جو اس شریف کے پاس بیٹھا رہتا ہے اسکو بھی کچھ دینا پڑتا ہے بعض خوجے جو سیڑھیوں پر بیٹھے ہوا اور چند ادنیٰ عہدہ دار و ملازم جو کعبے کو گھیرے رہتے ہیں وہ بھی کچھ نذر بھینٹ کی امید رکھتے ہیں مینے بہت سے حاجیوں کو اس شرمناک عادت پر سختی کے ساتھ اعتراض کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ دنیا کے سب سے زیادہ متبرک مکان میں ایسی حرص و طمع کسیطرح مناسب نہیں ہے مگر کنے والے ایسے طعن و تشنیع کی بہت کم پروا کرتے ہیں۔

کعبہ گیارہ بجے تک کھلا رہتا ہے۔ دوسرے دن صرف عورتوں ہی کے لئے خاص طور پر کعبہ کھولا جاتا ہے کعبے کی زیارت کی بعد طواف کعبہ بھی ضرور ہے۔

کعبہ کا اندرونی حصہ

کعبہ کا اندرونی حصہ صرف ایک حجرہ ہے اسکی چھت دو ستون پر قایم ہے اور سوائے دروازے کے اور کسی جگہ سے اسمیں روشنی داخل نہیں ہوتی۔

اندرونی غلاف کعبہ

کعبے کی چھت۔ دونوں ستونوں کا اوپر کا نصف حصہ اور فرش سے پانچ پانچ فٹ تک دیواریں ایک سرخ ریشمی کپڑے سے ڈھکی رہتی ہیں جس پر نہایت سیواں زریں کام کیا ہوتا ہے اور بڑے بڑے حروف میں پھول بیل اور کتبے بنے رہتے ہیں۔ ستونوں کے نیچے کے حصہ پر منبت کا کام ہے اور اگر سے استرکاری کی ہوئی ہے۔ دیواروں کا وہ حصہ جو غلاف کے اندر رہتا ہے اسمیں عمدہ سفید سنگ مرمر لگا ہے اور عربی

وضع کی پچکاری کی ہوئی ہے۔

کعبے کے اندر کا فرش جو دروازے کی سطح کی برابر اور بیت اللہ کی سطح سے کوئی سات فٹ بلند ہے یہ مختلف رنگ کے پتھروں کا ہے ستونوں کے بیچ میں بہت سے فانوس لٹکے ہوئے ہیں جو مسلمانوں نے چڑھائے ہیں اور خالص سونے کے بیان کئے جاتے ہیں۔ انکو وہابیوں نے نہیں چھیڑا تھا۔[1]

اس حجرے کے شمال و مغرب کی طرف کے کونے میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جسمیں ہو کر کعبے کی چھت پر چڑھ سکتے ہیں اسکے سوا میں نے اور کوئی قابل ذکر چیز یہاں نہیں دیکھی۔ حجرہ اسقدر تاریک ہے کہ میں داخل ہونے کے کئی منٹ بعد تک کچھ نظر نہیں آتے۔

کعبے کی اندرونی آرائشیں سنہ ۱۶۲۶ء سے چلی آرہی ہیں جبکہ کعبہ کی تعمیر ہوئی تھی۔

غسل کعبہ

کعبے کے دھونے کی رسم میں نے کوئی نہیں دیکھی جیسی کہ علی بے العبّاسی نے اپنے سفرنامے میں بیان کی ہے جیسے کہ کعبے کے آس پاس کا فرش دھویا جاتا ہے اسی طریقہ سے کعبے کے اندر کا فرش بھی میں نے لوگوں کو دھوتے ہوئے دیکھا۔ اصمعی کی تاریخ سے البتہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بعض وقت بڑے بڑے آدمی دھوتے ہیں۔

کعبے کے اندر داخل ہونا حاجیوں کا مذہبی فرض نہیں ہے اور اسی وجہ سے بہت سے حاجی بغیر اندر داخل ہوئے مکے سے رخصت ہو جاتے ہیں میں نے دو مرتبہ کعبہ اندر سے دیکھا ایک مرتبہ پندرھویں ذیقعدہ کو اور دوسری دفعہ دسویں محرم کو آخری مرتبہ نیا غلاف جو محمد علی قاہرہ سے لایا تھا لٹکایا گیا تھا۔ یہ بہت بیش قیمت کپڑے کا تھا اور بافت میں بیرونی سیاہ غلاف سے زیادہ نفیس اور زیادہ اچھا تھا پرانا غلاف جو بیس برس سے زائد مدت سے ٹنگا ہوا تھا کعبے کے خزانے، حاجیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا آٹھ آٹھ انگل کے ٹکڑے دو دو روپے کو بکے۔ اندرونی غلاف بھی انہیں لوگوں کا حق ہے جو باہر کی کسوت لیتے ہیں بعض اوقات اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ ۸۶۵ھ میں ہوا تھا جبکہ شاہ رخ شاہ ایران نے ایک شاندار کسوہ اندر کے لیئے بھیجی تھی۔ (ملاحظہ ہو تاریخ قطب الدین)

---

[1] قطب الدین بیان کرتا ہے کہ کعبہ میں جو زریں فانوس لٹکے ہوئے تھے وہ مکے کے شیخ اپنے عباؤں کی چوڑی چوڑی آستینوں میں چھپا کر چرا لے گئے۔ بہت سے سونے کے فانوس سلطان سلیمان نے یہاں بھیجے تھے ۱۲

باب السلام کے سامنے ایک دوکان ہے اسمیں اندرونی و بیرونی دونوں غلافوں کے ٹکڑے ہمیشہ بکتے رہتے ہیں۔ مینے انکی صدریاں بنی ہوئی دیکھیں۔ لڑائی کے موقعو پر مسلمان انکو سب سے زائد محفوظ زرہ بکتر سمجھتے ہیں۔ اسی دکان میں بہت ہی بھدے اور نہایت ہی بھڑکیلے رنگ کے مکے اور مدینے کے نقشے کاغذ یا کپڑے پر کھچے ہوئے بکتے ہیں اور لکڑی کے چھاپوں سے چھوٹی چھوٹی دعائیں بھی چھاپکر فروخت کرتے ہیں مینے بھی یہاں سے کچھ دعائیں اسی غرض سے خریدی تہیں۔ جس خیال سے زمزمیاں لی تہیں۔ غلاف کعبہ بکنے کی دوکان

مکہ وجدہ کے باشندے و حالات

مکے اور جدے میں ایک ہی قسم کے آدمی آباد ہیں اور انکے عادات و رسم و رواج بھی ایک ہی ہیں میں پیشتر کہہ چکا ہوں کہ مکے کے قریب قریب کل مالدار آدمیوں کے مکان جدے میں موجود ہیں اور تجارتی تعلقات دونوں شہر و نکے یکساں ہیں باستثناء چند حجازی بدویوں یا اُنکی اولاد کے جو یہاں مقیم ہوگئی ہے باقی مکے کے باشندے سب کے سب پردیسی یا پردیسیوں کی اولاد ہیں۔ قدیمی قبیلہ قریش جو خانہ بدوش اور متمدن دو شاخوں میں تقسیم ہوگیا تہا اب تقریباً نایاب ہے کچھ قریشی بدوی اب بھی مکے کے مضافات میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ متمدن قریش جو آنحضرت صلعم کے زمانے میں مکے میں رہا کرتے تہے وہ کچھ مرمٹ گئے اور اور کچھ مسلسل خانہ جنگیوں کے باعث جلاوطن ہوگئے اس زمانے میں اسی قبیلۂ قریش کے تین خاندان مکے میں ہیں انہیں کا ایک سربراوردہ خاندان نائب یعنے بیت اللہ کا محافظ ہے اور دوسرے دو گھرانے بالکل غریب ہیں لیکن مسجد کی خدمات انکے ہی سپرد ہیں۔

جدے نے جو کہ تجارت کی منڈی ہے اور بیت اللہ شریف نے جسکے باعث ہر سال بڑے بڑے قافلے آتے ہیں یہاں پردیسیوں کی ایک بڑی تعداد کھینچ لی ہے اور اسی نے گویا فرمایش کی اب جگہ لے لی ہے ہر ایک حج کے بعد کچھ نہ کچھ مسلمان یہاں رہجاتے ہیں مسلمانوں کا قاعدہ ہے کہ خواہ کتنی ہی تہوڑی مدت کے لئے وہ کسی شہر میں رہیں وہاں شادی ضرور کرلیتے ہیں اور اس طرح اکثر اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کرنے پر مائل ہوجاتے ہیں اسیوجہ سے مکے والے دنیا کے دور و دراز ملکوں کے باشندوں کی نسل ہیں انہوں نے عربی طریقے اختیار کرلئے

اور آپس میں شادی بیاہ کی وجہ سے ایک ایسی نسل پیدا ہوگئی ہے جو دیسی عربوں سے کسی طرح فرق نہیں رکھتی یہاں نجے، دکاندار، تاجر، مطوف، علما، غرض جس سے دریافت کروگے تو وہ کسی نہ کسی پردیسی کے بیٹے پوتے نکلیں گے سب سے زیادہ وہ لوگ ہیں جنکے آبا و اجداد یمن و حضرموت سے آئے تھے۔ انکے بعد دوسرا نمبر ہندوستانیوں مصریوں، شامیوں، مغربیوں، اور ترکوں کی نسل کا ہے۔ بعض مکی ایرانی النسل بھی ہیں۔ تاتاری، بخاری، کرد، افغان، اور خلاصہ یہ کہ دنیا کے ہر اسلامی ملک کے باشندوں کی نسلیں یہاں ہیں مکے والے اپنے اصلی ملک قائم رکھنے میں بڑی احتیاط کرتے ہیں میرا مطوف اپنے تئیں اذبک تاتار کی اولاد بتاتا تھا جو بخارا کا رہنے والا تھا یہ اگرچہ اُس ملک کی زبان سے بالکل نا آشنا تھا مگر جب کبھی کوئی حاجی اُس طرف کا یہاں آنکلتا تو یہ حتی الامکان ضرور اسکا مطوف بنتا۔

مکے میں ایک شاخ قدیم عربوں کی بھی ہے یہ دیسی شریف ہیں اور پردیسی شریفوں کی اولاد سے جو یہاں سکونت پذیر ہوگئی ہے جداگانہ ہیں۔ یہ اپنا سلسلۂ نسب امام حسنؓ و امام حسینؓ علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں اگرچہ دوسرے شریف بھی اپنے تئیں انہیں کی اولاد بتاتے ہیں مگر اُنکے نسب نامے کم معتبر سمجھے جاتے ہیں۔ مکے کے شریفوں کی ایک بڑی جماعت ہے جسمیں کوئی پردیسی شامل نہیں ہو سکتا اور وہ عرب کے بہت سے حصوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ میں انکی تاریخ اور اس زمانے کے حالات سے جب سے وہ مختلف قبیلوں میں تقسیم ہوگئے پورے طور پر واقف نہیں ہوں اسلئے صرف اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ وہ بہت سے قبیلوں میں منقسم ہوگئے ہیں جن میں سے ایک قبیلہ سے موجودہ شریف انتخاب کر لیا گیا ہے۔ اسکا ذکر میں آگے چلکر کرونگا۔

مکے کے شریفوں کے نام میں بلحاظ انکے پیشوں کے ایک فرق ہے مثلاً جو لوگ ذی علم ہوتے ہیں اور فقہ کی تعلیم پاتے ہیں یا کم و بیش کعبے کی خدمت بجا لاتے ہیں وہ سید کہلاتے ہیں اور جو لوگ سپاہی پیشہ ہوتے ہیں اور ملکی معاملات میں دخل دیتے ہیں وہ شریف کہلاتے ہیں۔ مکی کہتے ہیں کہ سید مذہب کے پیرو ہیں اور شریف سپاہی لڑکے عموماً اپنے باپ کی پیروی کرتے ہیں پیشتر یہ دیسی شریف شہر کے سرگروہ تھے اب ترکوں کی فتح نے انکا غرور ڈھا دیا۔

اگرچہ مکے کی آبادی کھچڑی ہے مگر سب کے سب ایک ہی قسم کے لباس پہنتے ہیں اور ایک ہی رسم و رواج کے پابند ہیں اور اگرچہ وہ مختلف الاصل ہیں مگر بہ نسبت کسی اور مقام کے اس متبرک شہر میں وہ سب ایک ہی اپنا قومی لباس اور وضع رکھتے ہیں۔

شام و مصر کے شہروں میں ایشیا کے مختلف حصوں کے باشندے اپنے ملک کے لباس و وضع پر بڑی سختی کے ساتھ پابند رہتے ہیں۔ خواہ ان مقامات میں وہ عمر بھر کے لئے ہی سکونت کیوں نہ اختیار کر لیں اسی سبب سے مشرقی بازار کا منظر بہ نسبت یورپ کے کسی بڑے مجمع کے زیادہ دلفریب معلوم ہوتا ہے مگر حجاز میں برخلاف اسکے بہت سے پردیسی اپنے وطن کا لباس چھوڑ کر یہاں کا سا لباس پہننے لگتے ہیں اور ان کے بچوں کی تربیت و لباس بھی مکہ والوں کے بچوں کے مثل ہوتا ہے۔ ہندوستانی البتہ اس قاعدے سے مستثنےٰ ہیں انہوں نے یہاں اپنی ایک نئی آبادی قائم کر لی ہے اور اپنی ہی زبان میں بات چیت کرتے ہیں حالانکہ دوسرے پردیسیوں کے بچے اکثر اپنے بزرگوں کی زبان بھول جاتے ہیں۔ انکی (ہندوستانیوں) مائیں مکے کی عرب عورتیں ہیں۔

مکہ و جدہ والوں کا رنگ زردی مائل بیماروں کا سا بھورا اور کھلا ہوا سیاہ ہوتا ہے یہ اُن کی ماؤں کی وجہ سے ہے جو اکثر حبشی لونڈیاں ہیں انکی شکل و شمائل بہ نسبت مشرقی شہریوں کے بدوؤں سے زیادہ ملتی ہے۔ شریفوں میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی ہے انکے چہرے مہرے بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ انکی آنکھ ناک بدویوں کی سی ہوتی لیکن چہرے زیادہ پر گوشت ہوتے ہیں۔

ادنیٰ طبقے کے مکی عموماً مضبوط ہیں اور اعلیٰ درجہ والوں کی یہی پہچان ہے کہ انکی شکلیں دبلی دبلی ہوتی ہیں یہ لوگ عموماً یمنی یا ہندی النسل ہیں مکے کے اطراف میں جو بدوی رہتے ہیں وہ اگرچہ قریب ہیں مگر انکے جسم بہ نسبت ریگستان کے مالدار بدویوں کے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں غالبًا اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ انکی طرح خانہ بدوشوں کی زندگی نہیں گزارتے اور لمبے لمبے سفروں کی تکلیفیں نہیں برداشت کرتے عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مکی بہ مقابلہ مصری و شامی کے طاقت و قد و قامت میں کم ہیں مگر ظاہری شکل و شمائل اور خصوصاً آنکھوں کی چمک میں اُن سے بڑھے ہوئے ہیں مکے اور جدے والے چالیس دن کے اپنے لڑکوں کے گالوں پر لمبی لمبی تین لکیریں کا کر بنا دیتے ہیں اور سیدھی کنپٹی پر دو لکیریں کرتے ہیں جن کا نشان عمر بھر رہتا ہے انکو مشعلہ کہتے ہیں۔ بدویوں میں یہ رسم نہیں ہے لیکن مکے والے اس پر فخر کرتے ہیں اس سے انکو حجاز کے دوسرے باشندوں پر ایک قسم کی فوقیت حاصل ہے اور مقدس شہر میں پیدا ہونے کی یہ علامت سمجھی جاتی ہے۔ کبھی کبھی لڑکیوں کے بھی یہ نشان کر دیا جاتا ہے۔

بورنو واقع افریقہ میں بھی یہ رسم ہے مگر وہاں کے باشندے بہ نسبت مکے والوں کے بہت خفیف سا

نشان بناتے ہیں۔

اعلیٰ طبقے کا لباس

اعلیٰ طبقہ والوں کا جاڑوں کا لباس یہ ہوتا ہے کہ اوپر ایک عبا پہنتے ہیں نیچے ایک جبہ اور پھر چمکدار ریشمی قبا جسم پر باریک کشمیری پٹکا لپیٹ لیتے ہیں سر پر سفید ململ کا عمامہ اور پاؤں میں زرد سلیپر گرمیوں میں بجائے اونی عبا کے ہندوستانی ساخت کے باریک ریشمی کپڑے کی جسے مختار خانی کہتے ہیں عبا پہنتے ہیں اعلیٰ ترین طبقے کے لوگ جن پر ترکی فیشن کا بہت اثر پڑا ہے عماموں کے نیچے سرخ ترکی ٹوپیاں بھی پہننے لگے ہیں ورنہ عام طور پر ململ کی ٹوپیاں جن پر ریشم کا بہت اچھا کام کیا جاتا ہے پہنتے ہیں یہ کام مکے کی عورتیں کرتی ہیں اور ایک معمولی تحفہ ہے جو عورتیں اپنے شوہروں کو پردیس میں بھیجتی ہیں۔ بعض اوقات ٹوپیوں کے حاشیوں پر بڑے بڑے حروف میں آیات قرآنی بھی کاڑھی جاتی ہیں۔

متوسط لوگوں کا لباس

مکے کے متوسط درجہ کے خوش پوشاک آدمیوں کے جبے عموماً سفید ململ کے ہوتے ہیں جنمیں استر نہیں لگایا جاتا ان کو بدن پر پہنتے ہیں۔ یہ بہت چھوٹا ہوتا ہے اسمیں آستین بھی نہیں ہوتیں۔ یہ اگر موٹے کپڑے کا ہو تو بہت ٹھنڈا بھی رہتا ہے۔ بدن پر ایک جبہ ہلکے رنگ یا ہندوستانی ریشمی کپڑے کا اوپر پہنا جاتا ہے۔ گرمی زیادہ ہو تو اسے کندھوں پر ڈال لیتے ہیں اور جسم پر صرف قبا اور قمیص رہجاتی ہے۔ قمیصیں ہندوستانی ریشمی کپڑے یا مصر کے ململ کی ہوتی ہیں اور باریک سے باریک مل سکتی ہیں۔

غریبوں کا لباس

ادنیٰ آدمی گرمیوں میں سوائے قمیص کے اور کچھ نہیں پہنتے اور پیجامے کی بجائے ایک زرد ہندوستانی تہمت یا دھاری دار مصری کپڑا کمر سے لپیٹ لیتے ہیں۔ جاڑوں میں اس پر ہندوستانی دھاری دار کپڑے کا بدن پہن لیتے ہیں لیکن پٹکا نہیں باندھتے۔

جوتوں کی جگہ غریب لوگ نعلین پہنتے ہیں۔ گرمی کے دنوں میں یہ بہت آرام دیتی ہے اور پاؤں کو اس سے خنکی پہنچتی ہے۔ سب سے عمدہ نعلین یمن سے آتی ہیں آجکل وہاں چمڑے کی تجارت زوروں پر ہے گرمی میں تمام ہندوستانی اور دوسرے بہت سے آدمی عمامہ نہیں باندھتے صرف ٹوپی پہنے پھرتے ہیں معمولی عمامے ہندوستانی ململ یا خاصہ کے ہوتے ہیں جنکو ہر طبقے کے آدمی ایک خاص ترکیب کیا تہہ باندھتے ہیں عالم وفقیہ پیٹھ تک شملہ لٹکاتے ہیں بمقابلہ دوسرے اسلامی شہر مکے والے زیادہ صاف لباس پہنتے ہیں

لباس کا شوق

چونکہ سفید ململ یا خاصہ انکے لباس کا جزو اعظم ہے اسلیئے انکے کپڑے اکثر دہلتے رہتے ہیں اور اس طرح
غریب سے غریب آدمی بہی ہفتے میں ایک جوڑا بدل لیتا ہے۔ متوسط و اعلیٰ درجہ کے لوگ جلد جلد کپڑے
بدلتے رہتے ہیں مالدار ہر روز ایک نیا جوڑا پہنتے ہیں اور تیس چالیس جوڑے کپڑے رکہنا یہاں معمولی
بات ہے۔ حجاز والے بہ نسبت شمالی مسلمانوں کے کپڑے کے بہت شایق ہیں اور غریبوں کی تو ساری
کمائی لباس میں ہی خرچ ہوجاتی ہے۔ مکے والے جب اپنی دکان سے لوٹتے ہیں یا کہیں تہوڑی دور
شہر جاکر واپس آتے ہیں تو فوراً کپڑے اُتار الگنی پر ٹانگ دیتے ہیں عمامہ اُتار کر قمیص بدلتے ہیں اور
پہر ٹوپی پہنکر شطرنجی پر لیٹ جاتے ہیں اس ہیئت کذائی سے اپنے ملاقاتیوں سے ملتے ہیں اور
ننگے بدن جہلملی دار کہڑکی کے نیچے بیٹھے ایک ہاتھ سے پنکہا جہلکر مکہیاں اڑاتے اور دوسرے ہاتھ
سے پیچوان حقہ پیتے رہتے ہیں یہ پنکہا کہجور کے پتوں کا ہوتا ہے یہ اسکی شکل ہے۔ 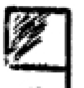

عید تہوار کے کپڑے

عید تہوار کے دن یہ لوگ اور بہی بڑہ چڑہکر ٹہسک دکہلاتے ہیں۔ امیر سے لیکر غریب تک سب انکے دن
نیا جوڑا بدلتے ہیں اور جو کوئی عمدہ جوڑا نہیں بنا سکتا وہ ان لوگوں سے جو اسکا بیو پار کرتے ہیں کرایہ پر
لے آتا ہے ایسے موقع پر بعض وقت تین سو چار سو روپے کی قیمت کے جوڑے کا کرایہ بیس بیس تیس
تک دیدیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اُس وقت کوئی شخص اپنی حیثیت کے موافق کپڑے نہیں پہنتا۔ معمولی
دوکاندار جو سال بہر تک ایک چہوٹا سا جبہ پہنے کمر سے رومال لپیٹے پہرتے ہیں وہ بہی گلابی قرمزی
رنگ کی عبائیں جن میں ساٹن کا استر ہوتا ہے پہن لیتے ہیں زریں عمامہ باندہتے ہیں کمر سے ریشمی
کلابتون کے کام کا پٹکا لپیٹے ہیں اور اسمیں ایک آدہ جنبیہ جسکی موٹہہ میں سونے چاندی کے سکے
جڑے ہوں اڑس لیتے ہیں۔
بچوں کو بہی اسی اللے تللوں کیا تہہ کپڑے پہناتے ہیں۔ یہ لوگ چوری کریں گے بہیک مانگیں گے
مگر اس بات کو کبہی گوارا نہ کرینگے کہ انکے برابر والے ٹیپ ٹاپ اور ریشم ٹلخ میں انسے بڑہ جائیں۔ یہاں
عموماً شوخ رنگ پسند کیئے جاتے ہیں اور اوپر کے کپڑے کا رنگ اندر کے لباس سے بالکل مختلف ہوتا ہے
سوائے عورتوں اور جنگجو شریفوں کے دوسرے لوگوں کے پاس کشمیری شالیں روزمرہ بہت کم
دکہائی دیتی ہیں مگر تہوار و پر عام لوگ بہی شال دوشالے کندہوں پر ڈالے پہرتے ہیں اور معمولی
سی معمولی حیثیت کا آدمی بہی یہاں اپنے توشہ خانے میں بہت سی شالیں رکہتا ہے۔

تہواروں کے بعد اچھے کپڑے اتار کر رکھ چھوڑتے ہیں اور ہر شخص اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے مکے کا ہر جوان آدمی لکڑی بھی رکھتا ہے غریبوں کے پاس بھی لاٹھیاں رہتی ہیں علاوہ اس کے کوئی عالم بھی بغیر لکڑی کے گھر سے باہر نہیں نکلتا گر غریبوں کے سوا ہتھیار لگا کر بہت کم آدمی نکلتے ہیں البتہ شریف اپنی کمروں میں چھُرے لگائے رہتے ہیں۔

عورتوں کا لباس

مکے اور جدے کی عورتیں ہندوستانی ریشمی کپڑے کے جُبے پہنتی ہیں اور دھاریدار کپڑے کے لمبے لمبے پاجامے جو ٹخنوں تک پہونچتے ہیں۔ موہریوں کے پاس اُنپر کلابتوں کا کام کیا ہوتا ہے اس کے اوپر وہ ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہنتی ہیں جسے جبرہ کہتے ہیں یہ سیاہ ریشمی کپڑے کا ہوتا ہے اور مصر و شام میں استعمال ہوتا ہے کوئی نیلا یا ہندوستانی ساخت کا دھاریدار کپڑا بھی جسے ملائی کہتے ہیں جبرہ کے کے لئے کام میں لایا جاتا ہے چہرہ سفید یا ہلکے نیلے رنگ کے نقاب سے چھپا رہتا ہے اور سر پر ملائی کی ایک ٹوپی پہنتی ہیں جسکے گرد ململ کا کپڑا اچینت دے کر مضبوط سلا رہتا ہے[1]۔

مصری و شامی عورتوں کی طرح یہاں والیاں سر کے زیوروں میں اشرفیاں ہوتی اور جواہرات کم پہنتی ہیں لیکن سر کے گرد ایک لڑی اشرفیوں کی ضرور باندھتی ہیں بہت سی عورتوں کے پاس سونے کے ہار چوڑیاں پہنچیاں کنگن اور پاؤں میں پہننے کی چاندی کی چوڑیاں رہتی ہیں غریب عورتیں نیلی مصری قمیصیں پہنتی ہیں اور بڑا پاجامہ جسکا ذکر ہو چکا ہے انکا زیور شیشے یا سینگ کی چوڑیاں ہیں۔

مکے کے لوگ اپنے بچوں کے ساتھ اتنا لاڈ نہیں کرتے جیسا کہ دوسرے مشرقی شہروں میں کیا جاتا ہے یہاں بچوں کو جب چلنا آجاتا ہے تو مکانوں سے باہر گلی میں انکو کھیلنے دیتے ہیں اس لحاظ سے وہ شام و مصر کی پٹی بندھے ہوئے بچوں سے زیادہ مضبوط نظر آتے ہیں۔ وہاں والے تو اپنے بچوں کو ہتھیلی کا پھپولا بنائے رکھتے ہیں۔

لونڈی غلام

متوسط درجے کے بعض خاندان مکے میں ایسے بھی ہیں جن میں لونڈی غلام نہیں ہیں اور آنحضرت صلعم کے زمانے میں افریقہ کے حبشی غلاموں کی تجارت عرب میں اسقدر زور شور سے چلی تھی کہ آپ نے اسکے موقوف کرنے کی کوشش نہ کی اور اس کو مباح سمجھا جسکے باعث یہ تجارت بھی شمالی عرب تک پھیل گئی۔

---

[1] برکہارٹ نے برقع کی تشریح کی ہے ۱۲

مکے میں خدمتگار خواہ مرد ہوں یا عورت سب حبشی ہیں یا نوبہ کے رہنے والے جو عموماً سواکن سے آتے ہیں۔ خواصیں ہمیشہ حبشی لونڈیاں ہوتی ہیں۔

لونڈیاں خواصیں

کوئی مالدار مکی اپنی خواہشاتِ نفسانی پر امن امان کی خانگی زندگی کو ترجیح نہیں دیتا وہ اپنی منکوحہ بیویوں کے ساتھ خواصیں بھی رکھتے ہیں لیکن اگر کسی لونڈی سے بچہ پیدا ہو جائے تو مالک عموماً اس سے شادی کر لیتا ہے اور اگر نکاح نہ کرے تو برادری میں برا سمجھا جاتا ہے۔

حبشی خواصوں کے رکھنے کا طریقہ جدے میں مکے سے بھی زیادہ ہے۔ بہت سے مکے والوں کی سوائے حبشی لونڈیوں کے اور بیویاں نہیں ہوتیں بات یہ ہے کہ عربی عورت کے ساتھ خرچ بھی زیادہ کرنا پڑتا ہے اور وہ اسقدر اطاعت گزار بھی نہیں ہوتی۔ یہی طریقہ وہ پردیسی بھی جو تھوڑے دن کے لئے حجاز میں مقیم رہتے ہیں اختیار کر لیتے ہیں یہاں آکر وہ پہلے تو کوئی عورت اس ارادہ سے خرید لیتے ہیں کہ چلتے وقت اس کو بیچ جائیں گے لیکن کبھی تو انکا قیام طول کھینچتا ہے یا کبھی لونڈی کے بال بچہ ہو جاتا ہے اُس وقت وہ اُس سے شادی کر لیتے ہیں اور پھر وہیں رہ پڑتے ہیں یہاں بہت کم آدمی مجرد یا بغیر کسی خواص کے ہونگے یہ طریقہ عموماً مشرق میں ہے لیکن مکے سے بڑھکر کہیں نہ ہوگا۔

• یہی وجہ ہے کہ حبشیوں کے خون نے مکے والوں کا رنگ سانولا کر دیا ہے یہ بات بگیتان کے باشندوں میں نہیں ہے۔

خواصوں کا بیچنا

مالدار لوگوں میں خواص کو بیچنا شرم کی بات ہے اگر اسکے بچہ ہو جائے اور مالک کے پاس پہلے سے چار منکوحہ بیویاں موجود نہوں تو وہ اسکو باقاعدہ بیویوں میں داخل کر لیتا ہے ورنہ ویسے ہی عمر بھر وہ اُس کے گھر میں پڑی رہتی ہے۔ بعض بعض لوگوں کے ہاں بڑی جوان سب خواصیں کئی کئی درجن ہیں۔

متوسط اور غریب مکے والے بھی ویسے ہی ہوشیار و بصیر ہیں جیسے کہ اعلیٰ طبقے والے وہ کمسن حبشی لڑکیوں کو پرکھ پرکھا کر خرید لیتے ہیں اپنے گھر میں انکو تعلیم دیتے ہیں۔ سینا، پرونا، کھانا، پکانا سکھاتے ہیں اور پھر فائدے سے پردیسیوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ بانجھ لونڈی تو ضرور ہی بیچ ڈالی جاتی ہے۔

استقاطِ حمل

مجھے طبیبوں، حجاموں اور عطاروں سے معلوم ہوا کہ یہاں استقاطِ حمل کا بھی بہت رواج ہے اور اُس درخت کا بیج جس سے روغن بلسان نکالا جاتا ہے اس مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہاں بیوی زادوں میں اور باندی زادوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ذریعہ معاش

مکے کے باشندے دو ذریعہ معاش رکھتے ہیں ایک تجارت دوسرے بیت اللہ کی ملازمت لیکن تجارت کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں بہت کم علما ایسے ہونگے جو مسجد میں ملازم ہوں اور کچھ نہ کچھ تجارتی دھندا نہ کرتے ہوں لیکن تمکنت کے مارے علانیہ وہ اسکا اظہار نہیں کرتے۔

کاریگروں کی کمی

ناظرین نے بیانات سابقہ سے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ مکے کے بازاروں میں معمار، درزی، سنار، بڑھئی موچی وغیرہ کاریگر کسقدر کم ہیں اور وہ بھی دستکاری میں مصر والوں سے بہت گھٹے ہوئے ہیں سوائے چند کمہاروں اور رنگریزوں کے مکے میں کوئی کارخانہ نہیں ہے بلکہ جدے والوں کی طرح اپنی ضروریات کے لئے یہ بھی غیر ملک والوں کے دست نگر ہیں مکے کو اسی وجہ سے غیر ممالک کی ساخت کی اشیاء کی بڑی ضرورت ہے حج کے زمانہ میں بلکہ اس سے کئی کئی مہینے قبل مالدار حاجی بڑے زوروں سے تجارت چلاتے ہیں مختلف اسلامی ملکوں کے حاجی اپنے ہاں کی صنعتیں بحری و بری راستوں سے جدے میں لاتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے تبادلہ کرلیتے ہیں یا مکے کے تاجروں سے ہندوستان و عرب کا مال لے لیتے ہیں خصوصاً عرب کا مال یہاں سال بھر اکٹھا ہوتا رہتا ہے

زمانہ حج میں تجارت

حج کے زمانہ میں مکہ و مشرق کا سب سے بڑا میلہ ہوتا ہے اور مختلف قوموں کے جماؤ اور جمگھٹوں کے باعث بے انتہا دلچسپ بھی ہوتا ہے اس وقت کی برآمد کی قیمت اسکی درآمد سے بہت بڑھ جاتی ہے، اس تجارت میں اسقدر منافع ہے کہ تاجر ہندوستان سے جو مال جدے میں لاتے ہیں اور جس کو وہ جہازوں میں سے خرید لیتے ہیں وہی مال جب مکے میں بطور تھوک فروشی کے بیچا جاتا ہے تو اسپر فیصدی پچیس تیس کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر خوردہ فروشی کے طور پر بیچیں تو پچاس فیصدی منافع ہے اسپر حیرت بھی نہ کرنی چاہئے۔ بات یہ ہے کہ تمام مکے والے سوداگر ہیں جسکے پاس تھوڑی سی بھی رقم ہوتی ہے وہی جدے کو دوڑا جاتا ہے اور وہاں سے مال خرید کر کے حج کے زمانے میں مکے میں بیچکر وارے نیارے کرتا ہے یہ لوگ بہت سا منافع دھوکے بازی سے بھی پیدا کرتے ہیں بہت سے حاجی عربی زبان سے واقف نہیں ہوتے اسلئے وہ دلالوں اور مترجموں کے ہاتھ میں پھنس جاتے ہیں یہ لوگ اپنا حق دلالی اینٹھنے میں کبھی نہیں چوکتے ۔ سچ ہے یہ کہ ... حاجیوں کو دھوکہ دینے میں تمام مکہ ایک ہے۔

پیشتر جب قافلوں کی آمد و رفت سڑکوں پر بے کھٹکے ہوتی تھی تو خشکی کے رستے سے مکے میں مال پہنچایا جاتا تھا اسوقت بہت کم تاجر ریگستان کے رستے سے مال بھیجتے تھے اگرچہ اسمیں یہ فائدہ تھا کہ وہ بغیر محصول ادا کئے مال مکے پہنچا دیتے مگر وہ اس سے بھی ہاتھ اٹھاتے تھے اور خوفناک رستے کی

جو کبھی میں نہیں پڑتے تھے۔ بحری رستے سے جدے مال لیجانے والے افریقہ اور ٹرکی کے حاجیوں کو دوہرا محصول ادا کرنا پڑتا ہے ایک مرتبہ مصر میں اور پھر جدے میں یہ دونوں محصول محمد علی لیتا ہے۔

فی الحال قافلوں کے ذریعے سے جو چند روز مکے میں رہتے ہیں بہت کم تجارت ہوتی ہے شہر کے دکاندار اور خوردہ فروش بہ نسبت تھوک فروش سوداگروں کے بہت منافع اٹھاتے ہیں تھوک فروشوں کا دھندا حج سے ایک مہینے قبل خوب چلتا ہے اس زمانے میں پردیسی سوداگر جدے کی راہ سے یہاں آجاتے ہیں اور اطمینان کے ساتھ حج سے قبل اپنے سب معاملے طے کر لیتے ہیں۔

صلح کے زمانے میں بدویوں کے ساتھ بھی بڑی تجارت ہوتی ہے خصوصًا نجد والے ہندوستانی مال ادویہ اور پارچے کی بہت خواہش رکھتے ہیں اور مدینے سے یا کسیقدر سستے داموں مکے میں آکر خرید لیجاتے ہیں۔ قہوہ جو رگستان کے بدوی کثرت سے پیتے ہیں اسکی رسد اور نجد والے خود بھیجتے ہیں۔

مکے والے خصوصًا وہ لوگ جنکے پاس ہندوستانی مال کی تجارت کے لئے کافی روپیہ نہیں ہوتا وہ اپنا سرمایہ حج کے دنوں میں غلہ اور خوردنی اشیاء میں لگا دیتے ہیں۔ اس تجارت میں پہلے بڑا منافع تھا اب وہ بات نہیں رہی محمد علی نے اسکا ٹھیکہ دیدیا ہے اسلئے لوگ مجبور ہو گئے ہیں اور پاشا کی مقرر کی ہوئی قیمت پر جدے میں غلہ خریدتے ہیں اور مکے فروخت کر کے معمولی فائدے پر قناعت کرتے ہیں اسپر بھی اس تجارت میں پندرہ بیس فیصدی کا نفع موجود ہے اور یہی وہ بیوپار ہے جسکی طرف ٹٹ پونجیے جھک پڑتے ہیں یہ ایک قسم کا جوا ہے اسمیں قیمت مختلف ہوتی رہتی ہے جس سے بعض وقت تھوڑے ہی عرصے میں دوگنے ہو جاتے ہیں۔

حج کے قریب ہر قسم کی غذا کی قیمت چڑھجاتی ہے اور یہی حالت دوسری چیزوں کی بھی ہو جاتی ہے جنکے ہاں گودام ہوتے ہیں وہ اُن کو غلہ، چانول اور بسکٹوں سے بھر دیتے ہیں اور خوب روپیہ پیدا کرتے ہیں کوئی ساٹھ ہزار آدمیوں اور اونٹوں کے لئے انکے دوران قیام اور دوران سفر کے واسطے غذا فراہم کرنا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ محمد علی نے ابھی اس کی جرأت نہیں کی ہے کہ سب کو اپنے ہی ہاتھ میں لیلے۔ ہر مکے والا جسکے پاس دس بیس روپیہ بھی ہوتے ہیں وہ انکو کسی نہ کسی قسم کی خوردنی اشیاء کی خرید میں لگا دیتا ہے اور جب حج شروع ہو جاتا ہے تو اپنا مال گدھے پر لادھ کر جدے سے مکے پہنچ جاتا ہے۔

جب اندرون عرب میں کاروانوں کی آمد و رفت ہوتی ہے تو تمام علاقوں کے بدوی اپنی مال بھر

کی غذا کے لئے مکے ہی سے غلہ خریدتے ہیں یہاں صلح کے زمانہ میں یمن سے بھی غلے کی بڑی مقدار آتی رہتی ہے میں نے سنا ہے کہ صخا سے جو مکے سے ... دن کے رستے پر واقع ہے اور عربوں کی بڑی منڈی ہے اتنا غلہ آتا ہے ... مکے کی آدھی ضرورت کے لئے کافی ہے مگر مجھے اسمیں شبہ ہے کیونکہ صحیح تخمینہ کرنے کو ذریعے نہیں ہیں اور علاوہ اسکے راستوں پر آمد و رفت کم ہے اور مکے کا تمام غلہ جدے ہی سے آتا ہے۔

آس پاس کے ملکوں کے مقابلے میں عرب میں غلے کا خرچ بہت زیادہ ہے یہاں کے باشندوں کی بڑی بڑی تعداد بالکل گیہوں، جو، چاول اور جوار پر ہی گزران کرتی ہے ترکاری کا کچھ خرچ نہیں ہے ہاں گھی کھا لیتے ہیں۔

جب تک کہ کوئی شخص بذات خود تجارت نہ کرنے لگے یا تھوک فروش تاجروں میں سے کوئی ہوشیار دوست نہ رکھتا ہو یہ بات قریب قریب ناممکن ہے کہ اس کو اتنی بڑی تجارت کی تفصیل معلوم ہو سکے جتنی کہ مکے میں ہوتی ہے میں بھی اسی لئے یہاں کی تجارت کی بہت سی شاخوں کو جن سے میں واقف نہیں ہوں اور جنکے متعلق مجھے مکہ میں کوئی ایسا شخص بھی نہ ملا جو مجھ سے پورے طور پر بیان کرتا چھوڑے دیتا ہوں۔

قدرتی طور پر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ مکہ بہت مالدار شہر ہے اور اگر یہاں کے ادنیٰ لوگ آنکھ بند کر کے اپنی کمائی کو ذاتی آسایش میں نہ اڑائیں تو یہ شہر اور بھی دولتمند ہو جائے۔

یہاں کے تھوک فروش تاجر بہت مالدار ہیں اور چونکہ انکی سب تجارت نقد روپئے سے ہوتی ہے اسی وجہ سے انکو نقصان بھی کم پہنچتا ہے اینمیں سے اکثر کی کوٹھیاں جدے میں ہیں اسلئے دونوں شہروں کی تجارت کا سلسلہ ملگیا ہے۔

وہابیوں کے عہد میں عرب کے اندرونی رستے کھل گئے تھے مگر خشکی و تری کی درآمد ضرورت سے کم تھی حج کا بڑا میلہ موقوف ہو گیا تھا اور اگرچہ بعض پردیسی حاجی اب بھی اس مقدس شہر کی زیارت کو آئے ہیں مگر ڈرتے ہی رہتے ہیں کہ انکا مال کہیں وہابی نہ پکڑ لیں۔

یہاں دلالوں کے ذریعے سے تجارت ہوتی ہے جو اکثر ہندوستانی ہیں۔ بالعموم ہندوستان والے مکے میں سب سے زیادہ مالدار ہیں وہ بالراست ہندوستان کی تمام بندرگاہوں سے لین دین کرتے ہیں اور اکثر اپنے ہم پیشہ لوگوں کی ضد اور توک جھونک میں کم قیمت پر بھی مال نکال دیتے ہیں ان میں کے بہت سے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں یہاں عارضی سکونت رکھتے ہیں اور بعض حصہ تجارت ہندوستان

کے دھووے لگاتے رہتے ہیں یہ سب اپنی دیسی بولی بولتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی وہی زبان سکھاتے ہیں
مکے اندر بھی بہت سے تاجر ہندوستانی زبان کی کم سے کم گنتی اور بعض بعض اصطلاحی فقرے جنکی خرید و فروخت
میں ضرورت پڑتی ہے بول لیتے ہیں۔

ہندوستانیوں کو عربی بڑی مشکل سے آتی ہے وہ ہندوستانی بھی جو مدتوں سے حجاز میں رہتے ہیں
بے تکلف عربی نہیں بول سکتے۔ ترکوں کے لب و لہجہ پر عرب ہنستے ہیں مگر ہندوستانی انسے بھی گئے گزرے
ہیں البتہ ہندوستانیوں کے لڑکے جو مکے میں پیدا ہوئے ہیں وہ عربی مثل مادری زبان کے بولتے ہیں
ہندوستانیوں کی عادت ہے کہ عربی عبارت وہ اردو خط میں لکھتے ہیں۔ یہ لوگ یہاں بے اختیار
بخیل مشہور ہیں مینے بھی بعض بڑے بڑے سوداگروں کو دیکھا کہ روپے پر دم دیتے تھے مگر یہ بڑے بڑے
مکے سوداگر ہوتے ہیں بعض وقت عرب انکا مقابلہ نہیں کر سکتے یہ لوگ فیاض ہونے کی وجہ سے ذلیل ہیں۔
مگر آپس میں بڑی ہمدردی اور جوش ظاہر کرتے ہیں جسکی وجہ سے انکی بڑی عزت کیجاتی ہے بلکہ مکے والے
انسے ڈرتے ہیں انہیں سے بہت سے تاجر وکیل ساجھی ہندوستان میں ہیں اسوجہ سے انکو مال سستا
پڑجاتا ہے وہ جدے میں جہازوں سے نہیں خریدتے۔ چھوٹے موٹے دکاندار اور ٹٹ پونجیے بیوپاری
بجائے اس کے کہ جدے جاکر نقد قیمت پر مال خریدیں انسے ہی تھوڑے قرض پر خرید لیتے ہیں
سوائے دو ایک لوگوں کے مکے کا کوئی سوداگر بالراست ہندوستان سے مال نہیں منگاتا سب ہندوستانی
بیڑے ہی سے مول لیتے ہیں۔

مکے کے تمام باشندوں میں ہندوستانیوں سے بڑھکر کوئی شخص شرع کا پابند نہیں ہے بیوپاری جب کسی
شخص سے کوئی بات چیت چھپانا چاہتے ہیں تو وہ اپنے سیدھے ہاتھ آستین یا جبے کے دامن میں
لاتے ہیں اور انگلیوں کی پوروں کو چھوکر تعداد ظاہر کردیتے ہیں اسطرح انکی تجارت بالکل پوشیدہ رہتی ہے
جن لوگوں سے تجارت نہیں ہوتی وہ یا تو سرکاری ملازمت کر لیتے ہیں یا مسجد میں ملازم ہو جاتے ہیں
لیکن جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں وہ تجارت کی کسی نہ کسی شاخ میں مصروف ہیں اور یہاں کی تمام آبادی
اپنی آمدنی کے خیال سے حج کو پہلے ہی سے اپنی سہاگ سمجھتی ہے۔

جو لوگ مسجد میں ملازم ہیں ان کو باقاعدہ ماہواریں ملتی رہتی ہیں اور علاوہ انکے بہت سے عطیات
جو فیاض حاجی دیتے ہیں انمیں بھی انکا حصہ رہتا ہے اور شاہ ہمسایہ ملکوں کے حاجی قافلوں کے ساتھ جو نذرانے

آتی ہیں انمیں بھی یہ حصہ لگاتے ہیں ان تنخواہوں کو صرّہ یا تھیلی کہتے ہیں انکے بانی سابق سلاطین قسطنطنیہ ہیں جو تخت نشینی کے وقت غریبوں اور مکہ و مدینہ کے مستحق لوگوں کے لئے سالانہ کوئی رقم مقرر کر دیتے ہیں ان رقموں کو دونوں شہروں میں قاضی اپنی مصلحت کے لحاظ سے تقسیم کرتا ہے لیکن جب ایک دفعہ کوئی رقم کسی شخص کے نام جاری ہو جاتی ہے تو وہ عمر بھر قایم رہتی ہے بلکہ اسکی اولاد پر بھی نسل بعد نسل اور بطن بعد بطن چلتی رہتی ہے تنخواہ دار کو ایک ٹکٹ ملجاتا ہے جس پر قاضی، شریف اور محرر صرہ کے دستخط ہوتے ہیں اور انکا نام تک رجسٹر میں درج کر دیا جاتا ہے۔ اسکی ایک نقل قافلۂ حج کی واپسی پر سال کے سال قسطنطنیہ بھیجدی جاتی ہے اور وہاں ایک بڑے قبض الوصول میں وہ نام چڑھا لیا جاتا ہے ان تنخواہوں کی قسطنطنیہ میں بہت ساری چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بنائی جاتی ہیں اور اس پر رقم کی مقدار اور تنخواہ یاب کا نام لکھدیا جاتا ہے۔ جو رقم تقسیم کے لئے بھیجی جاتی ہے تقسیم کے بعد قاضی اسکی اطلاع قسطنطنیہ میں کر دیتا ہے کہ فلاں شخص کو پہنچ گئی جن لوگوں کے نام نئے وظیفے جاری ہوتے ہیں سال آیندہ انکے نام کی تھیلیاں بھی پرانی تھیلیوں میں شامل ہو جاتی ہیں بعض صرّے مصر سے بھی آتے ہیں لیکن محمل شاہی کے ساتھ قسطنطنیہ سے بہت آتے ہیں یہ تنخواہیں بہت پابندی کے ساتھ وصول ہوتی ہیں ہر قافلے کے ساتھ ایک صرہ نویس بھی رہتا ہے جسکا فرض ہے کہ مکے کے راستے میں بدویوں اور عربوں کی تنخواہیں بھی تقسیم کرے۔

مکے کا صرہ یعنے تنخواہ حج کے بعد بیت اللہ میں قاضی کے مکان کی طرف کھڑکیوں کے نیچے تقسیم ہوتی ہے بعض بعض ایسے بھی لوگ ہیں جن کو ایک پیاستر (کوئی تین آنہ) تنخواہ ملتی ہے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو دس بیس پیاستر یعنے تین چار روپیہ پاتے ہیں لیکن بہت کم خاندان ایسے ہیں جن کو چار چار سو روپیہ سالانہ ملتے ہیں اگرچہ یہ رقم ہمیشہ مستحق ترین لوگوں کو نہیں ملتی پھر بھی بہت سے غریب خاندان اسی وظیفہ پر زندگی بسر کرتے ہیں یہ تنخواہیں منتقل بھی ہو سکتی ہیں۔ قاضی و شریف منتقلی کے دستخط کرتے ہیں اور نیا نام تھوڑی سی خوشامد کے بعد درج رجسٹر کر کے قسطنطنیہ بھیجدیا جاتا ہے۔ اگلے زمانے میں مکے والے اپنے صرے یا تنخواہ کو کبھی فروخت نہیں کرتے تھے کیونکہ علاوہ ذریعۂ معاش کے وہ اس کو ایک عزت کی چیز بھی سمجھتے تھے مگر اب وہ بات نہیں رہی۔ وہابیوں کے زمانے میں تو ان ٹکٹوں کی قدر بالکل جاتی رہی تھی اور آٹھ برس تک ٹکٹ والوں کو تنخواہ نہیں ملی تھی اب پھر کسیقدر حالت درست ہو گئی ہے لیکن

بعض ٹکٹ حال ہی میں ڈہائی سال کے لیئے فروخت ہوئے تھے جس سے مکے میں یہ خیال پہیل گیا تہا کہ شاید ترکی حکومت قائم نہ رہے اور وہابیوں کا پہر دور دورہ ہو جائے۔

مطوف اور ان کے اوصاف

مکے کے سب سے زیادہ بے غیرت اور کمینے باشندے مطوفی کا پیشہ کرتے ہیں ان کو مطوف یا دلیل کہتے ہیں۔ چونکہ ان صفات والوں کی یہاں کمی نہیں ہے اور حج کے دنوں میں مطوفوں کی بڑی مانگ ہوتی ہے اسلیئے انکی تعداد کثیر ہے۔ علاوہ مکے کے ان مقامات کے جنکا ذکر میں نے کیا ہے مطوف حاجیوں کو اور دوسرے مقامات پر بہی جو اس مقدس زمین میں واقع ہیں لیجاتے ہیں اور شہر میں ہر قسم کی خدمت بہی انجام دیتے ہیں لیکن انکی بدمعاشیوں کے باعث جقدر ان سے ایذا پہنچتی ہے اُس کا پاسنگ بہی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہ لوگ صبح سے شام تک حاجی کے کمرے کا محاصرہ کیئے رہتے ہیں اور بغیر اپنی صلاح کے اس کو کوئی کام کرنے نہیں دیتے تماشہ اسی کے ساتہہ کرتے ہیں! ور دوپہر اور شام کا کہانا بہی کہاتے ہیں جہانتک ممکن ہوتا ہے اس سے روپیہ اٹہواتے ہیں جس میں ان کا حصہ بہی لگتا ہے حاجیوں سے روپیہ اینٹہنے کا کوئی موقعہ نہیں چہوڑتے۔ افسوس ان غریب جاہل ترکوں پر ہے جو کسی تجارتی معاملے میں انکو اپنا مترجم مقرر کر لیتے ہیں۔

میرا پہلا دلیل ایک مدینے والا تہا۔ جو کہ مکان میں رمضان کے پچہلے دنوں میں رہا تہا مکے واپس آنے پر بدنصیبی سے میں اس کو ایک گلی میں ملگیا اور اگرچہ مینے اسکی بات بہی نہ پوچہی کیونکہ اس کی ایمانداری کی قلعی پہلے کہل چکی تہی مگر یہ بڑی خصوصیت کے ساتہہ مجہہ سے بغلگیر ہوا اور اس کے ساتہہ میرے نئے مکان میں ڈیوٹی دیدی پہلے تو وہ طواف کے وقت دعائیں پڑہانے کے لیئے میرے ساتہہ رہتا تہا مگر جب مینے یہ دعائیں حفظ کرلیں اور اسکی ضرورت نہ رہی تو باقاعدہ ہر روز میرے ساتہہ کہانے پر بیٹہہ جاتا تہا۔ اکثر اپنے ساتہہ یہ ایک چہوٹی سی ٹوکری بہی لایا کرتا تہا اور میرے غلام سے گوشت ترکاری بسکٹ، میوہ اسمیں بہروا کر لیجایا کرتا تہا۔ تیسرے چوتہے روز مجہہ سے کچہہ روپیہ مانگتا اور یہ کہتا "تم مجہے نہیں دیتے اللہ میرے لئے بہیجتا ہے"۔

خلیفانہ طور پر اس سے پیچہا چہڑانے کی جب مجہے کوئی صورت نظر نہ آئی تو بیزار ہو کر مینے اس سے کہدیا "بہائی مجہے اب تمہاری خدمت کی ضرورت نہیں ہے" یہ وہ الفاظ ہیں جنہیں سننے کے مکے کے مطوف عادی نہیں ہیں۔ خیر۔ تین دن بعد وہ پہر میرے پاس چلا آیا گویا کچہہ ہوا ہی نہ تہا اور روپیہ مجہہ سے مانگنے

مینے کہا "خدا مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں تمہیں کچھ دوں اگر اُسے منظور ہوتا تو وہ میرا دل نرم کر دیتا اور میری تھیلی کی تھیلی مجھ سے تم کو دلوا دیتا - اسپر اس نے کہا "جو کچھ اسوقت میں تم سے مانگتا ہوں اگر اسکا دس گنا خدا تم سے نہ اٹھوا دے تو میری داڑھی کھسوٹ ڈالنا" مینے جواب دیا "جب تک خدا میرے دل میں یہ بات نہ ڈالدے کہ تم کو دینا نیکی کا کام ہے اگر میں تم کو ایک پیسہ بھی دوں تو تم میری داڑھی کا ایک ایک بال اکھاڑ ڈالنا" یہ سنکر وہ اٹھہ کھڑا ہوا اور یوں کہتا ہوا چلدیا "مغرور دلوں اور حریص ہاتھوں سے خدا اپناہ میں رکھے"

یہ لوگ خدا رسول کا نام لئے بغیر کبھی دس لفظ بھی نہیں بولتے - ہمیشہ انکے ہاتھوں میں تسبیح دکھائی دیتی ہے باتوں میں بھی انکا ورد وظیفہ جاری ہی رہتا ہے انکا ڈھیٹ پنا اسقدر مشہور ہو گیا ہے کہ قاہرہ میں کسی مڑ چڑے فقیر کو ٹالنے کے لئے یہ ضرب المثل بولتے ہیں "تو تو مکے والا ہے - تو کہتا ہے مجھے دے میں تیرا مالک ہوں"۔

میں دلیل رکھنے سے اس قدر تنگ ہو گیا تھا کہ اسکے بعد مینے ایک تاتاری النسل سے ایک قسم کا معاہدہ سا کر لیا اور اسوجہ سے مجھے اطمینان کلی ہو گیا - دلیلوں کو جو کچھ مینے مکہ میں اور دوسرے متبرک مقامات میں دیا اسکی مجموعی مقدار کوئی ساٹھہ روپیہ ہوئی میں نے نہ تو کچھ بیت اللہ میں دیا اور نہ وہاں کے عہدہ داروں کو یہ کام عموماً بڑے بڑے حاجی کرتے ہیں یا وہ لوگ جن کو شہرت مقصود ہوتی ہے -

بعض مطوف اس انتظار میں کہ کوئی شخص طواف کے لئے انکو اجرت پر مقرر کر لیگا ہمیشہ کعبے کے دروازے پر بھی کھڑے رہتے ہیں اور جب کسی حاجی کو وہ اکیلا طواف کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اکثر بغیر پوچھے اسکا ہاتھہ پکڑ کر ساتھہ ہو جاتے ہیں اور دعائیں پڑھانے لگتے ہیں اس خدمت کی اجرت ڈیڑھ آنہ ہوتی ہے میں ان لوگوں کو کعبے کے دروازے پر حاجیوں کے ساتھہ علی الاعلان معاملہ کرتے ہوئے دیکھا ہے - غریب مطوف تین چار پیسے لیکر بھی چپ ہو جاتے ہیں -

بہت سے دکاندار اور ادنیٰ درجہ کے لوگ اپنے اپنے لڑکوں کو جنہیں دعائیں یاد ہوتی ہیں اس قسم کی مطوفی کرنے کے لئے بھیجدیتے ہیں جن کو ترکی زبان آتی ہے وہ بڑا روپیہ پیدا کرتے ہیں - چونکہ ترکی حاجی عموماً جدے کی راہ سے آتے ہیں وہ دس دس بارہ ملکر سفر کرتے ہیں اور رہتے بھی ایک ہی جگہ ٹھہرتے ہیں - اسلئے ایک ہی مطوف اس کل جماعت کا ذمہ لیتا ہے اور انکی تعداد کے لحاظ سے مطوف کو اجرت بھی

ملجاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حاجی اپنے گھر پہنچکر اس مطوف کی سفارش اپنی ہم وطن کسی پارٹی سے کر دیتے ہیں اور اسطرح یہ لوگ جدے پہونچکر اسے اپنا مطوف بنالیتے ہیں اور اس سے فرمایش کرتے ہیں کہ مکے میں ہمارے ٹھہرنے کے لئے کوئی مکان کرایہ پر دلوا دینا۔ جدے سے مکے تک سفر میں خبر گیری کرتے چلنا اور مکے میں داخل ہوتے وقت جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں وہ پڑھا دینا۔ انہیں کے بعض مطوف حج سے تین تین مہینے قبل جدے کی گلیوں میں پھرتے دکھائی دیتے ہیں میں نے مکے کی سڑک پر دیکھا ہے کہ مطوف اپنی جماعت کیساتھ چل رہا ہے اور سب لوگ اسکی خاطر مدارات کرتے جا رہے ہیں۔

یورپ یا ایشیائے کوچک کے ترک جو عربی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے جب یہ دیکھتے ہیں کہ ایک عرب انہیں کی زبان میں چکنی چپڑی باتیں کر رہا ہے اور مکے میں انکو ہر قسم کا آرام پہنچانے کا وعدہ کرتا ہے تو رشتے خلی ہو جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ترک **مکے** کو ایسا مقام سمجھتے ہیں جہاں سوائے تکلیف کے اور کچھ نہیں ملتا ایک دلیل جو بارہ ترکی حاجیوں کو اپنی حفاظت میں رکھ لیتا ہے وہ عموماً اتنا پیدا کر لیتا ہے کہ اُس کے گھر بھر کے اخراجات کے لئے سال بھر تک کافی ہو اور نئے نئے کپڑے جو اُسکو اور اسکے بال بچوں کو ملجاتے ہیں وہ رو کن میں ہیں۔

بعض مطوف عجیب خدمت رکھتے ہیں۔ شرع محمدی نے نا کتخدا عورتوں کو حج کی ممانعت کر دی ہے اور کتخدا عورت بھی صرف اپنے خاوند یا قریبی رشتہ دار کیساتھ ہی حج کو جاسکتی ہے شافعی رشتہ دار کی شرط کو بھی جائز نہیں سمجھتے۔ ترکی سے عورتیں بھی حج کے لئے آتی ہیں انہیں بعض مالدار بڈھی بیوائیں ہوتی ہیں جو مرنے سے قبل کعبہ دیکھنے کی آرزو رکھتی ہیں بعض وہ عورتیں ہوتی ہیں جو اپنے خاوندوں کے ساتھ گھر سے نکلتی ہیں مگر رستے میں انکے خاوند بیمار پڑ کر مر جاتے ہیں ایسی حالتوں میں ان عورتوں کو جدے میں ایسے مطوف ملجاتے ہیں جو بحیثیت انکے خاوندوں کے اس متبرک سرزمین میں انکے ساتھ سفر کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں مطوف کا نام محلل[1] کہلاتا ہے ان عورتوں کا مطوفوں کیساتھ نکاح ہو جاتا ہے۔ شادی کا معاہدہ قاضی کے روبرو لکھا جاتا ہے اور عورت اپنے دلیل کیساتھ مکے جاتی ہے عرفات پہنچتی ہے اور متبرک مقامات کی زیارت کر لیتی ہے مگر یہ شادی محض برائے نام شادی ہوتی ہے اور دلیل محلے

---

[1] محلل۔ حلال کر دینے والا یعنے جسکی وجہ سے سفر حج جائز و حلال ہو جاتا ہے ۱۲ شبیر

واپس ہونے پر اس عورت کو طلاق دیدیتا ہے اگر مرد طلاق دینے سے انکار کرے تو مذہب اسکو مجبور نہیں کر سکتا نکاح جائز خیال کیا جاتا ہے لیکن وہ دلیل کا مزہ دار پیشہ آئندہ جاری نہیں رکھہ سکتا جس شخص نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ اُس نے کہا کہ صرف دو دلیلوں کی نسبت یہ سننے میں آیا کہ وہ اپنا پیشہ چھوڑ چھاڑ کے عورتوں کے پیچھے ہو لئے بلا مبالغہ میں کہتا ہوں کہ علاوہ ان لڑکوں کے جو مطوفی سیکھہ رہے ہیں مکے میں کوئی آٹھہ ہزار جوان دلیل ہونگے جب کسی دوکاندار کی دوکان بیٹھ جاتی ہے یا جب کوئی مفلس پڑھا لکھا حبشی لونڈی خریدنے کے لئے روپیہ پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ دلیل بنجاتا ہے۔ اگرچہ یہ پیشہ معزز نہیں ہے مگر بہت سے صاحب نصیب مکے والے ایسے ہیں جو اپنی مدت العمر میں کبھی نہ کبھی وقت مطوف رہ چکے ہیں۔

مکے والوں کی دولت اور فضول خرچی تجارت، نذرانے اور حاجیوں سے جو منافع ہوتا ہے اس سے مکے میں سالانہ بڑی دولت پہنچتی ہے اور اگر یہاں کے باشندوں کی عادتیں ناشایستہ نہوتیں تو مکہ مشرق کے شہروں میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاتا۔ باستثنا اول درجے کے سوداگروں کے (جو اگرچہ بہت کچھہ شان و وقعت رکھتے ہیں پھر بھی اپنی آمدنی کے اندر خرچ رکھتے ہیں) اور متوسط لوگوں کے (جو اول نمبر کے لوگوں میں شمار ہونے کے لئے روپیہ جمع کرتے ہیں) باقی تمام مکے والے غیر محتاط اور فضول خرچ ہیں۔

مکے والے تین چار مہینے میں جو کچھہ فائدہ کثیر حاصل کرتے ہیں وہ عمدہ غذا لباس اور فضولیات میں اڑا دیتے ہیں اور چونکہ سال آئندہ روپیہ پیدا کرنے کی امید قوی رہتی ہے اسلئے بچانے کا کچھہ خیال نہیں کرتے

محرم میں شادیاں محرم کے مہینے میں جب حج ختم ہو جاتا ہے اور بہت سے حاجی رخصت ہو جاتے ہیں تو یہاں شادیاں رچائی جاتی ہیں اور ختنے کی تقریبیں ہوتی ہیں۔ یہ رسوم یہاں اسقدر دھوم دھام سے مناتے ہیں کہ ایک شخص جسکا کچھہ سو روپیہ سال کا خرچ ہوتا ہے وہ تین سو روپئے شادی میں یا کسی بچے کے ختنے میں اڑا دیتا ہے،

شراب نوشی اس متبرک شہر کا تقدس اور قرآن شریف کے سنجیدہ حکم مکے والوں کو شراب پینے سے اور اُن تمام بیہودگیوں سے جو شراب نوشی کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں روک نہیں سکتے۔ ہندوستانی بڑا عرق کے پیپے کے پیپے بھر کر لاتا ہے اور یہ شراب، شکر اور دارچینی کا ست ملا کر دارچینی کے عرق کے نام سے بیچی جاتی ہے مکے اور جدے کے شریف بڑے بڑے سوداگر، علما اور تمام معززین اس عرق کے پینے کے عادی ہیں انکی نسبت وہ اپنا دل سمجھانے کے لئے یہ کہدیتے ہیں کہ نہ یہ براندی ہے اور نہ شراب انگوری اس وجہ سے مذہبًا حرام نہیں ہے۔ جو لوگ غریب ہیں اور مہنگی چیز نہیں خرید سکتے وہ ہی ایک قسم کا نشہ آور عرق پیتے ہیں

جو کشمش کو اُبال کر بنایا جاتا ہے اور طائف سے آتا ہے اور ادنیٰ قسم کے لوگ بوزہ پیتے ہیں۔

میرے قیام طائف کے زمانے میں ایک شخص نے جو محمد علی پاشا کے اسٹاف میں تھا انگور سے برانڈی کھینچی اور بیچنے لگا آٹھ آٹھ روپے بوتل کے حساب سے بیچی۔

ذوق اہل مکہ

مکے والے اپنے مکانوں کی آرائش میں بھی بہت روپیہ اٹھاتے ہیں کمروں میں عمدہ عمدہ قالین بچھاتے ہیں اور بہت سے گدے، تکیے جن پر کمخواب کے غلاف چڑھے رہتے ہیں رکھتے ہیں خوبصورت خوبصورت چینی کے برتنوں اور چاندی کے ظروف سے مکان سجاتے ہیں۔ ٹٹ پونجیے سا ٹٹ پونجیا دوکاندار بھی اپنے غیر آراستہ کمرے میں کسی دوست سے ملاقات کرنے میں شرماتا ہے انکے دسترخوان پر بھی بمقابلہ مشرق کے اور شہر والوں کے اچھی اچھی چیزیں رہتی ہیں مکے کا ادنیٰ آدمی بھی ہر روز گوشت کھاتا ہے جو پانچ چھ آنے سیر آتا ہے انکے قہوے کی کیتلی تو کبھی چولہے پر سے ہٹتی ہی نہیں اور عورت مرد، بچے بتیجے سب ہر وقت حقے کے دھوئیں اڑاتے رہتے ہیں اور اسمیں تمباکو کا بھی کچھ کم خرچ نہیں ہے۔

عورتوں نے وہ طریقہ جاری کیا ہے جو ترکی میں بھی ہے یعنے وہ آپس میں کم سے کم ہفتے میں ایک مرتبہ بال بچوں سمیت ضرور ملتی رہتی ہیں یہ ملاقات دن بھر رہتی ہے ایسے موقعوں پر بڑی ٹھسک اور ٹھاٹھ دکھایا جاتا ہے اور کثرت سے سامان دعوت کیا جاتا ہے ہر عورت کا غرور اس کو مجبور کرتا ہے کہ نمود و نمایش میں اپنی ملاقاتی عورتوں سے بڑھ جائے اسطرح ہر خاندان کے ساتھ یہاں دائمی اخراجات کا ایک دم چھلا چلتا ہی رہتا ہے۔ اور خرچوں کے ساتھ حبشی لونڈیوں کے خریدنے کا بھی خرچ ہے جن کو یہاں کے مرد رکھتے ہیں اور پھر بازاری عورتوں کے پیچھے بھی روپیہ اڑایا جاتا ہے جنکے ہاں اکثر آدمی آیا جایا کرتے ہیں بڑی بڑی رقمیں اور بھی اُن خواہشات نفسانی میں خرچ کیجاتی ہیں جو اس سے بھی زیادہ بُری اور گھٹی ہوئی ہیں لیکن بدقسمتی سے وہ حجاز کے شہروں میں بھی ویسی ہی رائج ہیں جیسی کہ ایشیاء کے دوسرے حصوں میں دیکھی جاتی ہیں یا مصر میں مملوکوں کے زمانہ میں تھیں یہ پیشتر دکھایا جا چکا ہے کہ خود مکے کی مسجد جو مذہب اسلام کا مقدس مرکز ہے تقریباً عام طور پر روزانہ فحش ترین حرکتوں سے ناپاک ہوتی رہتی ہے جس کو یہاں کوئی بے حرمتی خیال نہیں کرتا سب قسم کے لڑکوں کو یہاں کے بڈھے ترغیب دلاتے ہیں اور انکے والدین بھی ایسے کمینے ہیں کہ روپے کی خاطر انکی جانب سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ مگر ایسے آدمیوں سے بدویوں کے خیمے بچے ہوئے ہیں اگرچہ کہ انکے آبا و اجداد اس عیب سے بچے ہوئے نہ تھے جیسا کہ بعض

مکے والوں کی عادات ناشائستہ

جب یہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو جوان آدمی بڈھے کا یا غریب آدمی امیر کا ہاتھ چومتا ہے اور دونوں شخص اسکی پیشانی پر بوسہ دیتا ہے جو ہم عمر ہیں تب ایک دوسرے کا ہاتھ چومتے ہیں۔ اجنبیوں کو یہ لوگ بھائی یا مومن کہکر خطاب کرتے ہیں دوکاندار نئے بیوپاریوں سے کہتے ہیں "خوش آمدید ہزار بار خوش آمدید تم خدا کے پردیسی ہو۔ متبرک شہر کے مہمان ہو میرا سب مال و اسباب تمہارے لئے حاضر ہے" اگر مسجد میں کوئی پردیسی دھوپ میں بیٹھا ہو تو مکے والے اس کو سایہ میں بٹھا دیتے ہیں۔ جب کوئی پردیسی کسی قہوہ خانے کے سامنے سے نکلتا ہے تو ہر طرف سے آوازیں سنائی دیتی ہیں آؤ قہوہ پیتے جاؤ جب کوئی مکے والا اسے کھانا کھاتے ہوئے دیکھتا ہے تو اپنے پینے سے پیشتر کسی رستہ والے کو بلا دیتا ہے یہ لوگ ذرا سی ملاقات کے بعد ایسے بے تکلف دوست بنکر کہنے لگتے ہیں آپ غریب خانہ پر کب تشریف لائیں گے اور ہمارے ساتھ کھانا کھانے کی عزت کب بخشیں گے۔ جب یہ آپس میں لڑتے ہیں تو اس قسم کی گالیاں یا فحش الفاظ کبھی نہیں بکتے جیسے کہ [illegible] شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ انکے لڑائی جھگڑے [illegible] وقت جب کوئی [illegible] کہدیتا ہے کہ "اللہ نے ہم کو بڑا گنہگار پیدا کیا ہے" تو فوراً جھگڑا ختم ہو جاتا اور لڑنے والے [illegible] جواب دیتے ہیں۔ کہدیتے ہیں "لیکن اس نے ہم کو توبہ کرنے کی قوت بھی عطا کی ہے۔"

مکے والوں کا فخر

مکے والوں کو اس بات کا بڑا فخر ہے کہ وہ متبرک شہر کے رہنے والے ہیں۔ پیغمبر صاحب کے ہموطن ہیں سنت نبوی کی پوری پیروی کرتے ہیں انکی زبان فصیح ہے [illegible] ستے میں جن نعمتوں کے وعدے کئے [illegible] پڑوس [illegible] والوں [illegible] ہیں وہ سب انہیں کے واسطے ہیں اور یہ بہ نسبت تمام پردیسیوں کے جو مکے میں جمع ہوتے ہیں زیادہ تر مستحق ہیں۔ یہ تمام دوسرے مسلمانوں کو اپنے سے کمتر خیال کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ انکی عنایت و توجہ کے محتاج [illegible] اس غرور سے بعض عمدہ نتیجے بھی نکلے ہیں انکی وجہ سے وہ غلامی کی زندگی سے بچے ہوئے ہیں جس میں ان کے پڑوسی مبتلا ہیں لیکن اس غرور کیا تھا جب کبھی پردیسیوں کے ساتھ وہ نفرت ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ جدے کے حالات میں [illegible] لکھا ہے کہ وہ ترکوں سے بہت متنفر ہیں [illegible] تعریف نہیں رہتا۔ ان کو ترکوں سے یہ نفرت انکی عربی لاعلمی انکے [illegible] اور انکے عادات و اطوار کی وجہ سے ہے اور یہ انکو ایسا حاکم کہنا اچھا نہیں سمجھتے جب تک شریفوں کی قوت ٹوٹی نہ تھی مکے کے گورنر انکی بہت کم عزت کرتے تھے۔ حجاز میں ترک کا فرد [illegible] کچھ نہیں سمجھے جاتے ہیں [illegible] اگرچہ اکثر مکے والے ترکوں کی اولاد ہیں مگر وہ بھی اپنے شہر والوں کے ساتھ ملکر

اپنے آبا و اجداد کو بُرا کہتے ہیں۔ بچوں میں لفظ ترکی ایک توہین کا لفظ سمجھا جاتا ہے۔ مکے والے ترکوں کی نسبت اکثر نصرانی و یہودی بولتے ہیں اور انکی زبان اور عادتوں پر ہمیشہ نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔ مصریوں اور شامیوں کیساتھ بھی مکے والوں کی یہی حالت ہے لیکن تمام پردیسیوں سے چونکہ مصری رسم و رواج میں عرب والوں سے زیادہ ملتے ہیں اسوجہ سے اُن سے کم نفرت ہے مگر شامیوں کیساتھ بہت ہے اگر عرب لوگ ترکوں کو خاص اُنکے ملکوں میں دیکھیں تو انکی نفرت اور بھی بڑھ جائے کیونکہ جب اپنے وطن کے مکے میں آکر یہ لوگ انکا بھگت بنجاتے ہیں۔ مکے والے سمجھتے ہیں کہ انکا شہر مکہ اور بیت اللہ کے سبب سے بسنے والے خدا کی خاص حفاظت میں رہا اور اسی وجہ سے وہ تمام قوموں سے زیادہ عزت پاتے ہیں جب کبھی خوف و خطر کا ان کو سامنا ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں یہ مکہ ہے۔ یہ خدا کا شہر ہے یہاں نہ کسی کو روزی کی فکر ہے اور نہ دشمن کے حملہ کا خوف۔ اسمعیل نے بھی اس شہر کو تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا تھا اور جب ترکوں کے رسالہ نے زیرکمان مصطفیٰ پاشا وہابیوں سے مکہ واپس لیا تھا تو اس وقت بھی یہاں کوئی لوٹ نہیں مچی نہ شریف غالب کو قید کرتے وقت بھی حدود مکہ کے اندر کشت و خون نہیں ہوا تھا یہ ایسے کھلے ہوئے معجزے انکے سامنے ہیں جن سے سورہ ایلاف کی اس آیت کی تصدیق ہوتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "انکو خدائے کعبہ کی عبادت کرنی چاہئے جو انکو بھوک میں کھلاتا ہے اور تمام خطروں سے بچاتا ہے" لیکن یہ لوگ اپنی تاریخ پر نظر نہیں ڈالتے ورنہ ظاہر ہے کہ یہاں بہت سے خوفناک قحط پڑ چکے ہیں اور اس مقدس گھر میں بڑی بڑی خونریزیاں ہو چکی ہیں۔ فی الحقیقت حجاز خصوصاً اسکا مشرقی حصہ دوسرے قحط سے زیادہ صدمہ پہنچا رہا ہے۔ مکہ کے مورخوں نے ایسے مصیبت کے واقعات بہت سے نقل کئے ہیں میں صرف ایک قحط کا ذکر کرتا ہوں جو سنہ ۱۲۶۴ء میں پڑا تھا۔ اصمعی لکھتا ہے کہ اسوقت مکے میں بہت سے لوگوں نے اپنے بچوں کو ذرا ذرا سے اناج کے بدلے میں بیچ ڈالا اور بعض قحط زدہ لوگ عام طور پر آدمی کا گوشت کھاتے تھے ایک مکی نے مجھ سے کہا کہ "ایک مرتبہ ترکی حاجی جن کی وجہ سے میری گزر چلتی تھی یہاں نہیں آئے تھے اس وجہ سے معاش سے تنگ ہو کر میں نے مدینہ جا رہنے کا ارادہ کیا جس دن یہاں سے میں روانہ ہونے کو تھا اس رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ہاتھ میں چلتی ہوئی تلوار لئے مکے کے دروازے پر کھڑا ہے جیسے کہتا ہے کہ او مکی تو یہاں رہ۔ تیرے واسطے شہد کھانا رکھا ہے اور دوسرے لوگوں کو جو نصیب ہوگئے اس خواب کو دیکھکر میں اپنے ارادہ سے باز آیا اور مکے ہی میں رہا۔"

بہت سے مکے والے اور خصوصاً وہ لوگ جن کو حاجیوں سے روپیہ پیدا کرنیکا کچھ تعلق نہیں ہے وہ اپنے تئیں مذہب کا زیادہ پابند بھی نہیں ظاہر کرتے اور اپنے عقائد میں بہت کمزور ہیں۔ وہ اس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ وہ مکے والے ہیں۔ یوں آیتیں اور حدیثیں انکی زبان پر ہیں مگر انپر عمل نہیں کرتے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہب کی پابندی خصوصیت کے ساتھ پردیسیوں پر واجب ہے جو عمر بھر میں صرف ایکبار مکہ دیکھتے ہیں بدویوں کی طرح بہت سے آدمی نماز بھی گنڈے دار پڑھتے ہیں اور بعض بالکل پڑھتے ہی نہیں جمعے کی نماز ہر مسلمان پر جو شہر میں ہو واجب ہے مگر اس روز بیت اللہ خصوصاً پردیسی مسلمانوں سے بھرا رہتا ہے اور مکے والے بہت سے اپنی دوکانوں پر بیٹھے حقے پیتے رہتے ہیں۔ جب حاجی مکے سے چلے جاتے ہیں تو بہت کم آدمی بیت اللہ میں نماز پڑھتے ہیں یہ لوگ کبھی خیرات بھی نہیں دیتے ان کا مقولہ ہے کہ خدا نے ان کو اس شہر میں خیرات لینے کے واسطے پیدا کیا ہے نہ کہ دینے کے واسطے یہ لوگ سنت کی پیروی تو کرتے ہیں لیکن بالکل چھوٹی چھوٹی باتوں میں مثلاً موچھیں کترواتے ہیں اور داڑھی بڑھاتے ہیں اور اسی طرح عمامہ کا سرا بھی پیچھے چھوڑتے ہیں۔ ہر روز آنکھوں میں سرمہ لگاتے ہیں ہمیشہ ہاتھ میں مسواک رکھتے ہیں۔ بات بات میں قال اللہ وقال الرسول کہتے رہتے ہیں مگر اس کا لحاظ نہیں کرتے کہ یہ نصیحتیں اپنے اطوار درست کرنے کے لئے کیگئی ہیں نہ کہ محض دہرانے کے لئے۔ مسجد کے ہر دروازے پر شراب بکتی ہے دلیل خود خلاف مذہب کام کرتے ہیں بیٹے مسجد میں چلا چلا کر اپنے مقتدیوں کو دعائیں پڑھاتے ہیں تاکہ انکی آواز سنکر دوسرے حاجی بھی انکو اپنا مطوف مقرر کرلیں ایک یہ بات بھی خلاف مذہب ہے، کہ کھلم کھلا حشیش (گانجہ) پیا جاتا ہے۔ تقریباً ہر قہوہ خانے میں گنجفہ کھیلا جاتا ہے حالانکہ قرآن نے صاف طور پر جوے کی ممانعت کی ہے۔

بدچلن عورتوں اور مردوں کے ساتھ خود سرکار رعایت کرتی ہے جس سے شرع محمدی کے سخت حکموں کی مخالفت بھی نہیں ہوتی بلکہ ان کو بداعمالی کی اور ترغیب ہوتی ہے فریب اور جھوٹی قسمیں کھانا انکے نزدیک کوئی گناہ نہیں رہا ہے یہ لوگ اپنے عیبوں سے پورے طور پر واقف ہیں اور ہر مطوف اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ یہاں والوں کے اخلاق بگڑ گئے ہیں مگر خود کوئی اچھی نظیر قائم نہیں کرتا اور باوجودیکہ یہ اپنے قول کے خلاف عمل کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی انجان بنکر کہتے ہیں" اب وہ زمانہ آگیا کہ یہ مقولہ صحیح ہو گیا کہ وہ شہر جس میں داخل ہونا کافروں کے لئے حرام ہے وہ حرام کاموں سے بھر گئے ہیں۔

اگرچہ ایسے مقام پر جہاں مختلف فرقے ہوں تعصب پیدا نہیں ہو سکتا مگر میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مکے والے بھی کافروں سے بڑا تعصب رکھتے ہیں میں نے مشرقی شہروں میں دیکھا ہے کہ وہ مسلمان جو مذہب کے بالکل پابند نہیں ہیں وہ کافروں سے سخت نفرت کرتے ہیں بلکہ زیادہ تر وہی متعصب ہوتے ہیں جو پابند مذہب نہیں ہوتے بہت سے ترک جو آزاد خیالی کا دعوے کرتے ہیں انکی بھی یہی حالت ہے اور جن ترکوں کو عیسائیوں کے ساتھ زیادہ سابقہ رہتا ہے اُنسے بڑھکر عیسائیوں سے کسی کو تعصب نہ ہوگا۔

مسلمانوں کی شرع بھی ان لوگوں کے ساتھ جو انکے مذہب کے خلاف ہوں سخت نفرت و حقارت کی تعلیم دیتی ہے۔ جب کسی مسلمان کو اپنا فائدہ مدنظر ہوتا ہے تو یہ دشمنی ایک ظاہری اخلاق کا لباس پہن لیتی ہے ورنہ حقیقت میں تعصب کچھ کم نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کے تمام شہروں میں جو [illegible] جہاں [illegible] عیسائیوں کو اس سے زائد آسائش حاصل [illegible] جتنی کہ مسلمانوں کے [illegible] اجازت دی [illegible] آرام و آسائش کا دارومدار حاکم شہر کے فتوے پر ہے۔ محمد علی پاشا [illegible] سمجھتا ہے ایسے زمانہ میں بغیر اسکے مسلمانوں کی طرف سے کچھ زیادہ خوف ہو۔ [illegible] ترک کو مار پیٹ بھی کر سکتا ہے مجھے ایک ارمنی عیسائی کا واقعہ یاد ہے اس نے اپنے مسلمان [illegible] کو قتل کر ڈالا تھا اور باوجودیکہ سب لوگوں کو اس واقعہ کی خبر بھی ہوگئی تھی مگر وہ سزا سے بچ گیا البتہ سرکار میں کچھ جرمانہ اسکو بھرنا پڑا۔

ترکوں کی سلطنت کے ہر حصے میں عیسائیوں کے ساتھ تنفر ہے اور اگر مسلمان اس تنفر کو چھوڑ بھی دیں تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ انہوں نے انسانی ہمدردی سے چھوڑا ہے بلکہ ذاتی اغراض کے باعث۔ یعنے وہ عیسائی کے ہاتھ میں پھنسے ہونگے اور اس سے انکی کوئی غرض ہوگی۔ شریف کے زمانے میں عیسائیوں کے ساتھ جدے میں برا برتاؤ ہوا کرتا تھا وہ فرنگیوں کا سا لباس نہیں پہن سکتے تھے اور ان محلوں تک نہیں جا سکتے تھے جو باب مکہ کی طرف ہیں لیکن جب سے محمد علی کی فوج یہاں آئی ہے وہ آزادی کے ساتھ چل پھر سکتے ہیں اور جیسے چاہیں کپڑے پہن سکتے ہیں۔

دسمبر ۱۸۱۴ء میں جب دو انگریز باب المکہ کے پاس سے گزر رہے تھے تو ایک عورت کو یوں کہتے ہوئے انہوں نے سنا "غالباً اب قیامت نزدیک آپہنچی کہ کافر اس سرزمین پر چلنے کی جرات کرنے لگے" یقیناً یہ پہلے آدمی تھے جو انگریزی لباس پہنکر متبرک سرحد تک پہنچے۔

اسوقت بھی جب کوئی عیسائی جدے میں مرتا ہے تو اس کو ساحل پر دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اسکا جنازہ اس بندرگاہ کے ایک چھوٹے سے جزیرے کو لیجاتے ہیں۔

۱۸۱۵ء میں جب حجاز میں طاعون پھیلا تھا اور اس سے پیشتر کبھی نہیں ہوا تھا تو قاضی جدہ اور جدے کے بہت سے علما و حاکم کے پاس گئے اور اس ہواچکی کو توڑ ڈالنے کے لئے کہا جو چند یونانی عیسائیوں نے قاہرہ سے لاکر محمد علی کی اجازت سے دروازے باہر کیس بنائی تھی ان کو یقین تھا کہ عیسائیوں نے اس مقدس زمین پر جو یہ بدعت پھیلائی ہے اسکے باعث خدا کی لاٹھی پڑ رہی ہے۔

چند برس گزرے جدے کے قریب ایک انگریزی جہاز تباہ ہوا تھا اور اس تباہی سے مختلف سامان جو شریف کے ہاتھ لگا منجملہ اسکے ایک بڑا سوئر بھی تھا یہ وہ جانور تھا جو غالباً اس سے قبل جدے میں کبھی نہ دکھائی دیا ہوگا۔ یہ سوئر شہر میں یونہی کھلا چھوڑ دیا گیا تھا اور تمام نان بائیوں اور ترکاری فروشوں کے لئے ایک ہوّا ہو گیا تھا۔ کیونکہ سوئر جیسے ناپاک جانور کا چھو جانا خواہ کسی مسلمان کی عبا کے دامن سے ہی کیوں نہو) مسلمان کو ناپاک کر دینے کے لئے کافی ہے اور پھر غسل کئے بغیر وہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ یہ جانور یہاں چھ مہینے رہا۔ شریف نے ایک امریکن کپتان سے سو روپئے اسکی قیمت مانگی تھی مگر اتنے دام اس نے دئے نہیں اسوجہ سے سودا نہ بنا اور آخر تھوڑے دن بعد سوئر مر گیا جس سے تمام شہر والے خوش ہوئے۔

لطف یہ ہے کہ مکے والے بعض بدنام کافروں کو بھی فصیل کے اندر رہنے دیتے ہیں میں نے فرقۂ اسماعیلیہ کا ذکر کر دیا ہے۔ یہ ہندوستان کا ایک بت پرست فرقہ ہے اور یہاں مسلمانوں کا سا لباس پہنکر رہتا ہے ایرانی حاجی جو شیعان علی کہلاتے ہیں اور آنحضرتؐ کے بعض خلفاء پر تبرّا پڑھتے ہیں انکو بھی یہاں کوئی خاص قسم کی تکلیف نہیں پہنچائی جاتی۔ شریف نے رسوم مذہبی ادا کرنے کی ان کو اجازت دیدی ہے لیکن ہر شخص پر جزیہ لگا دیتا ہے۔ شریف خود بھی فرقۂ زیدیہ سے بہت کچھ تعلق رکھتا ہے۔

جب مکے والے فرنگی یا عیسائی کا لفظ بولتے ہیں تو اسکے ساتھ نہایت ہی حقارت سے لفظ کافر بھی بڑھا دیتے ہیں۔ انگریزوں سے ہندوستان کی تجارت کے سبب سے چونکہ انکے تعلقات زائد ہیں اسلئے انکی نسبت یہ خالی **الکافر** بولتے ہیں اسکے آگے لفظ انگریز چھپا رہتا ہے مثلاً "الکافر فی الہند" کہیں گے تو اس سے یہ مطلب ہوگا کہ ہندوستان کے کافر یعنے انگریز یا مرکب "الکافر فی الجدہ" کہیں گے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ انگریزوں کا جہاز جدے میں۔

فرانسیسیوں سے شیخ الجیلانی کا جہاد

جب فرانسیسیوں نے مصر پر حملہ کر کے کعبے کے دروازہ یعنے مصر کو فتح کر لیا تہا تو مکے کے ایک مغربی شائخ نے جو شیخ الجیلانی کے نام سے مشہور تہا اور مکے کے جیلانی سوداگر کا دور کا رشتہ دار تہا اور جو ایک عرصہ تک خانہ کعبہ میں وعظ کہتا رہا تہا بیت اللہ کی منبر پر بیٹھکر کافروں کے خلاف جہاد کا وعظ کہا۔ چونکہ یہ شخص بڑا فصیح اور زبان آور تہا اور بڑا مقدس سمجہا جاتا تہا اسوجہ سے بہت سے عرب اسکے جھنڈے تلے اکٹھے ہوگئے بہت سے لوگوں نے اس کو روپیہ دیا اور عورتوں نے بہی اس پاک ارادہ میں اسکی مدد کرنے کے لئے اپنے سونے چاندی کے زیور تک دیدئے۔ یہ بزرگ جدے سے اپنے پرجوش ساتہیوں کے ساتھ جہاز میں روانہ ہوکر قصیر میں لنگر انداز ہوا اگرچہ جدہ کے حاکم نے اسکی مہم میں کچھ مدد نہ کی لیکن اسکا مزاحم بہی نہ ہوا ان عربوں نے جس جوش و خروش سے مصر صعید میں فرانسیسیوں کا مقابلہ کیا اور جو کچھ انکا حشر ہوا وہ ڈاکٹر جبرتی صاحب کی کتاب پڑہنے والوں سے مخفی نہیں ہے۔ شیخ الجیلانی شہید ہوا اور اسکے ساتہیوں میں سے بہت کم لوگ واپس آئے۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے انکی تعداد بہت بڑہا کر بتائی ہے میرے نزدیک پندرہ سو سے زیادہ نہیں تہی۔

چوری چکاری

اگرچہ حج کے زمانے میں اور اس سے کئی مہینے پیشتر سے مکہ ایسے بدمعاشوں سے بہر جاتا ہے جو قفل توڑنے میں کمال رکہتے ہیں مگر خاص مکے والے ترکوں کی طرح اٹھائی گیرا پن نہیں کرتے اور انکو چوری چکاری کی بہی عادت نہیں ہے شاذونادر ہی انمیں سے کوئی ڈاکہ ڈالتا ہے پیشتر شریف کے غلام اپنی بدروئیگی کی وجہ سے یہاں مشہور تھے مگر غالب نے انہیں اچہا انتظام کر دیا تہا اور کبہی کوئی چوری ایسی نہیں ہونے پاتی تہی جس کا پتہ نہ لگ جاتا ہو اور ملزم کو سزا نہ ملجاتی ہو۔

فقیر۔فقرا

مکے کی گلیاں غریبوں اور فقیروں سے پٹی پڑی ہوئی ہیں ان سب کو پردیسی حاجی پالتے ہیں کیونکہ مکے والے تو اپنے تئیں خیرات دینے سے مستثنےٰ ہی سمجھتے ہیں۔ حج کے دنوں میں بہت سے لوگ فقیری کا پیشہ ہی اختیار کر لیتے ہیں گداگروں میں سب سے زیادہ تعداد ہندوستانیوں کی ہے پہر شامی، مصری اور مغربیوں کا نمبر ہے۔ کچھ حبشی بہی فقیر ہیں مگر کم۔ یہ لوگ بہیک پر محنت کو ترجیح دیتے ہیں۔ یمن سے بہی بہت سے فقیر آتے ہیں اسلامی شہروں میں مشہور ہے کہ "مکہ فقیروں کے لئے جنت ہے" ممکن ہے کہ بعض فقیر بہیک مانگ کر کچھ بچا بہی لیتے ہوں مگر بہت سے فقیروں کی تو صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن امیدوں سے یہ یہاں نکل بہاگے تہے انپر پانی پھر گیا ان فقیروں میں سب سے زیادہ شرم دار ہندوستانی فقیر ہیں یہ راہگیروں سے اسطرح مانگتے ہیں یا اللہ! یا کریم! اگر انکو کوئی ناہیں کر دے تو سوائے یا اللہ یا کریم کے ایک لفظ بہی منہ سے نہیں نکالتے

انہیں الفاظ کو دہراتے ہوئے چلے جاتے ہیں منیٰ اور مکیوں کی بھی یہی حالت ہے وہ کہتے ہیں "تم حاجی ہو اپنے فرض کا خیال رکھو اللہ بخیلوں کو پسند نہیں کرتا! کیا تم کسی مسلمان کے سوال کو رد کر دوگے؟ تو دے اور تجھے بھی دیا جائیگا" اسی قسم کے فقروں سے وہ رستے والوں کو مخاطب کرتے ہیں اور جب انکو کچھ ملجاتا ہے تو وہ یہ کہتے ہیں "تم نہیں دیتے خدا دلواتا ہے"

فقیروں میں بعض بہت گستاخ بھی ہوتے ہیں اور بھیک مانگتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا مطالبہ وصول کرتے ہیں۔

جب میں جدے میں تھا تو مینے دیکھا کہ ظہر کی نماز کے بعد ایک یمنی فقیر مسجد کی مینار پر چڑھ جاتا اور چلا کر باواز بلند اسطرح کہتا کہ سارا بازار سن لے "میں خدا سے سو روپے ایک جوڑا کپڑا اور ایک قرآن مانگتا ہوں" کئی ہفتے تک وہ یونہی کہتا رہا آخر ایک ترکی حاجی کے دل پر اسکی اپیل کا اثر ہوا اور اس کو ساٹھ روپے دیکر کہا خدا کے لیئے اب آئندہ اپنی صدا موقوف کر اس سے تمام حاجیوں کو شرم معلوم ہوتی ہے اس نے جواب دیا کہ میں یہ ہرگز نہ لونگا میرا خیال ہے کہ خدا میرا سوال پورا کریگا اور تمام چیزیں مجھے دیگا آخر چند روز تک اور وہ صدا لگاتا رہا یہاں تک کہ اسی حاجی نے اسے پوری رقم دیدی مگر اس فقیر نے اس کا شکریہ بھی ادا نہ کیا۔

مینے بیت اللہ میں نماز کے بعد بعض فقیروں کے یہ سوال سنے ہیں "اے بھائیو! اے مسلمانو! میری بات سنو! میں اپنے گھر جانے کے لئے خدا سے چالیس روپئے زادراہ مانگتا ہوں۔ صرف چالیس روپے۔ تم جانتے ہو کہ خدا کریم ہے اور مجھے دو سو روپیہ بھیج سکتا ہے مگر میں صرف چالیس روپئے مانگتا ہوں یقین کرو خیرات جنت کی کلید ہی نہیں بلکہ ٹرک ہے" اسمیں شک بھی نہیں کہ ایسے سوال اکثر پورے بھی ہوجاتے ہیں۔

تعلیم و تعلم

یہ بات مسلم ہے کہ علم و عقل ایسی جگہ بارآور نہیں ہوسکتے جہاں ہر شخص روپے اور جنت کی تلاش میں سرگرداں ہو اور اسی لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ بہ نسبت مصر و شام کے شہروں کے علم میں گھٹا ہوا ہے غالباً یہاں کی ایسی حالت اسوقت نہ ہوگی جب یہاں [illegible] قائم تھے جن کو اب گھر بنالیا ہے۔

الفصیح کا بیان ہے کہ [illegible] گیارہ مدرسے تھے اور رباطین یعنے کم آمدنی کے مدرسے اسکے علاوہ تھے جنمیں غریب حاجیوں [illegible] کے رہنے کا انتظام تھا مسجد کے آس پاس اسوقت بھی کئی رباطین موجود ہیں مگر وہ سب پرائیویٹ گھر بنگئے ہیں یہاں شہر بھر میں ایک بھی ایسا مدرسہ نہیں ہے جہاں لڑکے کیطرح لکھنا پڑھنا سیکھتے جاتے ہوں البتہ صرف بیت اللہ ہی ایک ایسی جگہ یہاں ہے جہاں تعلیم دیجاتی ہے جیسا کہ اوپر

کہہ چکا ہوں اس مدرسہ میں لکھنا پڑہنا سکھایا جاتا ہے اور مسجد کے اندر بعد نماز عصر بعض علما معدودے چند حاضرین کو دینیات کا درس دیتے ہیں۔ طالب علموں میں ہندوستانی۔ جاوی حبشی اور حضر موت کے رہنے والے ہوتے ہیں جو مکے کا نام سنکر یہاں کہچے چلے آتے ہیں اور جب انکو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ انکی کافی تعلیم ہو گئی اور اب وہ اپنے وطن میں عالم سمجھے جانے لگینگے تو واپس چلے جاتے ہیں۔ مکے والے خود تحصیل علم کے لئے دمشق یا قاہرہ جاتے ہیں اور قاہرہ کی جامع ازہر میں اکثر پڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

بیت اللہ میں جو لکچر دیئے جاتے ہیں وہ شرقی شہروں کے لکچروں سے مشابہ ہیں اور مفت دیئے جاتے ہیں۔ ہر لکچر یا درس دو تین گھنٹے لگتے ہیں اور ہر شخص جسے لکچر دینے کی قابلیت ہو لکچر دیسکتا ہے خواہ بیت اللہ سے تعلق رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ یہی کیفیت قاہرہ کی مسجد ازہر میں ہے وہاں میں نے ایک ہی وقت میں مختلف چالیس آدمیوں کو لکچر دیتے دیکھا ہے۔ بیت اللہ میں عموماً قرآن تفسیر و فقہ و احادیث کا درس ہوتا ہے۔ میرے سامنے منطق طبیعات یا توحید پر جو مسلمانوں کے علوم کی ایک بڑی شاخ ہے کبہی لکچر نہیں دیا گیا۔ مینے سنا کہ بعض وقت نحو کا درس ہوتا ہے اور صرف میں ابن مالک کی کتاب الفیہ پڑھائی جاتی ہے۔ لیکن مکے والے جو فارغ التحصیل ہونا چاہتے ہیں انکو قاہرہ بہی جانا پڑتا ہے۔

بیت اللہ کے متعلق کوئی وقف کتب خانہ بہی نہیں ہے۔ پرانے کتب خانے جن کا میں ذکر کر چکا ہوں غائب ہو گئے۔ نائب الحرم کے پاس البتہ کتابوں کا تھوڑا سا ذخیرہ ہے جو اصل میں مسجد ہی کا تھا لیکن اب اسکی ملک سمجھا جاتا ہے اور بڑی مشکل سے کرایہ پر کتابیں ملتی ہیں قاہرہ کی ازہر کی حالت اور ہے وہاں ہر رواق میں (یعنی مسلمانوں کی مختلف قوموں کے رہنے کے جو حصے ہیں اور جنکی تعداد اب چبیس ہے) ایک ایک کتب خانہ ہے اور رواق کا ہر شخص آزادی سے کتابیں دیکھہ سکتا ہے۔

مکے میں پرائیویٹ کتبخانوں کا بہی کال ہے اُن مالدار سوداگروں کو چھوڑ کر جنہوں نے دکھانے کے لئے اور عام لوگوں میں ممتاز بننے کے لئے کچھہ کتابیں رکھہ چھوڑی ہیں باقی اور کہیں کتابیں نہیں البتہ بعض اپنے پاس صرف اسقدر کتابیں رکھتے ہیں جو انکو فقہی مسائل میں روزانہ مدد دیسکیں۔

کہتے ہیں کہ وہابی اپنے ساتھہ یہاں سے کتابوں کے بہت سے گٹھر لیگئے لیکن یہ بہی بیان کیا جاتا ہے کہ جو چیز وہ لیگئے اسکی قیمت بہی انہوں نے دی۔ ممکن ہے کہ مکے کی تمام کتابیں بہی وہ لیگئے ہوں میں نے شیبہ کے ابو کی بہت کچھہ تلاش کی مگر خاک بہی مطلب نہ نکلا۔

مکے بھر میں کوئی کتب فروش یا جلد ساز بھی نہیں ہے البتہ عرفات سے واپس آنیکے بعد چند غریب علما باب السلام کے پاس کچھ کتابیں بیچ رہے تھے لیکن وہ قرآن، تفسیریں، اور فقہ کی تھیں بعض صرف و نحو کی کتابیں بھی تھیں مگر تاریخ یا کسی اور علم پر مجھے کوئی کتاب نہ ملی۔ اور باوجود بڑی تکلیف و کوشش کے مجھے مکہ کی کوئی تاریخ دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ ہاں مکے والوں میں مصنفوں کے کچھ نام مشہور تھے۔

مجھسے لوگوں نے کہا کہ پیشتر یمن کے قافلے کے ساتھ یہاں کتب فروش آیا کرتے تھے اور صنعاء وغیرہ سے عمدہ عمدہ کتابیں لاکر یہاں بیچا کرتے تھے۔ مینے صرف ایک اچھی کتاب یہاں دیکھی وہ عربی کی مشہور کتاب لغات قاموس تھی اس کو ایک جاوی نے کوئی سوا سو روپیہ میں خریدا - قاہرہ میں اسکی آدھی قیمت ہوگی۔ مینے دیکھا کہ بہت سے حاجی کتابیں خریدنے کی فکر میں ادھر ادھر دریافت کرتے پھرتے تھے اور بڑی بڑی قیمتیں دینے پر تیار تھے۔ مگر یہاں کتابیں ہی نہ تھیں۔ مجھے تعجب معلوم ہوا کہ کرتیئے اور جزرس مکی کتابوں کا بیوپار کیوں نہیں کرتے اگرچہ اسمیں اسقدر وارے نیارے تو نہیں ہیں جیسے کہ قہوے اور ہندوستانی مال میں ہیں۔ مگر پھر بھی نفع سے خالی نہیں ہے۔ مجھے اپنی کتابوں کی عدم موجودگی کا بڑا افسوس تھا، اور خصوصاً مکے کی تاریخیں جو میں قاہرہ میں چھوڑ آیا تھا اُن کا بہت پچھتاوا تھا۔ یہ کتابیں اگر یہاں میرے پاس ہوتیں تو مجھے بہت سی باتیں معلوم کرنے میں مدد ملتی خصوصاً یہاں کے مقامات کے حالات جو ازرقی نے بڑی محنت سے لکھے ہیں اچھی طرح دریافت کر سکتا تھا۔ ایرانی اور جاوی حاجی خاصکر یہاں کتابوں کی بہت تلاش کرتے ہیں۔ مدینے میں مجھے کئی شخصوں نے کہا کہ وہابیوں کو بھی کتابوں کی بڑی جستجو تھی۔ دمشق اسلامی ممالک میں سب سے بڑی منڈی کتابوں کی ہے اور یہاں سب جگہ سے زیادہ سستی بھی ملتی ہیں کیونکہ یہاں فرنگی کم آتے ہیں جب میں دمشق میں تھا، تو مینے سنا کہ بغداد کے کئی عرب خفیہ طور پر کتابیں خریدنے کے لئے وہابیوں کے حاکم سعود نے یہاں بھیجے تھے اور انہوں نے بہت سے تاریخی نسخے خریدے بھی جب ابو نقطہ نے یمن کے بندرگاہ لوٹے تھے تو وہ بھی بہت ساری کتابیں لوٹ لیگیا جو اسنے درعیہ میں بھیدیں۔

مکے میں کتابوں کی قلت شاید حاجیوں کے ہمیشہ خریدتے رہنے کے باعث ہوئی ہو۔ یہاں اب کاتب بھی نہیں ہیں جو کتابوں کی نقل کرکے بھرتی کردیں۔ کاتبوں کی کمی کی شکایت شام و مصر میں بھی ہے اور اگر یورپ میں یہاں سے کتابیں اسیطرح جاتی رہیں تو ایک وقت ایسا آئیگا کہ یہاں کتابوں کا نام بھی باقی نرہیگا قاہرہ میں اسوقت تین کاتب ہیں جو اچھے خوشنویس ہیں اور استعداد بھی کافی رکھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ غلطیاں

نہیں کرتے مکے میں صرف ایک شخص **لاھوری** کاتب تھا یہ اگرچہ عربی بے تکلف نہیں بول سکتا تھا مگر نہایت عمدہ خوشنویس تھا۔ یہ باب السلام کے پاس بیٹھا تھا اور حاجیوں کے لئے وہ دعائیں بھی لکھ دیتا تھا جنکی ضرورت حج میں ہوتی ہے۔

حجاز کی رسم الخط مصر و شام سے جداگانہ ہے لیکن تھوڑی سی مشق کے بعد آسانی سے پڑھا جاتا ہے۔ عموماً مشرق کے ہر ملک بلکہ ہر صوبے کی طرز تحریر جدا ہے جسکی تمیز صرف مشق پر منحصر ہے۔

دمشق و حلب کے کاتبوں میں بھی فرق ہے۔ مصر میں قاہرہ کے کاتبوں کا خط مصر صعید کے کاتبوں سے جدا طرز کا ہے۔ مصر کے قبطی عیسائیوں کا خط بھی وہاں کے دوسرے عیسائیوں کے خط سے مختلف ہے۔ تجربہ کار شخص صرف خط کا پتہ دیکھکر بھی پہچان سکتے ہیں کہ کس صوبے سے آیا ہے اور کس قوم کے آدمی نے لکھا ہے۔ شام کا خط بھی بہت ہی خوشنما اور خط گلزار کی قسم کا ہوتا ہے لیکن صرف کاروباری خطوط میں استعمال کیا جاتا ہے مصر کا کچھ کم ہے اور حجاز میں بالکل سادہ۔ اور بدویوں کی سادگی تو اس سے ظاہر ہے کہ انکے خطوں میں بعد معمولی دعا سلام اور خیر صلاۃ[1]۔ خیر و عافیت کے فوراً مطلب شروع ہوجاتا ہے۔ ہر ملک میں خط کے تہہ کرنے کا طریقہ بھی جدا ہے۔ حجاز میں خط گوند سے بند کئے جاتے ہیں اور بڑے بڑے مکانوں اور سراؤں کے دروازے پر گوند دانی لٹکی رہتی ہے۔

مکے والے علم کی طرف سے چاہے کتنے ہی بے پرواہ ہوں[2]۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ انکی زبان اب بھی لہجہ و فصاحت کے لحاظ سے بہ نسبت اور شہروں کے جہاں عربی بولی جاتی ہے بہت ہی شستہ ہے مکے والوں کی زبان قدیم عربی سے ملتی ہوئی اور ان اثرات سے جو دوسرے صوبوں کی زبان میں پیدا ہوگئے ہیں بچی ہوئی ہے میں عربی کو زوال پذیر زبان اگرچہ نہیں سمجھتا مگر اسمیں شک نہیں کہ اب ایسے شاعر نہیں ہیں جو متنبی۔ ابو العلا

---

[1] خیر و صلاح۔

[2] مکے والوں کی لاعلمی کا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہوگا کہ میں نے کوئی دس بارہ معزز آدمیوں سے پوچھا کہ مقام عکاظہ کہاں ہے انمیں سے ایک نے بھی جواب نہ دیا کہ وہ مقام کہاں تھا اور کیا تھا اور آیا وہ اب بھی موجود ہے یا نہیں۔ عکاظ وہ جگہ ہے جہاں آنحضرتؐ کے زمانے تک جاہلیت کے شاعر ایک بڑے میلے میں مجمع کے سامنے اپنا کلام پڑھا کرتے تھے اعلیٰ درجے کی نظمیں بعد میں خانہ کعبہ میں آویزاں کیجاتی تھیں مشہور قصائد سبعہ معلقہ اسی کی یادگار ہیں۔ جحیل قوم کے ایک بدوی نے مجھے کہا کہ طائف کے جنوب میں دو تین دن کے رستے پر بنی ناظرہ کے علاقے میں عکاظ ایک ویران مقام ہے اسکا میلا کئی سو برس ہوئے موقوف ہوگیا ازرقی کہتا ہے کہ عکاظ طائف سے ایک دن کے رستے پر صنعا کی سڑک پر بنی کنعان کے علاقے میں تھا ۱۲

اور ابن الفارض کے مثل شعر کہہ سکیں اور فصیح نثر لکھنے والے بھی موجود نہیں ہیں۔ موجودہ شاعر تو پرانے اساتذہ کے
کلام پر بھی قناعت کرتے ہیں اور وہ عمدہ تشبیہا اور جست بندشیں جو ان لوگوں سے نکلی ہیں جو آجکل کے علماء کے
دلوں سے زیادہ شریف و آزاد خیال تھے مستعار لیکر اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں لیکن اب بھی تمام علماء
کامل طور پر ادب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہی ایک علم ایسا ہے جسکے مطالعہ میں متعصب سے متعصب مسلمان بھی جب
فرصت ملتی ہے تھوڑا بہت وقت صرف کردیتے ہیں مشرق میں ہر جگہ صرف زبان کا صاف طور پر لکھ پڑھ لینا علم و فضل
کی دلیل نہیں سمجھا جاتا بلکہ مشہور شعرا کا کلام پڑھنا اور موقع بہ موقع انکے شعر پڑھنا اور عمدہ بر محل فقرے زبانی
یاد ہونا علمیت کی بڑی پہچان ہے جسطرح اہل یورپ اپنے مصنفین کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں ویسے ہی عربی داں
بھی انکو دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ مشرق میں ناخواندہ آدمی کثرت سے ہیں لیکن جو پڑھے
لکھے ہیں وہ بہ نسبت اہل یورپ کے اپنے مصنفوں کے کلام سے خوب واقف ہیں۔

مکے والے ادب و فقہ کے سوا اور علوم کم پڑھتے ہیں بعض لڑکے ترکی بھی پڑھتے ہیں لیکن صرف اُسی قدر
جس سے انکو ترکوں کا مطلوف نبنے میں آسانی ہو۔

مسجد کا مہندس اسقدر علم ہیئت سیکھ لیتا ہے جس سے اُسکو خط نصف النہار سے سورج کے گذرنے کا وقت
معلوم ہو سکے اور کبھی ہاتھ لگجائے تو نجوم کی کوئی کتاب یا زائچہ بھی اپنے پاس رکھتا ہے۔

طبیب ایک ایرانی حکیم یہاں بڑا طبیب حاذق اور میڈیکل پروفیسر بنا ہوا تھا لیکن مینے اسکے پاس سوا روغن
بلساں وغیرہ دو ایک دواؤں کے اور کچھ خاک نہ دیکھا۔ البتہ اسکی دوائیں سب مزیدار اور میٹھی ہوتی ہیں
اور مشک وغیرہ بخورات جو اپنی دوکان پر سلگاتا ہے اس سے مہکیں آتی رہتی ہیں۔ اور اسکے باعث اسکی اور بھی
شہرت ہو گئی ہے۔

گانا بجانا راگ جو عربوں کو عموماً بہت پسند ہے مکے میں اسکا کم رواج ہے انکے باجے رباب، بانسری، اور طنبورہ ہیں
مضافات شہر کے بدویوں کے سوا شہر میں راتوں کو بہت کم گیت سنائی دیتے ہیں اکثر قہوہ خانوں میں رات کے
وقت کئی کئی جوان آدمی ملکر گاتے ہیں اس گانے کا نام جوق ہے اور تالیوں کے ساتھ اسکا سماں بندھتا ہے
عموماً حجازیوں کی آوازیں صاف نہیں ہیں مینے یہاں ویسی دلکش آوازیں نہ سنیں جیسی کہ مصر میں یا اُس سے
بھی زائد شام میں سنائی دیتی ہیں۔ وہاں عشقیہ و نعتیہ گیت میناروں پر چڑھکر جب گائے جاتے ہیں تو خصوصاً
رات گئے بڑا اثر رکھتے ہیں۔

مسجدوں کے امام و مکبر بھی دوسرے شہروں میں اکثر خوش آواز انتخاب کئے جاتے ہیں مگر یہاں ہوالے دلخراشی و بد آوازی میں اول نمبر ہیں۔

شریف کے پاس فوجی باجہ ہے جسمیں ڈھول بگل اور بانسریاں وغیرہ ہیں ایسے باجے بادشاہوں کے ہاں رہتے ہیں۔ یہ باجا شریف کے دروازے پر دن میں دو مرتبہ اور ہر چاند رات کو شام کے وقت ایک گھنٹے تک بجتا ہے۔

مکے میں شادی بیاہ میں پیشہ ور گانے والیاں بلائی جاتی ہیں یہ گاتی بھی ہیں اور ناچتی بھی۔ کہتے ہیں کہ انکی آوازیں اچھی ہوتی ہیں اور یہ بھی ویسی ہی آوارہ ہوتی ہیں جیسی کہ مصر و شام کی ناچنے گانے والیاں۔

مکے والے کہتے ہیں کہ وہابیوں کے حملے سے قبل گانے کی آوازیں شام کے وقت یہاں ہر گلی میں سنائی دیتی تھیں مگر وہابیوں نے (جو اگرچہ بدوی گیتوں کے بہت شائق ہیں لیکن عورتوں کے گانے کو حرام سمجھتے ہیں) گانے بجانے کے تمام اڈے برباد کردیئے۔

سقوں کا گیت

مکے کے سقے بھی جو عموماً پردیسی ہیں ایک گیت گاتے ہیں جو اپنی سادگی کی وجہ سے اور اس مقصد کے لحاظ سے جسکے لیئے وہ گاتے ہیں بہت ہی موثر ہے۔ اکثر مالدار حاجی رات کے وقت بیت اللہ سے نکلکر سقے کی کل مشک خرید لیتے ہیں اور غریبوں کو مفت پلوادیتے ہیں۔ سقے اس وقت فقیروں کی لکڑی کے پیالے میں پانی ڈالتے جاتے ہیں اور یہ گاتے جاتے ہیں۔

سبیل یا اللہ یا عطشان سبیل

یعنے جلدی کرو لے پیاسو خدا کے راستے میں۔ اس گیت کی تان اس مصرعے پر ٹوٹتی ہے۔

الجنّة والمغفرة لصاحب السبیل

یعنے جنت اور مغفرت اسکا حصہ ہے جو تم کو یہ پانی پلوا رہا ہے۔ میںنے جب یہ گیت سنا ہمیشہ میری وجد کی سی حالت ہو گئی۔

رسوم شادی

مکے میں چونکہ میں کبھی شادی میں شریک نہیں ہوا اسلئے میں شادی بیاہ کی رسوم کے متعلق کچھ بیان نہیں کرسکتا لیکن میںنے دلہن کو اسکی سہیلیوں کے ساتھ سسرال جاتے دیکھا ہے اس موقع پر مصر کیطرح یہاں کوئی شامیانہ دلہن پر تانے ہوئے نہیں چلتے اور گانا بجانا بھی نہیں ہوتا لیکن جہیز اور بیش قیمت کپڑے نمود و نمائش کیساتھ لیجاتے ہیں اور دعوت بھی دھوم دھام سے ہوتی ہے اکثر تین تین چار چار دن تک دعوتیں ہوتی رہتی ہیں شادی ٹھہر جانے کے بعد مہر کا روپیہ بڑی تزک و احتشام سے دلہن کے ہاں پہنچایا جاتا ہے دو کشتیوں میں روپیہ رکھکر بیش قیمت

بستنیوں میں باندھ دیتے ہیں اور اوپر سے اطلس کے کارچوبی تورہ پوش ڈھک دیتے ہیں ان کشتیوں کے آگے آگے دو آدمی اور چلتے ہیں ایک کے ہاتھ میں گلاب پاش رہتا ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں عود سوز اور انکے پیچھے پیچھے دولہا کے بہت سے دوست رشتہ دار اچھے اچھے کپڑے پہنے دلہن کے گھر تک جاتے ہیں معزز لوگوں میں

مہر

کنواری لڑکیوں کا مہر جو یہاں مقرر ہوتا ہے اسکی مقدار مختلف ہے یعنے اسی روپے سے چھ سو روپے تک جیسا موقعہ ہو۔ غریبوں میں دس روپئے سے لگا کر چالیس روپئے تک مہر باندھا جاتا ہے۔ شادی کے وقت عموماً آدھا مہر ادا کر دیا جاتا ہے اور آدھی رقم خاوند کے پاس رہتی ہے جو طلاق دیتے وقت بیوی کے حوالے کر دیا جاتا ہے

رسوم ختنہ

ختنہ کی تقریب یہاں ویسی ہی ہے جیسے کہ قاہرہ میں۔ ختنہ کے بعد لڑکے کو اچھے کپڑے پہناتے ہیں اور ایک آراستہ گھوڑے پر بٹھا کر آگے آگے ڈھول بجاتے ہوئے بڑے جلوس کے ساتھ شہر میں نکالتے ہیں۔

رسوم غمی

رسوم غمی یہاں مصر و شام کے مثل ہیں۔

گھوڑے

مکے والے گھوڑے بہت کم رکھتے ہیں میرا خیال ہے کہ عام لوگوں کے پاس یہاں ساٹھ گھوڑوں سے زیادہ نہ ہونگے اور شریف کے اصطبل میں کوئی تیس پینتیس ہونگے البتہ شریف غالب کے پاس بہت بڑا گلہ تھا یہاں کے فوجی شریف اکثر گھوڑیاں پالتے ہیں لیکن اسوقت انکی بڑی تعداد فوج کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہاں موجود نہ تھی۔ بدوی جو شہر کے اطراف محلہ معابدہ غیرہ میں رہتے ہیں انکے پاس بھی گھوڑے ہیں لیکن سوداگر اور دوسرے لوگ بالکل نہیں رکھتے انکو کھٹکا یہ ہے کہ انکے پاس اگر کوئی عمدہ جانور ہوگا تو شریف اُن سے چھین لیگا اسلئے وہ صرف خچروں اور گھٹیا ذات کے ٹٹوؤں پر قناعت کرتے ہیں۔ گدھے بھی یہاں بہت ہیں لیکن معزز آدمی ان پر کبھی سوار نہیں ہوتے چند گھوڑے جو مکے میں ہیں وہ عمدہ نسل کے ہیں اور بدویوں سے خریدے ہوئے ہیں موسم بہار میں ان کو بدویوں کے خیمے میں ریگستان کی مقوی روئیدگیاں چرنے کے لیئے بھیجدیتے ہیں شریف یحییٰ کے پاس ایک عمدہ گھوڑی ہے جو غالب کے اصطبل کی ہے اور اس کی قیمت بتیس تھیلیاں (تخمیناً دو ہزار روپیہ) بیان کی جاتی ہے میں نے اسے بارہا دیکھا یہ بہت خوبصورت ہے اور حجاز بھر میں صرف ایک یہی جانور مجھے اچھا نظر آیا۔

اس ملک کے بدوی اور خصوصاً وہ لوگ جو مکے کے اطراف و جوانب میں رہتے ہیں گھوڑوں کے لحاظ سے بالکل مفلس ہیں بعض بعض شیخوں کے پاس بھی ایک آدھ گھوڑا ہے۔ بات یہ ہے کہ چراگاہوں کی یہاں قلت ہے اور گھوڑے کا خرچ یہاں دس گیارہ آنہ روز ہے۔

طائف کے پیچھے مشرقی میدان میں بھی گھوڑے بہت ہیں مگر نجد و شاو سے کم ہیں سبب یہ ہے کہ یہاں غلہ کم ہے اور بارش یقینی طور پر نہیں برستی۔ یہ وہ نقص ہے جسکے باعث بدوی سال بھر تک بغیر کھیتی کیا رکھیے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ حالت شمالی ریگستانوں میں نہیں ہے وہاں عموماً مقررہ موسم پر مینہ برستا ہے

مکّے کی حکومت

وہابیوں اور مصریوں کی فتوحات سے قبل مکہ، طائف، قنفذہ اور ینبوع شریف مکہ کے زیر حکومت تھے جس نے جدے پر بھی اپنا سکہ بٹھا رکھا تھا۔ اگرچہ جدہ برائے نام شریف کی عملداری سے علیٰحدہ کر لیا گیا تھا اور ایک پاشا کے زیر حکومت تھا جس کو باب عالی نے اسلئے بھیجا تھا کہ شہر کا پورا مالک بنا رہے اور جو کچھ یہاں کی آمدنی ہو اس کو اپنے اور شریف کے درمیان تقسیم کرے۔ مگر شریف نے اپنے ذاتی اثر سے یہاں اپنا اقتدار اور قوت بہت بڑہالی تھی قسطنطنیہ سے شریف کے لئے وظیفہ آتا تھا اور ترکی دربار میں اس کا مرتبہ اول نمبر کے پاشاؤں میں شمار ہوتا تھا۔ جب جدے کے پاشا کی قوت برائے نام رہگئی اور باب عالی حجاز میں اپنا زور قائم رکھنے کے لئے قافلے کے ساتھ فوجیں نہ بھیج سکا تو شریف مکہ خود مختار ہو گئے اور باب عالی نے کسی حکم کی پروا نہ کرنے لگے۔ گو اب بھی اپنے تئیں وہ سلطان کا ملازم کہتے تھے۔ سالانہ وظیفہ انکو برابر ملتا رہتا تھا۔ قسطنطنیہ سے جو قاضی آتا تھا اسکو سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے اور بیت اللہ میں خطبہ بھی سلطان ہی کے نام کا پڑھا جاتا تھا مگر تھے خود مختار دلمیں جو آتا تھا کرتے تھے۔ ابن علی نے ترکوں کی گئی ہوئی قوت حجاز میں پھر جما دی۔ شریف کی تمام قوت کو توڑ ڈالا ہے۔ اور موجود شریف یحیےٰ کو برائے نام حکومت کی اجازت دیدی ہے۔

شریف قبائل سادات میں سے جو حجاز میں بستے تھے انتخاب کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ کسی زمانہ میں یہاں بشمار تھے لیکن اب مکے میں گنتی کے خاندان رہگئے ہیں۔ آخری صدی تک جانشینی کا حق دوی برکات (ذوی - ابل) کو تھا جو برکات ابن سید حسن عجلان کی نسل سے ہیں جو ۸۲۹ھ میں اپنے باپ کا جانشین ہوا وہ شریفوں کے قبیلہ قتادہ سے تھا یہ قبیلہ ینبوع النخیل کے پاس وادی علقمی میں

آباد تھا۔ ماں کی طرف سے اسکا سلسلہ بنی ھاشم تک پہنچتا تھا۔ یہ سنہ ۶۰۰ ہجری میں آخری ہاشمی کی وفات کے بعد جسے مقلدر کہتے تھے حکومت سے محروم کر دیا گیا تھا۔

گزشتہ صدی میں ذوی برکات اپنے حریف قبیلوں سے جنگ کرتے رہے اور آخر میں انہوں نے ذوی زیود کی اطاعت اختیار کر لی اسی قبیلے سے موجودہ شریف ہے۔ قبیلہ برکات کے بہت سے لوگ جلاوطن ہو گئے اور بہت سے حجاز کی زرخیز وادی میں اور علاقہ یمن میں سکونت پذیر ہو گئے۔

حاکم مکہ کی جانشینی بدویوں کے شیخوں کے مثل وراثت سے نہیں ہوتی تھی بلکہ جسکی لاٹھی اسکی بھینس کا مضمون تھا۔ جب تک کسی قبیلے میں قوت رہتی تھی اسوقت تک حکومت بھی رہتی تھی شریف کے مرنے کے بعد اُسکا بیٹا۔ بھتیجا یا اور کوئی رشتہ دار جسکی جماعت سب سے زائد قوی ہوتی تھی یا جسکے لئے غلبہ آراء ہو جاتا تھا وہ جانشین کر دیا جاتا تھا۔ جانشینی کے وقت نہ کوئی بڑی تقریب ہوتی تھی اور نہ بیعت لیجاتی تھی مکے والے نئے شریف کے سلام کو جایا کرتے تھے اسکے دروازے پر نوبت باجا بجا کرتا تھا جو سلطنت کی ایک شان سمجھا جاتا ہے اور اسکا نام عام دعاؤں اور خطبے میں داخل ہو جاتا تھا اگرچہ شریف کی جانشینی بغیر جھگڑے فساد کے شاذ و نادر ہی ہوا کرتی تھی۔ گر عموماً خون خرابے کم ہوتے تھے۔ اور اگرچہ بعض اوقات بڑی بے رحمیاں ظہور میں آ جاتی تھیں لیکن ہمیشہ قسم اور آبرو کا پاس کیا جاتا تھا۔ صلح ہو جانے کے بعد وہ فریق جو اطاعت قبول کر لیا کرتا تھا شہر میں ہی رہا کرتا تھا۔ نہ وہ فاتح کے دربار میں جاتا تھا اور نہ اُس سے کچھ ڈرتا تھا۔ لڑائی کے زمانے میں بھی آداب مہمان نوازی کا اتنا ہی لحاظ کیا جاتا تھا جیسا کہ ریگستانوں میں ہوتا ہے۔ دخیل یا پناہ گزیں کی ہمیشہ حرمت کیجاتی تھی اور دونوں فریقوں کے مقتولوں کے رشتہ داروں کو خون بہا دلا دیا جاتا تھا۔ حکمراں کے مخالف ہمیشہ کوئی نہ کوئی پارٹی رہا کرتی تھی لیکن یہ مخالفت حکمراں کی ذات سے ہی ہوتی تھی اور اسکی حکومت کے خلاف کھلم کھلا کبھی کوئی کوشش نہیں کیجاتی تھی۔

شریفوں کی قوت شریف سرور کے زمانہ میں بہت ٹوٹ گئی تھی انہوں نے ۱۷۷۳ء سے ۱۷۸۶ء تک حکومت کی۔ آخر زمانے میں غالب نے وہ زور و شور سے حکومت کی کہ اسکے مورثوں کو بھی نصیب نہ ہوئی تھی اسکو اپنے رشتہ داروں سے اکثر لڑنا ہی پڑا۔

شریف کا دربار ایک چھوٹا سا بالکل سیدھا سادہ دربار ہوتا تھا اُس کا خطاب نہ سلطان تھا نہ سلطان شریف نہ صاحب جیسا کہ علی بے کہتا ہے۔ البتہ اسکی رعایا سیدنا کہکر اسکو مخاطب کرتی تھی۔ جو سب بادشاہ کو

کہا جاتا ہے۔ شریف اور اسکی رعایا میں کچھ اتنا بڑا فرق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس تک کسی کی رسائی نہو سکے ضرورت کے وقت رعیت اسکے پاس جاتی تھی بالراست اپنی شکایتیں اور تکلیفیں اس سے بیان کرتی تھی اور عزت و جرأت کے ساتھ عرض و معروض کر سکتی تھی۔

حکمران شریف اپنے پاس کوئی باقاعدہ بڑی فوج بھی نہیں رکھتا تھا لیکن لڑائی کے وقت اپنے طرفداروں اور حمایتیوں کو اکٹھا کر لیتا تھا۔

مکے کی موجودہ تاریخ کی نسبت جو کچھ معلومات مینے حاصل کی ہے وہ اب لکھتا ہوں۔

سنہ ۱۷۵۰ء میں شریف **ساعد** مکے کا حاکم مقرر ہوا اور بیس برس تک حکمراں رہا۔ دوسرے شریف اکثر اس سے جنگ میں مصروف رہے۔ اس نے مصر کے گورنر **علی بدبک** سے کچھ بگاڑ کر لیا تھا اس لئے اس نے اپنے غلام **ابو وہاب** کو ایک بڑی فوج کے ساتھ امیر الحاج مقرر کرکے مکے بھیجا تاکہ ساعد کی سرکوبی کرے مگر شریف اسکے پہنچنے سے چند روز قبل مر گیا تھا۔

سنہ ۱۷۶۹ یا ۱۷۷۰ء میں **حسین** نامی ایک شخص نے جو اسی قبیلہ کا تھا علم شرافت بلند کیا اور ابو وہاب کی مدد سے شریف مقرر ہوا اسنے سنہ ۱۷۷۳ء یا ۱۷۷۴ء تک حکومت کی آخر اس کو عبد اللہ اعذ کے بیٹے سرور نے ایک لڑائی میں قتل کیا۔

شریف سرور

مکے والے سرور کا نام اب بھی بڑی عزت سے لیتے ہیں انہے تیرہ چودہ برس حکومت کی یہ پہلا شخص تھا جس نے شریفوں کا غرور و تمکنت بالائے طاق رکھکر شہر میں پوری طرح انصاف قایم کیا۔ اس سے قبل ہر شریف کے ہاں تیس چالیس مسلح غلام رہتے تھے۔ رشتہ دار اور طاقتور بدوی دوست انکے علاوہ ہوتے تھے۔ ان غلاموں کو سوائے سپہگری کے اور کوئی فن نہیں آتا تھا۔ انکی گذر معاش کے تین چار ذریعے تھے۔ بدویوں کی مویشی پکڑ لیجاتے تھے۔ اس حصے پر گزران کرتے تھے جو قافلے کے ساتھ آیا کرتا تھا۔ حاجیوں سے نذرانے لیتے تھے اور اپنے ماتحتوں سے خراج وصول کرتے تھے بعض شریفوں کے اور بھی کچھ آمدنی کے ذریعے تھے۔ مثلاً تجارتی مال کے جہازوں پر انہوں نے محصول لگا دیا تھا کروڑگیری کا محصول مقرر کر رکھا تھا جو جدے کے دروازے پر وصول کیا جاتا تھا اور ایرانی حاجیوں پر ٹکس لگا دیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ شہر میں انکا چال چلن نہایت ہی وحشیانہ تھا۔ شریف کے حکم کی یہ پروا نہ کرتے تھے۔ ہر شخص اپنی دولت بڑھانے کے لئے اپنی قوت کام میں لاتا تھا۔ انمیں خانہ جنگیاں بھی اکثر ہوا کرتی تھیں بعض اوقات

مدینہ ومکہ وجدہ کے درمیان حاجیوں کے چھوٹے موٹے قافلے لوٹ بھی لیتے تھے اور جو کوئی مقابلہ کرتا اس کو۔۔۔
قتل بھی کر ڈالتے تھے۔ آخر بڑے جھگڑوں کے بعد سُرور کو کامیابی حاصل ہوئی اور شریفوں کو فرمانبرداری پر
مجبور کر دیا اس نے مکے والوں کے ساتھ ایسا اچھا برتاؤ کیا کہ سب اس سے رضامند رہے اور اسکی عقلمندی و فیاضی
کے ابتک ثناخواں ہیں وہ اکثر دشمنوں کے ساتھ بھی صلح کر لیا کرتا تھا ایک مرتبہ چند آدمیوں نے یہ سازش کی کہ طواف
کے وقت اس کو قتل کر ڈالیں۔ اس سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا مگر اس نے ملزموں کو صرف جلاوطن کر دیا اور کچھ سزا نہ دی

اس نے مکہ کا بڑا قلعہ مستحکم کیا اور غلاموں اور بدویوں کی ایک مسلح فوج اسمیں رکھی جسکے اخراجات وہ
اپنی تجارت کی آمدنی سے ادا کرتا تھا۔ یمن سے اسکی تجارت بھی بہت چلتی تھی آخر میں اس نے اُن شریف خاندانوں
کو جو یہاں سب سے زیادہ طاقتور تھے ملک چھوڑنے پر مجبور کیا جو یمن میں پناہ گزین ہو گئے بہت سے شریف لڑائیوں
میں بھی مارے گئے بعض جلاد کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ ان خانہ جنگیوں سے فراغت ہو کر یہ ورانتظام ملک کی طرف
متوجہ ہوا اور ایسے ایسے کام کئے جو اسکی دانائی اور فیاضی کی یادگار ہیں۔ یہودیوں نے جدے میں اپنی
دلالی، دغا بازی سے بڑی دولت پیدا کی تھی اس نے انکو شہر بدر کر دیا۔ حجاز میں آمدورفت کے لئے
حاجیوں کی حفاظت کی اور چنگی وغیرہ کے محصولوں کو باضابطہ بنا دیا۔ جب وہ مرا تو تمام مکے والے اسکے جنازے
کے ساتھ ساتھ قبرستان تک گئے۔ مکے والے اس کو ولی سمجھتے ہیں۔ اور وہابی بھی اس کا نام ادب سے
لیتے ہیں۔

شریف غالب [illegible]ء یا [illegible]ء میں سُرور کی وفات کے بعد اسکا ایک بھائی عبدالمعین اسکا جانشین ہوا
لیکن چار پانچ دن کے بعد اسکا چھوٹا بھائی غالب جو سرور کے زمانے میں بڑے بڑے تجربے حاصل کر چکا تھا
اور رعایا میں بہت ہر دلعزیز ہو گیا تھا اور عبدالمعین سے زائد ہوشیار اور چال باز بھی تھا اس کو ہٹا کر خود شریف
بن گیا شروع شروع میں چند سال تک غالب سرور کے طاقتور غلاموں اور خواجہ سراؤں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی
بنا رہا اور ہر ہی ظلم و جبر کے طریقے اختیار کئے جو اگلے شریفوں نے کئے تھے لیکن تھوڑے ہی دنوں میں غالب نے
اپنے تئیں انکے اثر سے آزاد کر لیا اور حجاز پر وہ حکومت حاصل کی جو اسکے مورثوں کو نصیب نہیں ہوئی تھی آخر
وہابیوں کی لڑائی اور محمد علی کی دغابازی نے اسکی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔
غالب کی حکومت بہ نسبت سُرور کے زیادہ نرم تھی لیکن اسکے زمانے میں اتنا انصاف نہ تھا۔ بہت کم آدمی
اسکے حکم سے قتل کئے گئے اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ لالچی تھا اور اکثر ملزموں کو بڑے بڑے جرمانے لیکر چھوڑ دیتا تھا

وہابیوں کیا تھا جب یہ جنگ میں مصروف تھا تو سرور کے چھوٹے لڑکے عبداللہ ابن سرور اور سید ابن سرور نے بہت کوشش کی کہ حکومت اپنے چچا سے چھین لیں مگر ناکام رہے۔ جب غالب نے انکو منا لیا تو وہ جب چچا پہنچے تو لوٹ گئے اور محمد علی کے پہنچنے تک وہاں رہے۔ محمد علی نے غالب کیساتھ عبداللہ کو بھی قید کر کے قاہرہ بھیج دیا تھا مگر پاشا علی نے عبداللہ کی رہائی کا حکم دیدیا۔ عبداللہ ایک مرتبہ غالب کے خلاف سلطان سے مدد مانگنے کے لئے قسطنطنیہ بھی گیا تھا۔ محمد علی نے ۱۸۱۴ء میں عبداللہ کے بھائی یحییٰ کو شریف کیا اور اب اس وقت بھی شریف مکہ ہے۔ مکے میں جو کچھ اسکی عزت ہے وہ محض اس معزز خدمت کے باعث ہے ورنہ محمد علی نے تو تمام آمدنیوں پر قبضہ کر کے اسکی ماہانہ تنخواہ مقرر کر دی ہے جسکی مقدار کوئی پچاس تھیلیاں یا ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ ہوتی ہے۔ اس رقم سے شریف کے خاندان اور اس کی فوج کی گزر چلتی ہے۔ شریف کے خاندان کے بعض آدمی مختلف خدمتوں پر بھی مامور ہیں۔

غالب، مکہ، طائف، جدہ، ینبوع میں اپنے وزیر رکھا کرتا تھا جن کو حاکم کہا کرتے تھے علاوہ انکے خزانہ دار، مہر دار، اسلحہ دار وغیرہ بعض و تہ افسر بھی رہتے تھے۔

غالب کے خانگی ملازموں میں کوئی پانچ سو آدمی تھے۔ اتنے ہی غلام اور خوجے تھے بیویوں کے سوا انکی پچیس تیس حبشی خواصیں تھیں اور ان سے دوگنی مامائیں اونائیں اور اصیلیں ہونگی۔

اسکے اصطبل میں تیس چالیس اعلیٰ درجہ کے گھوڑے ہوں گے اور کوئی چھ خچر اور اتنی ہی سانڈنیاں

شریف یحییٰ کا لباس ویسا ہی ہے جیسا مکے کے عام شریفوں کا۔ وہ عموماً ہندوستانی ریشمی کپڑے کا جبہ پہنتا ہے اور اوپر سے حسما کے نہایت عمدہ کپڑے کی عبا ڈال لیتا ہے۔ سر پر کشمیری شال اور زرد سلیپر یا نعلین پاؤں میں۔ میں نے کسی بھی شریف کو سبز عمامہ باندھے نہیں دیکھا جو لوگ سرکاری ملازمت کرتے ہیں یا ہتھیار لگاتے ہیں وہ عموماً رنگین کشمیری شال باندھتے ہیں اور مکے والے صرف انہیں کو شریف کہتے ہیں جو لوگ خانگی زندگی بسر کرتے ہیں یا جو فقیہ ہیں یا مسجد میں ملازم ہیں وہ اپنی ٹوپیوں پر ململ کا ایک چھوٹا سا رومال لپیٹ لیتے ہیں مگر شریفوں کی ایک پہچان ہے وہ یہ کہ سبز رنگ کی ٹوپی پہنتے ہیں جسکے گرد سفید رومال لپیٹتے ہیں۔ شریفوں کا لباس

جب شریف گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا ہے تو اسکے ہاتھ میں ایک پتلی چھڑی سی چھڑی رہتی ہے جسے مطرق کہتے ہیں اور جو بعض اوقات بدوی بھی اونٹ ہانکنے کے لئے رکھتے ہیں۔

شریف کے ساتھ ایک سوار رہتا ہے جو اسکے سر پر ریشمی جھالر کا چتر لگائے چلتا ہے۔ صرف یہی ایک شاہی علامت بنی ہے جس سے شریف کی شناخت ہوتی ہے لیکن یہ بھی اسوقت ہوتا ہے جب خاص طور پر سواری نکلتی ہے ۔۔۔ عام طور پر جب شریف گلیوں میں پیدل چلتا ہے تو چتر بھی نہیں رہتا۔

چونکہ کعبے کے سامنے گھوڑے پر سوار چلنا خلاف ادب ہے اسوجہ سے وہابیوں نے اس کو مجبور کیا تھا کہ بیت اللہ میں وہ پیدل جایا کرے اور اس چھتری کو بالکل طاق رکھے۔

جب غالب کو مکے میں پوری قوت حاصل تھی تو اس نے ان پاشاؤں کو جو امیر الحاج مقرر ہو کر آتے تھے اس امر پر مجبور کر دیا تھا کہ ہر موقعے پر اسکے اعزاز و صدارت کا خیال رکھا جائے اور تمام حجاز میں ..... یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ شریف کا مرتبہ باب عالی کے تمام افسروں سے بالاتر ہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں سلطان بھی انتہائے ادب سے کھڑے ہو کر اس کو سلام کرتا ہے۔

میں پیشتر اس عطیے کا ذکر کر چکا ہوں جو شریف کے لئے سالانہ آتا ہے۔

حسب رواج قدیم قافلہ کے آنے پر شریف پہلے پاشا یا امیر الحاج سے ملاقات کرتا ہے اس کے بعد پاشا شریف سے باز دید کرتا ہے اور شریف اس کو ایک نہایت عمدہ آراستہ زرق برق گھوڑا دیتا ہے۔ وادی منیٰ میں قافلہ لوٹنے کے بعد پاشا پہلے روز شریف کو اسی قسم کا گھوڑا دیتا ہے اور وہ دونوں منیٰ میں ایک دوسرے کے خیموں میں ملاقات کرتے ہیں مکے سے جب کاروان روانہ ہونے کو ہوتا ہے تو شریف دوسری مرتبہ پاشا سے ملاقات کرتا ہے اور ایک گھوڑا نذر دیتا ہے۔ یہ ملاقات پاشا کے ڈیرے میں جو شہر سے باہر نصب کیا جاتا ہے ہوتی ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ شریف حجاز کے تمام بدوی قبائل کو اپنے زیر اثر رکھتا ہے اور شریف و باب عالی کے رجسٹر میں انکا نام درج ہے کہ وہ شریف و سلطان کی فرمانبردار رعایا ہیں۔ یہ بدوی شریف کی اسکے خدم و حشم کے ساتھ ویسے ہی عزت کرتے ہیں جیسی کہ اپنے شیخوں کی اور تمام قانون جو ریگستان میں رائج ہیں وہ شریف کیساتھ بھی مرعی رکھا جاتا ہے۔

وہابیوں کی جنگ کیوقت آخری حملے میں غالب کے جھنڈے تلے سات آٹھ ہزار بدوی اکٹھے ہو گئے تھے حالانکہ انکو اپنی خدمتوں کا صلہ ملنے کی بھی کوئی امید نہ تھی انکو محض اپنے سردار کا ساتھ دینا منظور تھا یہ تعلق غالب نے انکو نذرانے دے دے کر پیدا کر لیا تھا۔

جو لوگ ریگستان کے قواعد سے ناواقف ہیں انکو مکے کی حکومت عجیب معلوم ہوگی۔ لیکن جب یہ [illegible] جائے کہ شریف انکا سردار ہے اور گو بظاہر اُس نے ترکی گورنر کا جامہ پہن لیا ہے مگر اصل میں وہ اپنی قوم کے تمام [illegible] رواج کا سختی سے پابند ہے تو پھر کچھ حیرت نہ ہوگی۔ زمانہ قدیم میں شریف خاندانوں کے مہ خیل مکے میں وہی اختیارات رکھتے تھے جو بدویوں کے خیموں میں شیوخ رکھتے ہیں۔

اولاد شرفا کی ریگستان میں پرورش

شریف یا آنحضرت کی اولاد جو مکے میں یا اسکے نواح میں رہتے ہیں اور جن کو [illegible] کا شوق ہے اور جو اکثر خانہ جنگیوں میں مشغول رہتے ہیں انکی عادت ہے کہ اپنے لڑکوں کو پیدا ہونے کے آٹھویں دن پڑوس کے بدویوں کے کسی خیمے میں بھیج دیتے ہیں وہاں وہ [illegible] کے بچوں کے ساتھ ملیا رہتا ہے [illegible] برس تک [illegible] تک جبکہ وہ گھوڑے پر چڑھنے کے قابل ہوتا [illegible] بدویوں کی طرح پرورش پاتا [illegible] پھر اُسے واپس لیجاتا ہے اس تمام مدت میں [illegible] والدین کو کبھی نہیں دیکھتا اور [illegible] یعنے بچہ جب چھ مہینے کا ہوجاتا ہے تو اسکی [illegible] تھوڑی دیر کے لئے [illegible] ملانے [illegible] فوراً اسے لیکر اپنی قوم میں واپس آجاتی ہے۔

پیدا ہونے کے بعد تیرہ دن سے زائد کسی حالت میں بھی بچہ اپنی ماں کے پاس نہیں رہتا اور بدویوں میں بعض اوقات پندرہ پندرہ برس تک بھی لڑکا رکھا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے وہ بدویوں کی زندگی کے تمام نشیب و فراز اور سختیوں کا عادی ہوجاتا ہے۔ ہر قسم کی تکلیف کی اسکے جسم کو عادت ہوجاتی ہے۔ اسکو بدویوں کی سی خالص زبان بھی آجاتی ہے اور بدویوں میں اسکا ایک ایسا اثر قایم ہوجاتا ہے جو [illegible] کے لئے آگے چلکر بہت کارآمد ہوتا ہے۔

امیر سے لیکر غریب سے غریب بھی کوئی ایسا شریف نہیں ہے جس نے بدویوں میں پرورش نہ پائی ہو اور بہت سوں کی تو شادیاں بھی بدوی لڑکیوں کے ساتھ ہی ہوئی ہیں۔ موجودہ حکمران شریف کے خاندان کے لڑکے عموماً قبیلہ عدوان میں تربیت پاتے تھے یہ قبیلہ اپنی بڑی تعداد اور مہمانداری کی وجہ سے مشہور تھا۔ مگر شریف کی خانہ جنگیوں اور محمد علی کے حملے سے جسمیں یہ قبیلہ شریف کا ساتھ دیتا رہا آخر اسقدر گھٹ گیا حجاز کی سرحد چھوڑکر اُسے مشرقی میدان میں پناہ لینی پڑی۔

عثمان مضایقی وہابیوں کا مشہور سردار جسے حجاز فتح کرنے کے لئے سعود نے ایک خاص وزیر بنا کر ملازم رکھا تھا قبیلہ عدوان ہی کا ایک شیخ تھا اور شریف غالب نے اسکی بہن سے شادی کرلی تھی۔

دوسرے، شریف اپنے بچوں کو حضیل۔ ثقیف۔ بنی سعد وغیرہ قبائل میں بھیجتے ہیں اور بعض قبیلۂ قریش اور بنی حرب میں۔

جن بدویوں کے خیمے میں کوئی شریف پرورش پاتا ہے بڑا ہو کر وہ ان بدویوں کے ساتھ ویسا ہی عزت کا برتاؤ کرتا ہے جیسے کوئی اپنے باپ بھائی کے ساتھ کرتا ہے وہ ان کو باپ۔ ماں۔ بھائی۔ بہن کے رشتہ سے پکارتا ہے اور وہ بھی اسی طرح اُس کو بیٹا وغیرہ کہکر بولتے ہیں جب کبھی وہ لوگ شہر میں آتے ہیں تو اپنے پروردہ کے مکان میں ٹھیرتے ہیں اور بغیر عمدہ عمدہ نذرانے دئے ہوئے کبھی خالی ہاتھ انکو رخصت نہیں کیا جاتا اپنی پرورش کے زمانے میں لڑکا بدوی قبیلے کے دور کے رشتہ داروں کو بھی ارحم کے لفظ سے پکارتا ہے جس سے وہ بھی اسکے ساتھ محبت اور توجہ سے پیش آنے لگتے ہیں اور بڑا ہو کر وہ بچہ بھی ان خیمے والوں سے جہاں اُس کا بچپن گزرا ہے خصوصیت رکھتا ہے اور انکو ہمارے آدمی ہمارا خاندان بولتا ہے انکی خوشی و غمی سے تعلق رکھتا ہے اور جب کبھی فرصت ملتی ہے تو اُن سے ملنے بھی چلا جاتا ہے خصوصاً موسم بہار میں۔ اور بعض وقت انکی خانہ بدوشانہ سیر و سیاحت اور لڑائی جھگڑوں میں بھی شریک رہتا ہے۔

شریف غالب ہمیشہ اپنے بدوی پرورش کنندہ والدین سے بہت خصوصیت ظاہر کیا کرتا تھا اگرچہ وہ لوگ لباس میں ریگستان کے ادنیٰ درجے کے لوگوں سے کچھ بہتر نہ ہوتے تھے مگر جب وہ آتے تو یہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوتا اور اُن سے بغلگیر ہوتا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شریفوں کے لڑکے گھر آنے کے بعد بڑی مشکل سے اپنے اصلی والدین سے مانوس ہوتے ہیں ورنہ اکثر بھاگ کر ریگستان کے اُن بدویوں سے جا ملتے ہیں جو انکے بچپن کے دوست ہوتے ہیں۔

یہ رسم جسکا میں نے ذکر کیا عرب میں بہت قدیم ہے آنحضرت صلعم نے بھی بدویوں میں پرورش پائی تھی اور اسکی نظیر اسوقت مکے والے دیتے ہیں جب وہ شریفوں کی اس رسم کا ذکر کرتے ہیں۔ (گویا سنت کی پیروی ہے) لیکن عرب میں صرف شریف ہی ایسے لوگ ہیں جن میں یہ رسم اب تک جاری ہے۔

بدوی جن کو موالی کہتے ہیں اور جو کسی زمانے میں بڑی قوم تھی اور جو اب حلب کے قریب چراگاہوں میں اپنے مویشی کو چراتی ہوئی دکھائی دیتی ہے ان میں بھی اسی قسم کی ایک رسم ہے ان کا یہ طریقہ ہے کہ اس قبیلہ کے شیخ کا لڑکا بڑے ہوئے تک اسی قبیلے کے کسی اور شخص کے ہاں تربیت پاتا ہے لڑکا اپنے استاد کو مربی کہتا ہے اور تمام عمر اس کا ادب لحاظ کرتا ہے۔

شریف اس رسم سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں ریگستان میں رہنے سے انکے جسم میں نہ صرف صحت جسمانی و طاقت ہی نہیں آجاتی بلکہ جرأت وہمت آزادی و بہادری بھی جو ریگستان کے باشندوں کی خصلتیں ہیں انمیں پیدا ہو جاتی ہیں علاوہ اسکے خوش اخلاقی و مہمان نوازی کا خیال بھی انکے دل میں اسقدر جم جاتا ہے کہ اگر وہ مکے میں پرورش پائیں تو اتنے خلیق و مہمان نواز نہیں ہو سکتے۔

مینے مکے میں کچھ زائد شریف نہیں دیکھے آجکل بہت کم رہگئے تھے بعض تو محمد علی کی فوج میں بطور رہنماؤں کے ملازم ہوگئے تھے۔ بعض محمد علی کے حکم سے بدویوں کے چھوٹے چھوٹے دستوں میں جو شریف مرضا کے زیر کمان تھے مخلوط ہوگئے تھے۔ کچھ شریف یحییٰ کے ملازم تھے اور کچھ غالب کی قید کے بعد یمن چلے گئے تھے جن شریفوں سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا مینے انکو مردانہ وار چہروں اور شریفانہ حرکات و سکنات سے پہچان لیا۔ انمیں بدویوں کی سے تمام صفات آزادی بہادری صاف دلی سب موجود تھے اور کھرے دوست اور پکے دشمن ہونے کی کل صفتیں انمیں پائی جاتی تھیں۔ مینے شریف رضا سے بڑھکر کوئی خوبصورت نہیں دیکھا۔ اسکی بہادری کے واقعات مینے اپنی تاریخ "محمد علی کی مہم" میں درج کئے ہیں اور اس کا وہ مرتبہ قرار دیا ہے کہ گویا ہزاروں میں ایک ہے۔

موجودہ شریف یحییٰ کا رنگ مثل اسکے باپ کے بہت ہی کالا ہے اسکی ماں ایک حبشی لونڈی تھی مکے والے شریفوں کو ایماندار نہیں سمجھتے اور ممکن ہے کہ زمانے کے انقلابات کے باعث انہوں نے بے ایمانی پر کمر باندھ لی ہو مگر بدویوں کی تعلیم نے ان کو بہت سی باتوں میں عام مکے والوں سے بہتر بنا دیا ہے۔

شریفوں میں یہ دستور ہے کہ حکمران شریف کی بیٹی کی شادی نہیں ہوتی۔ لڑکے اپنے دوستوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتے رہتے ہیں مگر بدنصیب لڑکیاں اپنے باپ کے مکان میں بند رہتی ہیں۔ مینے شریف غالب کے ایک لڑکے کو دیکھا اسوقت اسکا باپ سالونیکا میں جلاوطن تھا۔ یہ لڑکا اپنے دروازے کے سامنے کھیل رہا تھا۔ لیکن مینے سنا کہ حکمران شریف کے لڑکے جب صحرا سے واپس آجاتے ہیں اور مردانہ طور پر باہر نکلنے کے قابل اچھے خاصے بڑے ہو جاتے ہیں تو بھی مکان کے اندر رکھے جاتے ہیں اور صرف خاندان کے لوگ ہی ان کو دیکھ سکتے ہیں پہلے پہل جب وہ اپنے باپ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکل آتے ہیں تو اس وقت سے وہ بڑے سمجھے جانے لگتے ہیں اور اس کے بعد ہی انکی شادی ہو جاتی ہے اور پھر دنیا کے دھندوں میں پڑ جاتے ہیں۔ مکے کے بہت سے شریف اور خصوصاً وہ جو حکمران قبیلے کے ہیں وہ دوی زید ہیں اور انکی نسبت مسلمان ہونے میں لوگوں کو سخت شبہ ہے کیونکہ یہ زیود سے تعلق رکھتے ہیں یعنے حضرت زید کے پیرو ہیں۔ یہ ایک فرقہ ہے

جیسے تابع ہوتے ہیں ظاہر ہوتا ہے۔ پر یہ لوگ ظاہر طریقے سے اسکا اظہار نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے تئیں امام شافعی کا مقلد بتاتے ہیں جو اکثر مکے والوں کا طریقہ ہے لیکن وہ شریف جو کہیں باہر رہتے ہیں وہ اس سے انکار نہیں کرتے اور جب کبھی سنی شافعی مذہب سنیوں اور زیدیوں میں بحث ہو جاتی ہے تو شریفوں کا رجحان زیدی کی طرف ہوتا ہے۔

یہ بیان ہے کہ زیدیوں کے کئی فرقے ہیں۔ جو مکہ و یمن میں رہتے ہیں وہ اپنے مذہب کا بانی امام الہادی الحق یحییٰ ابن الحسین کو بتاتے ہیں جن کا سلسلہ نسب حسن ابن علیؓ تک پہنچتا ہے۔ یہ بزرگ ۲۴۵ھ میں مقام راس صعدہ میں پیدا ہوئے تھے۔ پہلے پہل انہوں نے ۲۸۰ھ میں صعدا واقع یمن میں امامت کا دعوے کیا اور عباسیوں سے لڑ کر صنعا فتح کر لیا مگر یہاں سے آخر میں نکال دیئے گئے۔ پھر قرامطہ پر حملہ کیا اور ۲۹۸ھ میں صعدا میں انکو کسی نے زہر سے ہلاک کیا۔

بعض لوگ فرقہ زیدیہ کا بانی حضرت زید ابن علی زین العابدین ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابو طالب کو بتاتے ہیں جن کو خلیفہ ہشام کی جماعت نے ۱۲۱ھ میں کوفے میں قتل کیا۔

زیدی مذہب والے حضرت علیؑ کی بڑی تعظیم کرتے ہیں لیکن وہ ایرانیوں کی طرح خلیفہ اول و دوم پر تبرا نہیں بھیجتے۔ یہ لوگ بارہ اماموں کے سلسلہ جانشینی کے متعلق اگرچہ سنیوں سے مختلف ہیں مگر دوسرے عقائد میں بہ نسبت ایرانیوں کے سنیوں سے زیادہ ملتے ہوئے ہیں۔

یمن کے زیدی جن سے خود امام صنعاء بھی تعلق رکھتا ہے اپنے طریق کو پانچواں طریق سمجھتے ہیں یعنے حنفی۔ شافعی۔ مالکی و حنبلی کے بعد اپنے تئیں پانچویں سواروں میں گنتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اہل الخمس یعنے پانچویں مذہب والے کہلاتے ہیں۔ یمن میں یہ علانیہ اپنے عقائد ظاہر کرتے ہیں لیکن مکے میں چھپاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ انکے مذہب کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ نماز میں سوائے آیات قرآنی کے یا اُن جملوں کے جو قرآن کے فقروں سے مرکب ہوں ایک فقرہ بھی ایسا نہیں پڑھتے جو قرآن میں موجود نہ ہو۔

مکے والے زیدیوں کو کافر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بھی مثل ایرانیوں کے آنحضرت کے خلفاء کو برا کہتے ہیں۔ یمن کے زیدیوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اظہار نفرت کی غرض سے امیر معاویہ کا نام اپنے ہاں پاخانوں میں لکھتے ہیں لیکن ایسے عقائد کھلم کھلا نہیں بیان کئے جاتے اور بظاہر تو شریف سنیوں کے تمام اصول سے متفق ہیں باطن میں خواہ کچھ ہی عقیدہ رکھتے ہوں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ سلطنت عثمانیہ کے دستور کے مطابق قاضی قسطنطنیہ سے ہر سال مکے بھیجا جاتا ہے یہ طریقہ اگلے سلاطین نے رائج کیا تھا جن کا یہ خیال تھا کہ

حاکم صوبہ کو عدالتی اختیارات نہ دینے چاہئیں اور اسکے واسطے سال بسال قسطنطنیہ سے ایک عالم بھیجا جائے جو گورنر کا بالکل ماتحت نہو اور خود مختار رہے بلا رو و رعایت عدل و انصاف کو مدنظر رکھکر مقدمات فیصل کرے اور اسی وجہ سے قاضی کو ایک جگہ زیادہ عرصے تک رکھتے بھی نہ تھے تاکہ وہاں والوں سے خلا ملا ہو کر ناانصافی کی حرکات اس سے ظاہر نہوں۔

پیشتر قاضی مکہ بھی شریف کے ہاتھ میں بالکل کٹھ پتلی بنگیا تھا اور تمام مقدمے شریف کے اجلاس ہی میں پیش ہونے لگ گئے تھے قاضی صرف [illegible] گزارا کرتا تھا۔ محمد علی کی فتوحات کے بعد شریف زور گھٹ گیا اور قاضی کی قوت پھر لوٹ آئی۔ [illegible] قانونی مقدمات محکمہ قضا میں پیش ہوتے تھے محمد علی نے [illegible] قاضی کے اختیارات [illegible] تھا اسکو عربوں کی تالیف قلوب منظور تھی اور اس وجہ سے خود قاضی کو بھی عدل و انصاف سے کام [illegible] کے لیے اُس نے سخت حکم دے رکھا تھا۔ قاضی مکہ جدہ و طائف کے عدالتوں میں فصل خصومات کے لیے [illegible] مقرر کرتا تھا اور اس خدمت پر عرب مقرر کئے جاتے تھے ترک نہیں رکھے جاتے تھے بڑے بڑے مقدمات میں [illegible] مذہب کے مفتیوں سے بھی فتوی لے لیا جاتا ہے۔ سوائے محصول گرد گیر کے مکے والوں کو اور کسی قسم کا [illegible] یا آدمیوں پر یا املاک پر نہیں دینا پڑتا۔

عدالتہ

حنفی شافعی
مالکی حنبلی

جبتک [illegible] قسطنطنیہ سے آتا ہے اسمیں سے ایک بڑا حصہ شریف اپنے خزانے کے لیے لیتا تھا اور یہ بھی [illegible] باقاعدہ طور پر بھی ان نذرانوں میں بھی حصہ لگاتا تھا جو سجدہ چڑھائے جاتے ہیں [illegible] آمدنی ابھی نوریتی توت کے زمانے میں باون لاکھ پچاس ہزار تھی لیکن جب وہابیوں نے حجاز پر قبضہ کر لیا تو [illegible] نہ رہی۔ صلح کے زمانے میں شریف کوئی پانسو آدمیوں کی ایک مستقل فوج بھی رکھتا تھا جسمیں سے ایک سو جدہ میں رہتے تھے۔ پچاس طائف میں۔ پچاس ینبوع میں۔ اور باقی مکے میں علاوہ ان پیدلوں کے آٹھ سو سوار بھی تھے اس رسالے میں اکثر شریف کے خاندان والے اور اسکے غلام تھے مگر زیادہ تعداد بدویوں کی تھی انکی تنخواہیں بیس پچیس روپئے مہینہ تھیں۔ جب شریف کی سواری نکلتی تھی تو یہ لوگ عربوں کے طریقہ پر اچھلتے کودتے بندوقیں چلاتے اسکے آگے پیچھے چلتے تھے۔ پیدلوں کے پاس بندوق اور جمبیہ رہتا تھا اور سواروں کے پاس نیزے۔ جب لڑائی ہوتی تھی تو اور بھی بہت سے لوگ اسکے بھائی بند شریفوں اور دوستوں کی طرف سے آکر فوج میں شریک ہو جاتے تھے۔ انکو تنخواہ نہیں ملتی تھی البتہ لوٹ معاف تھی۔ بہت سے بدوی بھی ایسے ہوتے تھے جو اپنے شیخوں کے اکر شریف کے ساتھ مرجاتے تھے۔

جب وہابیوں کی جنگ شروع ہوگئی اور انہوں نے حجاز پر کامیاب حملے شروع کئے تو غالب نے اپنی مستقل فوج بڑھادی اور بہت سے بدوی بھی بھرتی کر لئے۔ اس جنگ کے زمانے میں اُسکے پاس دو تین ہزار فوج موجود تھی اتنی تعداد ان ملکوں میں شہر کے بچانے کے لئے کافی سمجھی جاتی ہے جب غالب نے وہابیوں پر حملے کا ارادہ کیا تو اُسنے بدویوں میں سے اپنے دوست جمع کئے اور اور کئی مرتبہ دس دس ہزار فوج لیکر نجد کیطرف بڑھا جب یہ دوست وہابیوں کی اطاعت کرنے پر مجبور ہوگئے اور جنوب کے بدویوں نے بھی جن پر غالب کو بڑا بھروسہ تھا عثمان مضایقی کی چالاکی اور ہوشیاری سے اطاعت قبول کرلی تو غالب اکیلا رہ گیا اور اپنی مختصر فوج سے لڑائی جاری نہ رکھ سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے علاقہ کیطرف ہٹادیا گیا۔ اور اطاعت کرنے پر مجبور ہوگیا۔ وہابیوں کی جنگ میں شرفا کو جو نقصانات برداشت کرنے پڑے انکی تعداد کثیر ہے انمیں یہ بات مشہور ہے کہ غالب نے اپنی تمام عمر کی حکومت میں بڑا خزانہ جمع کیا تھا جب محمد علی نے اُسکو گرفتار کر لیا تو مکہ و جدہ میں اسکی تمام جائداد غیر منقولہ کی مقدار ستائیس لاکھ پچاس ہزار روپیہ تخمینہ کی گئی تھی۔ اور یہ خیال کیا گیا تھا کہ اس نے اپنا خزانہ یا تو کہیں مکے کے قلعہ میں چھپادیا یا ہندوستان میں اپنے دوستوں کے پاس بھیجدیا۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنی دولت چھپانے کے یہ دونوں طریقے اختیار کئے ہوں اور اسطرح اُسمیں مشرق کے اُن خزانوں میں جو بادشاہوں یا اور لوگوں نے چھپا چھپا کر رکھے ہیں اضافہ کردیا ہو۔

مکّہ و جدّہ کی آب و ہوا

مکے کا موسم خشک و مضر صحت ہے۔ پہاڑ جو اسکی وادی کو گھیرے ہوئے ہیں وہ صاف ہوا اور خصوصًا بادِ شمال کو روکتے ہیں اور سورج کی کرنیں دگنی تیزی کے ساتھ پڑتی ہیں یہاں اگسٹ ستمبر و اکٹوبر کے مہینے میں سخت گرمی پڑتی ہے میرے قیام ستمبر کے زمانے میں لگاتار پانچ دن تک ایسی زور کی لو چلتی رہی کہ دم گھٹا جاتا تھا۔

یہاں برسات عمومًا دسمبر میں شروع ہوتی ہے لیکن مینہ غیر مسلسل برستا ہے اور پانچ پانچ چھ چھ روز کے

وقفے سے برستا ہے مگر جب پڑتا ہے جب موسلا دہار۔ مکے والے کہتے ہیں کہ جو بادل سمندر کی جانب سے آتے ہیں وہ خوب جمکر برستا ہے اور جو ابر مشرق کے اونچے پہاڑوں سے اٹھتا ہے وہ یونہی کچھ چھینٹا سا پڑ کر رہجاتا ہے مینہ کی قلت یہاں اکثر ہوتی رہتی ہے مجھ سے لوگوں نے کہا بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ متواتر چار سال تک مینہ نہ ہوتی ہو۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ آس پاس کے بدوی سب غریب ہیں قحط کے زمانے میں چارہ نہ ملنے کی وجہ سے انکے مویشی بہت مرجاتے ہیں مکے کی ہوا عموماً بہت خشک ہے یہاں جنوری کے مہینے میں چند چھینٹے پڑنے کے بعد اوس پڑنے لگتی ہے۔ جدہ کی حالت برعکس ہے وہاں اکثر تراوت کی گرمی کے دنوں میں بھی موسم میں خنکی ہوجاتی ہے یہ سمندر کے بخارات کا اثر ہے نمی کی وہاں یہ کثرت ہے کہ ستمبر کے مہینے میں جب مطلع بالکل صاف تھا اور دن میں اچھی خاصی گرمی پڑ رہی تھی دو گھنٹے کھلی ہوا میں بیٹھنے کے بعد میرا اوپر کا جبہ بالکل سیل گیا تھا۔ ستمبر و اکتوبر میں رات کے وقت اکثر اوس بھی بڑے زور سے پڑتی ہے اور صبح شام ساحل کی طرف کہرا گھر جاتا ہے گرمیوں میں ہوا عموماً مشرق و جنوب کے درمیان چلتی ہے مغرب کی طرف سے بہت کم اور شمال کی طرف سے کبھی کبھی البتہ ستمبر کے مہینے میں باقاعدہ طور پر باد شمال چلتی ہے اور جاڑوں بھر چلتی رہتی ہے۔ حجاز میں نسبت کسی سمت کے شمال و مشرق کی ہوا زیادہ مرطوب ہوتی ہے اور اسکے چلنے کے زمانے میں مکانوں کا پتھر کا فرش ایسا معلوم ہوتا ہے گویا بھیگ گیا ہے۔

بیماریاں، جو مکہ و جدہ میں پھیلتی ہیں قریب قریب ایکساں ہیں اور ساحل حجاز شہر میں عام لباس سے زیادہ مضر متمام ہے۔ باری کا بخار یہاں اکثر آتا ہے۔ علیٰ ہذا پیچش بھی عام ہے اور اکثر یہ مہلک ثابت ہوتی ہے۔ بہت کم آدمی یہاں ایسے ہونگے کہ برس گذر جائے اور ان سکا یتوں میں سے ایک نہ ایک میں مبتلا نہ ہوں اس کا بڑا ثبوت ترکی فوج سے ملا جو محمد علی کے ساتھ یہاں آئی تھی۔

بہ نسبت مکے کے جدے میں تپ محرقہ کم ہے لیکن جدے میں اکثر موسمی بخار پھیلتا ہے اور بعض وقت متعدی ہوجاتا ہے اور ایک دن میں پچاس پچاس آدمی اس سے مرتے ہیں۔

فصیح اور اصمعی نے مکے کے متعدی امراض کا اکثر ذکر کیا ہے۔ سنہ ۱۶۷ھ میں ایک وبا پھیلی تھی جس سے روزانہ پچاس پچاس آدمی مرتے تھے اور سنہ ۷۹۳ھ و ۸۴۹ھ اور سنہ ۱۲۲۹ھ میں بھی شہر میں وبا آئی تھی اور آخری مرتبہ دو ہزار آدمی مرے تھے۔ مصنفین نے پلیگ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور نہ بڈھے بڈھے باشندوں کی یاد میں کبھی وہ یہاں آیا جس کی وجہ سے یہ اعتقاد ہوگیا ہے کہ خدا نے اس مقدس ملک کو تباہیوں سے بچایا ہے۔ لیکن ۱۸۱۵ء

میں طاعون بڑے زور سے پھیلا تھا جس کا ذکر میں ایک دوسرے موقعہ پر کرونگا اسمیں مکہ وجدہ کی آبادی کا چھٹا حصہ مرا تھا۔

حجاز میں فساد خون کے امراض کم ہیں میں نے طائف میں صرف ایک بدوی کو جذام میں مبتلا دیکھا یہاں فیل پا اور رشتے کی بیماری بھی کبھی کبھی دیکھنے میں آجاتی ہے میں نے کئی شخصوں کو دیکھا جن کو خوفناک فیل پا تھا۔ مکے میں پتھری کا عارضہ بھی اکثر ہوتا رہتا ہے یہ شاید پانی کی خاصیت کی وجہ سے ہوتی ہے جس کی خرابی کے باعث ان گرم ملکوں میں اور بھی کئی بیماریاں ہوجاتی ہیں۔ میں نے سنا کہ صرف قبیلہ بنی سعد کے بدوی جو طائف سے کوئی تیس میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف رہتے ہیں پتھری نکالنے میں استاد ہیں صلح کے زمانہ میں انمیں کے بعض بدوی پتھری کے مریضوں پر عمل جراحی کرنے کے لئے مکے آتے ہیں۔ یہ علاج اُن کو علم سینہ بسینہ کے طور پر پہنچا ہے اور دوسروں سے وہ اس کو چھپاتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایک معمولی نشتر سے کام لیتے ہیں اور اکثر آرام ہوجاتا ہے۔

ٹانگوں کے زخم خصوصًا پنڈلی کے ہڈی کے مکہ وجدہ دونوں جگہ بہت ہیں لیکن جدے میں زائد ہیں کیونکہ ہوا کی رطوبت سے وہاں علاج بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ فی الحقیقت یہاں کی یہ حالت ہے کہ اگر ذرا سے کھروچے یا کسی پتنگے کے دو وڑے کی طرف سے ذرا بھی غفلت کیجائے ایک زخم بنجاتا ہے اور پھر بہت جلد اچھا خاصا گھاؤ ہوجاتا ہے۔ سڑکوں پر اکثر ایسے آدمی پھرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جنکی ٹانگوں پر زخم ہوتے ہیں اگر کوئی ان زخموں کی پروا نہ کرے تو تھوڑے دنوں میں ہڈی کو بھی کھا لیتے ہیں۔ چونکہ پھوڑے پھنسیوں کے علاج میں ایک جگہ بیٹھے رہنے پر اور آرام کرنے کی ضرورت ہے اور غریب آدمیوں سے یہ ہو نہیں سکتا اسلئے اچھی طرح علاج بھی نہیں ہوتا اور جب بیماری خوفناک ہوجاتی ہے چلنا پھرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اپنے حوائج ضروری کو پورا نہیں کر سکتے اور ایسی حالت میں کوئی ڈاکٹر ملتا نہیں تو آخر خاتمہ ہوجاتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جدے کی کوئی چوتھائی آبادی ایسی ہے جنکی ٹانگوں پر ناسور ہیں اور چونکہ وہ سمندر کے پانی سے نہاتے دھوتے رہتے ہیں اسوجہ سے یہ زخم اور بھی بند گھاؤ بنجاتے ہیں۔ جب تک میں مکے میں رہا میں بہت کم اچھا رہا دو مرتبہ مجھے بخار آیا اور شامی قافلے کی رخصت کے بعد دست آتے رہے جن دنوں میں بالکل اچھا تھا تو بھی کچھ اچھا نہ تھا۔ دل نڈھال رہتا تھا ہاتھ پاؤں گرے جاتے تھے بھوک بالکل نہیں لگتی تھی۔ البتہ خدا کے فضل سے میں حج کے پانچ دن بالکل اچھا رہا حالانکہ احرام کی وجہ سے

سخت تکلیف تہی۔ میری طاقت طاق ہوگئی تہی اور اپنی جگہ سے ہلنا ایک بار معلوم ہوتا تہا اصل میں میری بیماری کا بڑا سبب خراب پانی کا ملنا تہا اور پہلے ہی سے مجہے اسکا تجربہ ہو چکا تہا کہ میرے مزاج کو سوائے نیل کے پانی کے کوئی پانی موافق آتا ہی نہیں۔ مسافروں کو ریگستان میں عموماً کہاری پانی ملتا ہے لیکن اسوقت چونکہ سفر سے وہ گرمائے ہوئے ہوتے ہیں اور غذا بہی اُن کو خاطر خواہ نہیں ملتی ایسی حالت میں یہ پانی دوا کا کام دیتا ہے لیکن کچہہ روز تک قیام کے بعد جب یہ پانی پیا جاتا ہے تو برعکس نتیجہ ہوتا ہے۔ ہاں کوئی عرصہ دراز تک قیام کرکے معدے کو اسکا عادی بنا دے تو وہ اور بات ہے۔

اگر میری تندرستی اچہی رہتی تو میں جنوب کی طرف کی وادیاں دیکہتا اور چند مہینے حجازی بدوؤں میں گزارتا مگر مسافر پر بیماری کا اثر بہت ہی برا پڑتا ہے جس سے بزدلی اور پست ہمتی پیدا ہو جاتی ہے اور برے سے برے خیالات دلمیں گزرتے ہیں اور طرح طرح کے اندیشے دماغ میں چکر لگاتے ہیں۔

دسمبر ۱۸۱۴ء میں غذا کی قیمت حسب ذیل تہی۔

نام اشیاء	وزن	قیمت	
		پیاستر	پارہ
گائے کا گوشت	آدہ سیر	۲	۱۰
بکری کا گوشت	"	۲	۰
اونٹ کا گوشت	"	۱	۰
گہی	"	۵	۰
پنیر	"	۳	۰
ایک مرغی	۰	۶	۰
انڈا	۰	۱۰/	۸
دودہ	آدہ سیر	۲	۰
لہسن	"	۰	۴۰
پیاز			

نام اشیاء	وزن	قیمت پیاسٹر	قیمت پارہ
پالک	آدہ سیر	۰	۳۰
مولی	″	۰	″
شلجم	″	۰	″
بیگن	″	۰	″
ایک چھوٹی سی روٹی	۰	۰	۷۰
بسکٹ	آدہ سیر	۰	۳۲
طائف کی کشمش	″	۱	۲۰
کھجور	″	۰	۲۵
شکر	″	۲	۱۰
قہوہ	″	۲	۲۰
انار	″	۰	۱۵
نارنگی	″	۰	۱۵
نیمبو	″	۰	۱۵
تمباکو شامی	″	۶	۰
معمولی تمباکو	″	۱	۳۰
تمبک یا ایرانی حقہ کا تمباکو	″	۳	۰
گیہوں	ایک کیل	۳	۰
آٹا	″	۳	۲۰
	″	۳	۰
		۲۱	۳۰